بحث وتحقیق، سیرت وتفسیر، سلوک واحسان اور تصوف وتکشف
کے حقائق ومعارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارفِ بہلوی ؒ

جلد اول

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

ترتیب وتسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

بحث وتحقیق، سیرت وتفسیر، سلوک واحسان اور تصوّف وتکشف
کے حقائق ومعارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارف بہلوی

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

جلد اول

ترتیب وتسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری
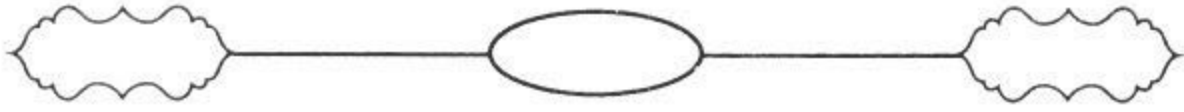
مکتبہ لدھیانوی

نام کتاب: ـــــــــــ معارفِ بہلویؒ

تالیف: ـــــــــــ حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ

ترتیب وتسہیل: ـــــــــــ مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب

تاریخِ اشاعت: ـــــــــــ جولائی ۲۰۰۶ء

قیمت: ـــــــــــ

ناشر: ـــــــــــ مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: ـــــــــــ جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

فون: 2780340 - 2780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

چند سال پیشتر حضرت مولانا عبدالرشید ارشدؒ کی تحریک پر اپنے مرشد و مربی اور خاندانی محسن، مرشد العلماء، قطب الارشاد، حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ کی حیات پر ایک مفصل مضمون قلم بند کرنے کی سعادت میسر آئی، اسی دوران حضرت مرحوم کی تصنیفات اور علمی رسائل دیکھنے اور جمع کرنے کا شوق اور داعیہ پیدا ہوا، تو خیال ہوا کہ ان رسائل کا مختصر سا تعارف بھی آجائے، اس غرض سے جب اس علمی خزانہ کو دیکھا تو احساس ہوا کہ بلاشبہ آج سے پچاس سال پہلے کی عوام کی استعداد آج کے مجھ جیسے نام نہاد مولویوں سے اچھی تھی، جب ہی تو حضرت مرحوم کے اس دور کے عوام کے لئے لکھے گئے رسائل، جو بلاشبہ دریا بکوزہ کا مصداق ہیں، ان کا سمجھنا ہمارے لئے کارے دارد! اسی لئے اس مضمون میں راقم نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ ان کی جمع، ترتیب اور تسہیل کا کام کردے تو خاصے کی چیز ہوگی۔

حسنِ اتفاق سے جب اس مضمون کی پہلی بار ''بزمِ حسین'' میں اشاعت ہوئی تو کئی دُوسرے حضرات نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا، بعض احباب نے یہ فرمایا کہ تم ہی یہ کام کرلو، مگر اس مشکل کام کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگتا تھا کہ کہیں حضرتؒ کے علوم کی اشاعت کی جگہ ان میں تحریف کا مرتکب نہ ہوجاؤں، چنانچہ اس خوف سے یہ کام مزید تاخیر و تعطل کا شکار ہوتا گیا، بالآخر جب احباب کا اصرار بڑھا تو اپنے بزرگ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی شیخ الحدیث باب العلوم کہروڑپکا دامت برکاتہم اور دُوسرے اکابر سے مشورہ کیا، تو انہوں نے اس

عنوان پر کام کرنے پر نہ صرف زور دیا بلکہ ہمت بندھوائی، چنانچہ حضرتؒ کے رسائل جمع کرنا شروع کردیئے، کچھ اصل دریافت ہوئے، تو کچھ کے فوٹو حاصل کئے، اور اللہ کا نام لے کر کام شروع کردیا۔ بلامبالغہ یہ کام جتنا اُونچا تھا، اس سے کہیں زیادہ مشکل اور جاں گداز بھی تھا، کئی بار ہمت نے جواب دے دیا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی حضرت بہلوی قدس سرہٗ کی بعد از وفات کرامت تھی کہ ان مشکلات کے باوجود بھی اپنی سی کوشش میں لگا رہا اور جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آجاتی، وہاں حضرت مولانا زوّار حسین شاہ قدس سرہٗ کی کتب، مکتوباتِ مجدد الف ثانی، حضرت تھانویؒ یا دُوسرے اکابر کی کتبِ تصوف سے مدد لے کر اس کی تسہیل کی کوشش کی، اور ہمیشہ یہ دُعا کرتا رہا: یا اللہ! مجھے حضرتؒ کے علوم و معارف کی تسہیل و افادیت کا ذریعہ بنا، اور ان کے علوم و معارف کی تحریف و بگاڑ کا ذریعہ نہ بنا۔ جب اس کام سے فارغ ہوا تو حضرتِ اقدس مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم سے اس پر نظرِ ثانی کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا: اس کے لئے مولانا سیّد جاوید حسین شاہ صاحب مدیر جامعہ عبیدیہ فیصل آباد زیادہ موزوں ہیں، یا پھر مولانا محمد عابد صاحب اُستاذ جامعہ خیرالمدارس ملتان۔ یہ مکالمہ چل ہی رہا تھا کہ حسنِ اتفاق سے وہاں حضرت مولانا سیّد جاوید حسین شاہ صاحب مدظلہٗ سے ملاقات ہوگئی، ان سے مشورہ ہوا تو انہوں نے فرمایا: مولانا محمد عابد صاحب ہی اس کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ چنانچہ جب تسہیل کا کام مکمل ہوا تو راقم الحروف نے ملتان کا سفر کیا اور سارا مسودہ حضرت مولانا محمد عابد صاحب کی خدمت میں پیش کردیا، اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر دے! کہ انہوں نے اس کام کو جی جان سے زیادہ عزیز رکھ کر ایک ہفتہ میں پورا کیا، اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ حضرتؒ کے رسائل میں جتنا فارسی اشعار تھے، ان کا انہوں نے پہلے سے کسی عالمِ دِین سے اُردو ترجمہ کرا رکھا تھا، وہ ہر ایک شعر کے ساتھ جوڑ دیا۔

اسی طرح حضرتؒ کے تصوف کے وہ مضامین جو حضرتؒ کی حیات میں اشتہارات اور چارٹ کی شکل میں شائع ہوئے تھے اور انہوں نے ان کو ''جواہر بہلویہ'' کے عنوان سے شائع کیا تھا، ان کو بھی شامل کرنے کا مشورہ دیا، مگر میں نے اس پر یہ شرط رکھی کہ جو مضامین

حضرتؒ کی زندگی میں شائع ہوئے تھے، اگر ان کی اصل میسر ہوگی تو شامل کروں گا، تاکہ ہماری طرف سے تحریف و اضافہ کا شبہ نہ ہو، چنانچہ ایسے تمام رسائل کو حضرتؒ کے رسالہ ''ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ'' کے زیرِ عنوان آخر میں شامل کردیا گیا ہے، چونکہ حضرتؒ کے رسائل میں ''القول النقی فی حیات النبیؐ'' کے حوالے قدیم تھے اور زیادہ تر اُردو ترجمے تھے، اس لئے ان کی تخریج ضروری سمجھتے ہوئے اصل عربی عبارتیں اور ان کے تراجم بھی شامل کردیئے گئے۔

اصل مطبوعہ رسائل میں جہاں لفظی اغلاط تھیں، ان کی تصحیح کی کوشش کی گئی، جہاں قدیم اُردو عبارت تھی، ان کو جدید اُردو میں اس طرح ڈھالا گیا کہ حضرتؒ کی عبارت کا مفہوم نہ بدلے، بلکہ حتی الوسع حضرتؒ کی بابرکت عبارت کے الفاظ تھوڑی بہت تقدیم و تاخیر سے برقرار رہیں۔ اسی احتیاط کے پیشِ نظر اس مجموعہ کا نام ''معارفِ بہلویؒ'' تجویز ہوا، نیز ترتیب وتسہیل میں راقم کے نام کی ضرورت بھی اسی لئے پیش آئی کہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

چونکہ حضرتؒ کے اصل رسائل پہلی طباعت میں مختلف سائزوں میں طبع ہوئے تھے، چنانچہ بعض کلاں تھے، تو بعض خورد اور بعض جیبی سائز کے، اس لئے سب کی ایک سائز $\frac{۳۶\times۲۳}{۱۶}$ میں کمپیوٹر کمپوزنگ کرائی گئی اور تمام رسائل کے ٹائٹل بھی جدید انداز میں کتابت کرائے گئے، یوں اس کی تعدادِ صفحات میں خاصا اضافہ ہوگیا، اس لئے ان سب کو چار جلدوں میں تقسیم کرنا پڑا، پھر احباب کا خیال ہوا کہ حضرتؒ پر راقم کا وہ مضمون جو ''بزمِ حسین'' میں آچکا ہے، اسے بھی بطور مقدمہ کے اس کتاب کا حصہ بننا چاہئے تاکہ قاری کے سامنے حضرتؒ کی شخصیت کا مختصر سا تعارف بھی آجائے۔

اس سب کے آخر میں یہ مرحلہ درپیش تھا کہ چونکہ حضرتؒ کے رسائل مختلف عنوانات پر ہیں، تو ان سب کی ترتیب کیا ہونا چاہئے؟ اس لئے احباب اور علماء کے مشورہ سے اس کی ترتیب، ایمانِ مفصل کی ترتیب کے تحت رکھی گئی ہے، یعنی: توحید، رسالت، قرآن، تفسیرِ قرآن اور سلوک و احسان وغیرہ، چنانچہ:

جلد اوّل میں:... اشاعت التوحید (حصہ اوّل، دوم، سوم)، خیرالاذکار فی حیات

سیّد الابرار، سیرۃ النبی کی اجمالی سیر، القول النقی فی حیاۃ النبیؐ، شجرۂ طیبہ، وسیلۂ رفیعہ۔

جلد دوم میں:...قوانین تعلیم و تربیت طلباء، فوائدِ قرآن، القول الوجیز فی اُصول کلام العزیز، الکلمات الراجحۃ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ، ترکِ منکرات در صدقۂ جمعرات، تین استفتاء کے جوابات، تعظیم الشعائر، تحفۃ الفقیر الی اللہ، آدابُ الدعا، کتاب الادعیۃ والتعویذات۔

جلد سوم میں:...فیضِ رُوحانی رحمتِ صمدانی، اِصلاحِ نفس، تزکیۂ رُوحانی، معارف السلوک، مسائلِ تصوّف، نکات التصوّف، تصوّفِ اہلِ صفا، آداب الشیخ والمرید، التصرف فی حقیقۃ البیعۃ والتصوّف، تربیت المرید بذکر الحمید، ترک المنکرات، ترک السیئات مع درک الحسنات، محاسبۃ الاعمال فی الغدو والآصال، تصفیۃ الاعمال، طاعۃ الالٰہ فیما یتعلق بالاعضاء، تزکیۃ الاعمال۔

جلد چہارم میں:...الوفاء بعہد الاولیاء، فوائد مہماتِ تصوّف و دفعِ مغالطات، آداب الذکر واقسام الفکر، انکشاف الاحوال والاوہام، التبیین فی ہمزات الشیاطین، مکائدِ شیطان، طبِ رُوحانی، التجلی فی الانوار والتحلی، عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار، ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ، شامل ہیں۔

اس کتاب کی تیاری، ترتیب اور تسہیل میں میرے مخدوم اور مخدوم العلماء حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم، مولانا محمد عابد صاحب مدظلہٗ اور میرے عزیز برادران مولانا محمد اعجاز سلّمہٗ ربہ، جناب الحاج سیّد محمد اطہر عظیم سلّمہٗ ربہ، مولانا محمد طیب لدھیانوی سلّمہٗ ربہ، جناب الحاج عبداللطیف طاہر سلّمہٗ ربہ اور برادرِ عزیز محمد وسیم غزالی سلّمہٗ ربہ نے جس قدر دِل کھول کر تعاون کیا، میرے پاس ان کے لئے شکریہ کے الفاظ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی بارگاہِ عالی سے دُنیا و آخرت میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

سعید احمد جلال پوری

۱۸/۶/۱۴۲۷ھ

اجمالی فہرست

فہرست

خیر الاذکار فی حیات سیّد الابرار

سیرۃ النبی کی اجمالی سیر ۲۷۵

شجرۂ طیبہ ۳۶۵

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے ''میرے حضرت بنوریؒ کی چند حسین یادیں'' میں حضرت بنوری قدس سرہٗ کے ایک رسالہ ''ابدأ الکبد'' کے افتتاحیہ میں مرحومین کی یاد میں لکھے جانے والے مضامین کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''.....اس سے مقصد ایک تو ادائے حق رفتگان ہے، دُوسرے صالحین کی یاد وتذکار موجبِ نزول رحمت ہے، تیسرے اس سے مرحومین کی اقتدا کا داعیہ پیدا ہوگا، چوتھے اولیائے سابقین کے جو واقعات اس افسانوی دور میں افسانے نظر آتے تھے، ان سے استبعاد رفع ہوگا، پانچویں ہمارے اکابر کی عالی حوصلگی کا اندازہ ہوگا کہ: دریا نوش کردند وآروغ نیارند۔''
>
> (شخصیات وتأثرات ج:۱ص:۱۶۳)

اسی جذبے سے اپنے شیخِ اوّل مخدوم العلماء، قطبِ وقت، مرجعِ خلائق، صوفئ باصفا، امام الاتقیاء، شیخ التفسیر، مجددِ تصوف، رہبرِ شریعت وطریقت، حضرتِ اقدس،

خواجۂ خواجگان، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی ثم شجاع آبادی قدس سرہٗ کی سیرت و سوانح سے متعلق کچھ معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

اس کا اعتراف نہ کرنا ناانصافی ہوگی کہ اس سعادت کے حصول اور شرف کی تحصیل کے لئے میرے مخدوم اور مخدوم العلماء حضرت مولانا عبدالرشید ارشد زید مجدہٗ (یہ مضمون اس وقت لکھا گیا جب مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ اور مولانا عبدالرشید ارشدؒ حیات تھے) کی تحریک وتشویق، بلکہ کسی حد تک مشفقانہ گرفت کا ہی زیادہ تر دخل ہے۔ بلاشبہ اگر موصوف مجھے اس طرف متوجہ نہ فرماتے اور بار بار یاد دہانی نہ کراتے تو شاید مجھ ایسا کوتاہ ہمت اور لکھنے لکھانے سے گریزاں اس کوچہ میں قدم نہ رکھتا۔

راقم الحروف یوں تو ایک عرصہ سے بینات میں ''یادِ رفتگاں'' کا کالم لکھتا ہے، بلکہ صحیح معنی میں گھسیٹتا ہے، مگر اس بار اگرچہ مخدوم مکرم حضرت مولانا عبدالرشید ارشد صاحب کے توجہ دلانے سے حضرت بہلویؒ پر لکھنے کی حامی تو بھرلی، مگر سچی بات یہ ہے کہ حضرتؒ جیسی عبقری شخصیت اور ان کی سیرت وسوانح پر قلم اُٹھانے کے لئے طبیعت بالکل آمادہ نہیں ہوتی تھی، دل و دماغ ساتھ نہیں دیتے تھے اور فکروسوچ میں یارا اور قلم میں طاقت نہیں تھی کہ میں حضرتؒ پر لکھوں تو کیا لکھوں؟ کیسے لکھوں؟ کہاں سے اس کی ابتدا کروں؟ کیا چھوڑوں اور کیا لکھوں؟ لیکن بالآخر مخدوم مکرم حضرت مولانا عبدالرشید ارشد مدظلہٗ کی توجہات نے اپنا اثر دِکھلایا اور بنامِ خدا قلم سنبھال کر بیٹھ گیا، میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق و سچ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

زندگی کا یہ دُوسرا مرحلہ ہے جب قلم وقرطاس اجنبی معلوم ہوئے، اور دِل و دِماغ تعطل کا شکار ہوگئے۔ پہلی بار آج سے ڈھائی تین سال قبل جب میرے مخدوم و مرشد اور مأویٰ و ملجا حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے جامِ شہادت نوش کیا اور ''بیناتِ'' میں اپنے عبراتِ غم سپردِ قلم کرنے لگا تو بلامبالغہ کئی بار لکھا اور قلم

زد کردیا، ہر بار یہی سوچتا کہ میری تحریر اور حضرتؒ کی شخصیت...!

''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک؟''

بالآخر میرے برادرِ کبیر اور محسن مولانا مفتی محمد جمیل خان مدظلہٗ کی فہمائش نے کام کیا اور یہ سوچ کر کہ ہماری کوئی تحریر حضرتؒ کے شایانِ شان نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی ہم اس کے مکلّف ہیں کہ اپنے خامہ و قرطاس کو اس معیار پر پہنچائیں، ہم تو صرف اس کے مکلّف ہیں کہ جیسے تیسے بن پڑے، اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کردیں۔

اب یہ دُوسرا موقع ہے کہ ایک سال ہونے کو آیا ہے حضرت مولانا عبدالرشید ارشد زِید مجدہٗ بار بار یاددہانی کراتے ہیں، ایفائے عہد کی طرف توجہ دلاتے ہیں، مگر طبیعت اپنی نااہلی کی وجہ سے اس طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ شاید اس لئے کہ بعض شخصیات اپنے پسماندگان پر اپنی عظمت کا کچھ ایسا نقش چھوڑ جاتی ہیں کہ ان کی عظمت و رفعت کے مقابلے میں سب کچھ ہیچ نظر آتا ہے، اور اپنی ساری صلاحیتیں صفر دکھائی دیتی ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس میدان میں، صرف میں ہی اکیلا نہیں، بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ جیسی عبقری شخصیت بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار رہی، چنانچہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں:

''کسی ایسی شخصیت کے اوصاف و کمالات کے بارے میں قلم اٹھانا، جس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کا خاص اجتبائی معاملہ ہو، یوں بھی بہت ہی نازک اور کٹھن مرحلہ ہے کہ ناواقف قارئین کو مبالغہ آرائی کا گمان گزرتا ہے، اور اہلِ نظر کو سطحیت، کوتاہ بیانی اور مرتبہ ناشناسی کی شکایت رہتی ہے، ادھر

حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اس ناکارہ کے ذہن پر جمود و تعطل اور قبض کی ایسی کیفیت طاری ہے کہ احباب اصرار پر اصرار اور تقاضے پر تقاضے کر رہے ہیں کہ کچھ لکھو! مگر اپنا یہ حال ہے کہ:

میں خود ہوں کہیں، دِل ہے کہیں، ہوش کہیں!

لکھنے بیٹھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ خامہ و قرطاس سے کبھی آشنائی نہ تھی، اس ناکارہ کو کم از کم تحریر کے معاملے میں کبھی ایسے صبر آزما مرحلے سے گزرنا نہیں پڑا، جس کا تجربہ پہلی بار حضرتِ شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کے سلسلہ میں پیش آیا۔''

(شخصیات و تاثرات ج:۱ص:۱۹۸)

اب جبکہ حضرت بہلویؒ پر لکھنا ہی ٹھہرا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تبرک و تیمّن کی غرض سے: ''قدرِ زر زرگر بداند یا بداند جوہری'' کے مصداق اس مضمون کی ابتدا بھی اس تحریر سے کی جائے جو ایک عارفِ ربانی نے دُوسرے عارف باللہ کے بارے میں سپردِ قلم کی تھی، یعنی حضرت حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے حضرت بہلوی قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر ''بینات'' میں جو شذرہ لکھا تھا، سب سے پہلے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''مخدوم العلماء، پیرِ طریقت و شریعت، شمس العارفین، شیخ التفسیر مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلوی شجاع آبادی ۲رجنوری ۱۹۷۸ء بمطابق ۲۲رمحرّم ۱۳۹۸ھ بروز سوموار رات بعد نمازِ عشاء اس جہانِ فانی سے رحلت فرماگئے، نمازِ جنازہ ہزاروں علماء، اکابر مشائخ، فضلاء، صوفیا اور دانشوروں کی موجودگی میں

حضرت امیر العلماء مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی نے پڑھائی، اور آپؒ کے قائم کردہ مدرسہ اشرف العلوم کی مسجد کے قریب اسلاف کی یادگار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہزاروں اشک بار آنکھوں کے ساتھ سپردِ خاک کردیا گیا۔

آپؒ نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے چند دن تک اسباق پڑھے، اور حدیث فخر الاماثل خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے حاصل کی۔ رُوحانی اکتسابِ فیض قطب العالم، شیخ المشائخ، مولانا فضل علی قریشی مسکین پوریؒ سے کیا، اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت حاصل کی۔ رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ واں بھچراں سے دورۂ تفسیر پڑھا اور ان سے تمام سلاسل میں مجاز ہوئے۔ عرصہ ساٹھ سال تک فارغ التحصیل علماء، فضلاء کو رمضان المبارک میں دورۂ تفسیر پڑھاتے رہے۔ آپؒ کا حلقۂ مریدین ملک کے دُور دراز حصوں میں پھیلا ہوا ہے۔ تیس سے زائد کتبِ تفسیر، کتبِ حدیث، کتبِ علومِ تصوّف کے مصنف تھے۔ ۸۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ جنازے میں تقریباً چالیس ہزار سے زائد علماء اور عوام وخواص نے شرکت کی۔ حضرت درخواستی مدظلہٗ نے حضرت بہلویؒ کی وفات کو مولانا شیخ بنوریؒ کی وفات کے بعد اُمت کے لئے دُوسرا عظیم رُوحانی، علمی صدمہ قرار دیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے ان اکابرین کی وفات سے ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچا۔ پسماندگان میں تین صاحبزادے اور چار لڑکیاں اور ایک

بیوہ ہے۔ بڑے صاحبزادے الحاج مولانا عبدالحی صاحب مدظلہٗ کو حضرت درخواستی نے آپؒ کا جانشین مقرر کیا اور ان کی دستار بندی فرمائی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی رُوحانی خانقاہ اور علمی فیض کو ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رکھے، اور پسماندگان کو حضرتؒ کے نقشِ قدم پر چلائے، آمین!''

(''بینات'' ذوالقعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۸ء)

ولادت:

حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی شجاع آبادیؒ کی ولادت باسعادت جلال پور پیروالہ کے شمال مغرب میں واقع ایک مضافاتی بستی ''بہلی'' میں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ کو جناب مولانا محمد مسلم صاحبؒ کے ہاں ہوئی۔

کسی شخصیت کے ذاتی حالات وکوائف اور سوانح کو بیان کرنے میں جتنا اس کی اپنی زبان وقلم اور خودنوشت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اتنا کسی دُوسرے ذرائع کو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرتؒ کی خودنوشت سوانح سے مدد لی جائے، اس لئے راقم الحروف نے اس تحریر میں زیادہ تر حضرتؒ کے رسالہ ''فیضِ رُوحانی رحمتِ صمدانی'' کی معلومات پر انحصار کرتے ہوئے اس سے اقتباسات لئے ہیں، چنانچہ حضرتؒ اپنی ولادت باسعادت کے واقعات کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر بچپن کے دور میں جو احسانات کئے ہیں، ان کے اجمالی تذکرے کے بجائے تفصیلی تذکرے سے بالکل عاجز ہے، پھر عقل وشعور کے دور کے

انعامات میں سے بھی کل کی بات یاد نہیں رہتی، تو برس ہا برس اور پھر عمر بھر کی نعمتیں دماغ میں کیسے آسکتی ہیں؟ لہٰذا کچھ شنیدہ اور بعض دیدہ مشت نمونہ کے طور پر پیشِ خدمت ہیں:

حضرت والدِ ماجد مولانا محمد مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا، چند ماہ یا برس بھر کا ہوکر مرجاتا تھا، اتفاقاً ایک بزرگ، جن کا وہ نام مبارک بھی لیتے تھے، تشریف فرما ہوئے، ان کی خدمت میں اس بات کا تذکرہ کیا گیا، بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد یک صد (۱۰۰) بار یہ دُعا پڑھا کرو:

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ"

اِن شاء اللہ اسی دن اللہ تعالیٰ نیک وسعید اور لمبی عمر والا بچہ عطا فرمائے گا، چونکہ جس دن دُعا کا عرض کیا گیا وہ منگل کا دن تھا، تو ان کے فرمان کا حاصل یہ ہوا کہ ایک برس بعد اسی منگل کے دن بچہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ ان کی کرامت کا ایسا اظہار ہوا کہ ایک برس بعد اسی منگل کے دن یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ کو سورج نکلتے ہی تُو پیدا ہوا۔

غالبًا ایسی کرامت اور تاریخ کے تعین کا ان کو اِلہام ہوا ہوگا، اور ان کو اس کے اظہار کی اجازت ہوگی، وگرنہ تواریخ میں اتنی تفصیل کی کرامت کم ملتی ہے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مروّجہ نذر و نیاز اور

قبور کی منّت کے کم ہی قائل تھے، آپؒ متوکل علی اللہ تھے، آپؒ
نے اللہ تعالیٰ سے منّت مان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچہ
دیا تو اُسے علمِ دِین پڑھاؤں گا اور اُسے عالمِ دِین بناؤں گا،
فرماتے تھے کہ: جب تو پیدا ہوا تو میں یہ دُعا مانگا کرتا تھا کہ:

''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا کہ میں اس کو
منبرِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر چڑھ کر وعظ کرتا دیکھوں۔''

چنانچہ جب بندہ دیوبند سے دورۂ حدیث کرکے آیا تو
حضرت والد ماجدؒ نے مجھے وعظ کرتے اور طلباء کو پڑھاتے دیکھا،
اور بڑی کتابیں پڑھنے والے بڑے طالب علم بھی پڑھتے دیکھے،
چنانچہ میری فراغت کے دو سال بعد دُنیا فانی سے دارالبقاء کو
راحتِ آنکھ اور دِل سے پہنچے۔'' (ص: ۸، ۹)

تعلیم:

آپؒ جب چار سال، چار ماہ اور چار دن کے ہوئے تو حسبِ دستور آپؒ کو
پڑھنے بٹھا دیا گیا، حضرتؒ اپنی تعلیم کی ابتدا اور تکمیل کے بارے میں اپنی خود نوشت
میں لکھتے ہیں:

''حضرت والد صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ:
''علماء نے کہا تھا کہ جب لڑکا چار برس، چار ماہ اور
چار دن کا ہو جائے تو اُسے تعلیم میں سپرد کیا جائے، چنانچہ تمہیں
اس عمر میں پڑھنے کو بٹھلایا۔''

فرماتے تھے کہ:

''عقیقے کے دن حضرت حافظ عبد القادر صاحب پونٹوی رحمۃ اللہ علیہ، جو اپنے وقت کے عالمِ باعمل، صوفیٔ ابو الوقت اور کامل بزرگ تھے، وہ اور دوسرے علماء تشریف لائے اور سب نے دُعا کی۔''

جب پڑھنے پر بٹھلایا گیا تو حضرت سیّد السادات مولانا سیّد محمد شاہ قدس سرہٗ تشریف فرما ہوئے، جو اپنے وقت کے معقول ومنقول کے عالم اور متدین و ماہر مدرّس تھے، ان کے بھائی حضرت سیّد السادات مولانا قادر بخش شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں قاعدہ شروع کرایا گیا، چنانچہ قرآن مجید اور فارسی تحفۃ الاحرار تک ان کی خدمت بابرکت میں پڑھتا رہا۔

حضرت والد صاحب مرحوم ومغفور نے تھوڑے سے وقت میں بہت سی تعلیمی مشقت رکھی، چنانچہ گیارہ بجے تک پرائمری مدرسہ، جو غازی پور میں تھا، میں پڑھا کرتا تھا، عصر تک حضرت قبلہ شاہ صاحب مرحوم ومغفور مذکور کی خدمت میں فارسی کا سبق، عصر کے بعد سے بستی ملکانی میں مولانا غلام محمد صاحب جھنڈانے والے مرحوم ومغفور کی خدمت میں بھیجتے تھے، جو رات تک قرآن مجید یاد کراتے تھے، جب احباب نے حضرت والد ماجدؒ کو ملامت کی کہ بچہ اتنی محنت برداشت نہ کر سکے گا، تو تقریباً ایک برس کے بعد رات کو ملکانی بستی بھیجنا موقوف کر دیا۔

دس، گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں، پرائمری پانچ جماعت اور فارسی تحفۃ الاحرار تک ختم ہوئی، تو حضرت شاہ

صاحب قدس سرہٗ سے رُخصت لے کر بیٹ قیصر میں اُستاذ الکل حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہٗ جو کہ عالم کامل اور وقت کے بزرگ تھے، ان کی خدمت میں صَرف پڑھنے کے لئے پہنچایا گیا، تین سال کے عرصے میں نحو: شرح جامی تک، منطق: شرح تہذیب، اُصول: نورا لانوار تک، اور فقہ: شرح وقایہ تک ان کی خدمتِ مبارک میں پڑھی، (اللہ تعالیٰ ان سب پر ہزاروں رحمت فرمائے، آمین!)۔

پھر ہدایہ، حسامی، عبدالغفور، تکملہ، مشکوٰۃ شریف اور قطبی، سیبویہ وقت، عالم الاصول و الفروع، حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب مدظلہٗ پونٹوی کی خدمتِ بابرکت میں پڑھیں، اسی اثنا میں تین مہینے دوآبہ ضلع مظفرگڑھ میں، حضرت مولانا مولوی محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی پڑھتا رہا۔''

(ص: ۹ تا ۱۱)

دارالعلوم دیوبند روانگی:

اس کے بعد احباب و اکابر کی رائے کے پیشِ نظر مدرسہ عالیہ دیوبند میں حاضری ہوئی، دارالعلوم دیوبند میں آپؒ نے جو، جو کتابیں پڑھیں، وہ حضرتؒ کی زبانی درج ذیل ہیں:

''پہلے سال: سُلّم العلوم، ملاحسن، میبذی، تصریح اور مختصر المعانی پڑھیں، دوسرے سال: دورۂ حدیث شروع ہوا، پہلے دو، تین دن شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ العالی نے

ترمذی کے سبق پڑھائے، پھر وہ مکہ معظّمہ چلے گئے، وہ اسی سفر میں اسیرِ مالٹا ہوئے، پھر عالم الدنیا، محدّث العصر، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ اور کامل اکمل حضرت مولانا سیّد اصغر حسین قدس سرہٗ کی خدمتِ بابرکت میں اسباق شروع ہوئے۔'' (ص:۱۱)

تکمیل:

دینی مدارس میں دورۂ حدیث کے بعد عموماً ایک سال مزید پڑھایا جاتا ہے، جسے مدارس کی اصطلاح میں ''تکمیل'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت بہلوی قدس سرہٗ دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد علاقہ لودھراں کی مضافاتی بستی ''نکے ارائیں'' جو اس وقت دینی علوم کا ایک بہترین مرکز شمار ہوتی تھی، تشریف لے گئے، جہاں قطبِ وقت حضرت مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہٗ علم وعمل کی بہاریں لٹا رہے تھے، وہاں تکمیل کے اسباق مکمل فرمائے، اس کی رُوئیداد حضرتؒ اپنی خودنوشت میں یوں بیان فرماتے ہیں:

''معقول وفلسفہ کی کچھ کتابیں بچ گئی تھیں، وطن واپس آ کر تحصیل لودھراں بمقام نکّے ارائیں، مدرسہ معین الاسلام میں جامع الاصول والفروع، امام المعقول والمنقول، باقی باللہ، حضرت مولانا محمد امیر دامانی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں قدس سرہٗ کی خدمت میں میر زاہد، ملا جلال، قاضی مبارک، شمس بازغہ، شرح چغمینی، تلویح وغیرہ پڑھیں، یہ ۱۳۳۴ ہجری تھا۔'' (ص:۱۱)

تفسیرِ قرآن کی تعلیم:

فراغت اور تدریس کرنے کے ایک عرصہ بعد درسِ قرآن اور تفسیر کے لئے آپؒ نے قطبِ دوراں حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں، ضلع میانوالی اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دی اور ان ہر دو اکابر سے اکتساب فیض کیا۔

درس و تدریس:

علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آپؒ نے حسبتاً للہ حسبِ دستور تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس کا شغل اختیار فرمایا، اور حضرت والد ماجد کی خواہش پر اپنے گاؤں بہلی شریف میں ہی درسِ نظامی کے لئے ادارہ قائم کرکے دینی علوم کی تعلیم و ترویج اور تدریس شروع فرمادی۔ آپؒ نے علومِ نبوت کی خدمت کے لئے کس قدر جہد و مجاہدہ، عرق ریزی و جاں نثاری کا مظاہرہ کیا؟ آپؒ کی درج ذیل خودنوشت تفصیلات سے اس کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرتؒ لکھتے ہیں:

> ''۱۳۳۵ھ میں اپنے گاؤں بہلی شریف، ڈاک خانہ غازی پور، تحصیل شجاع آباد میں تعلیم دینا شروع کیا، بڑی اور چھوٹی کتابوں کے طلبہ آتے رہے، عام طور پر بیس سے تیس مسافر طلبہ ہوتے، اور کبھی اس سے زائد اور کبھی اس سے کم بھی پڑھتے رہے، یہاں تک کہ ۱۳۶۷ھ آگیا، اللہ تعالیٰ نے ہمت دی، بلاتنخواہ اور بلاتعلق پڑھاتا رہا، طلباء اپنے گزربسر کے لئے باہر بستیوں سے روٹی لاتے تھے، اور بندہ کو اللہ تعالیٰ دیتا رہا، نہ کسی بڑے آدمی کا ملازم رہا اور نہ چھوٹے کا مصاحب، البتہ مسجد

و مدرسہ میں رہا، طلباء کے لئے چھپر وغیرہ بنائے، اس موضع (علاقہ) کے ملک غلام محمد مرحوم نے اپنی زمین میں مدرسہ کے لئے چھپر بنانے سے نہ روکا، جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً۔" (ص:۱۱)

مدرّسین کا تقرّر:

آج کل عمومی دستور یہ ہے کہ کام سے زیادہ نام اور شہرت و ناموری پر توجہ دی جاتی ہے، اور مدرسہ کے قیام سے پہلے مدرسہ کا نام، عمارت اور اساتذہ کا تقرّر کیا جاتا ہے، مگر اربابِ اِخلاص کے یہاں ان تکلّفات کی جگہ کام اور صرف کام ہی کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت بہلوی قدس سرہٗ نے پورے ۳۲ سال تک درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم میں کسی دُوسرے سے مدد اور تعاون لینے کو نہ صرف روا نہیں سمجھا، بلکہ کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا، اور جب تک اپنی قوّتِ بازو سے کام چل سکا، خود کام چلایا، البتہ جب قویٰ جواب دے گئے، ضعف و اضمحلال کا غلبہ ہوگیا اور کام بڑھ گیا تو آپؒ نے دُوسرے اساتذۂ کرام کے تقرّر کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ حضرتؒ لکھتے ہیں:

"۱۳۶۷ھ میں احباب کی مشاورت سے ایک حافظ صاحب کو بطور مدرّس بٹھلایا۔

۱۳۶۸ھ میں شعبۂ کتب کے لئے ایک متبحر عالم کو مدرّس رکھا، اسی طرح ۱۳۷۲ھ تک حسبِ ضرورت مدرّس بٹھاتے رہے۔" (ص:۱۲)

بہلی سے شجاع آباد:

جب حضرتؒ کی طرف خلقِ خدا کا رُجوع زیادہ ہونے لگا اور واردین و

صادرین کو بہلی جیسی دُور افتادہ بستی اور دیہات میں آنے جانے میں مشکلات پیش آنے لگیں اور احباب و خدام کا اصرار ہوا کہ مخلوقِ خدا کی نفع رسانی کا تقاضا ہے کہ حضرت یہاں سے منتقل ہوکر کسی شہر میں تشریف فرما ہوں اور مدرسہ و خانقاہ وہاں منتقل کردی جائے، تو حضرتؒ نے بہلی کا مدرسہ اپنے صاحبزادے مولانا محمد ہاشم صاحب کے حوالہ کرکے شجاع آباد کا قصد کیا، چنانچہ احباب اور خدام کے اصرار پر ۱۳۷۲ھ میں شجاع آباد ریلوے اسٹیشن کے قریب نو کنال زمین خرید کرکے مہمان خانہ، مسجد، مدرسہ، خانقاہ اور مکان تعمیر فرمائے اور حضرتؒ باقاعدہ شجاع آباد منتقل ہوگئے۔ البتہ بہلی کا مدرسہ اور خانقاہ بھی بدستور قائم رہے، ابتدا میں ہر ماہ پندرہ دن بہلی شریف اور پندرہ دن شجاع آباد میں قیام فرماتے، لیکن جب ضعف بڑھ گیا تو بہلی کی آمد و رفت موقوف ہوگئی۔ حضرتؒ نے اپنی خودنوشت میں اس کی طرف یوں نشاندہی فرمائی ہے:

> ''۱۳۷۳ھ میں جب میرے بیٹے مولوی عبد الحی صاحب اور بھانجے مولوی عبد الحمید صاحب طول عمرہما فارغ ہوئے اور مدرسہ عربیہ اسلام آباد نزد ریلوے اسٹیشن شجاع آباد، جس جگہ نیا مکان بنایا گیا، میں مدرّس ہوئے، اور میرے بیٹے مولوی محمد ہاشم صاحب طول عمرہٗ نے مدرسہ بہلی میں پڑھانا شروع کیا، تو بندہ ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوا۔'' (ص:۱۲)

سلوک واحسان:

یوں تو حضرت بہلوی قدس سرہٗ مادر زاد ولی تھے، دُوسری طرف اللہ تعالیٰ نے فرشتہ صفت باپ کی نگرانی اور تربیت عطا فرمائی تھی، جنہوں نے اپنے ہونہار لختِ

جگر کی غیر معمولی انداز سے خوب خوب تربیت فرمائی تھی، پھر اکابر اولیاء اللہ اور اربابِ قلوب کی صحبتِ فیض رساں نے سونے پر سہاگے کا کام دیا، چنانچہ آپؒ کو شروع سے ہی سلوک و احسان کی طرف طبعی میلان تھا، اُوپر سے احباب و اساتذہ بھی ایسے میسر آئے، جنہوں نے اس جذبہ کو مہمیز کیا تو حضرتِ اقدس کندن بن کر نکلے، حضرت اقدس اپنی راہِ سلوک اور تصوف سے متعلق لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت والد صاحب غفرہ اللہ تعالیٰ بچپن ہی سے اکثر اوقات نصیحت و وصیت فرمایا کرتے تھے، ان کی زیادہ تاکید حقِ عبدی (حقوق العباد) کی ادائیگی سے متعلق ہوتی تھی، جس کا اثر یہ ہوا کہ بچپن میں بھی جیسے لڑکے مالک کی اجازت کے بغیر گندم وغیرہ کے خوشے لے لیتے ہیں، بندہ ان سے بھی دُور رہتا تھا، الغرض پرائے حق سے پرہیز تھا۔

اسی طرح حضرت والدِ ماجد مرحوم و مغفور کی نصیحت و وصیت کی برکت سے ہی عبادت کا شوق حد سے زیادہ ہوا، چونکہ ان کی وصیت کا رُخ زیادہ تر توحید کی طرف ہوتا تھا، اس لئے ابتدا سے ہی قبر پرستی سے نفرت تھی۔

پھر حسنِ اتفاق! کہ جب مدرسہ بیٹ قیصر میں پڑھتا تھا، تو حاجی واحد بخش مرحوم جو میرے والدِ ماجد مرحوم و مغفور کے یارِ غار، مدرسہ بیٹ قیصر کے منتظم، اَز حد نیک، صالح، بوڑھے اور تجربہ کار بزرگ تھے، ان کی حفاظت کے ماتحت رہا۔

جب حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب کی

خدمت میں حاضر ہوا تو اپنے رفیق مولانا غلام صدیق مرحوم جو کہ پکے موحد، بدعت سے متنفر، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق، اور چھپے بزرگ تھے، اگرچہ طالب علمی کے لباس میں تھے، کے فیضِ صحبت سے سرفراز رہا، اس کے علاوہ میرے تمام اساتذۂ کرام بھی بڑے پائے کے بزرگ اور مجاہد تھے، ان کی صحبت کی برکت سے میری طبیعت اللہ تعالیٰ اور سنتِ سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہر دن نئے جوش وخروش سے بڑھتی چلی گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جب دارالعلوم دیوبند پہنچا تو پہلے ہی سال ایک سیّد صاحب اور بڑے بزرگ کی صحبت نصیب ہوئی، پھر دوسرے سال یاغستان کے ایک بزرگ مولانا مطیع الرحمٰن صاحب کے فیضِ صحبت میں اتنے کمالات نصیب ہوئے، جو بیان سے باہر ہیں، مولانا مطیع الرحمٰن ہمارے شریکِ دورۂ حدیث تھے، آپؒ صاحبِ کرامت تھے، اور بچپن سے ہی ان کے کمالات معروف تھے، اس کے علاوہ ہمارے اساتذۂ کرام قدس سرہم کے کمالات وکرامات شہیر وکثیر تھے۔"

(ص:۱۲،۱۳)

حضرت مولانا امیر دامانیؒ سے تعلق:

اب تک تو فطری جذبات، گھریلو تربیت، رفقاء اور اساتذہ کی برکت سے طبیعت مائل بہ نیکی تھی، باقاعدہ کسی مصلح کی سرپرستی، اس سے اصلاح وارشاد اور

سلوک و احسان یا بیعت کا تعلق نہیں تھا، لیکن دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ''نکے ارائیں'' میں قیام کے دوران قطبِ وقت حضرتِ اقدس مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہٗ نے آپؒ کو باقاعدہ کسی مصلح کی تلاش کا حکم فرمایا، مگر حسنِ اتفاق کہ آپؒ کی اصلاح و ارشاد اور تربیت کا قرعۂ فال بھی ان ہی کے نام نکل آیا، حضرت بہلویؒ، حضرت مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہٗ سے اپنے بیعت ہونے کی رُوئیداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب آئندہ سال نکے ارائیں میں معقول پڑھنے کے لئے حاضر ہوا تو وہاں فانی فی اللہ، باقی باللہ، حضرت مولانا محمد امیر دامانی معلّم و مدرّس تھے، دو چار مہینے کے بعد انہوں نے ایک دن تنہائی میں مجھے فرمایا (واللہ اعلم! علم سے یا فراست سے فرمایا) کہ:

''کانپور میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب ابدالِ وقت ہیں، ان کے پاس سلوک (خدائی راستہ) سیکھنے کے لئے عریضہ لکھو!''

چنانچہ عریضہ لکھا گیا، انہوں نے جواب میں یہ الفاظ لکھے:

''خدا طلبی بَلا طلبی! تم عالم ہو، قرآن و حدیث پر جو ہوسکے، عمل کرو (یہ خط کا خلاصہ ہے)۔''

عریضہ کا جواب حضرت دامانی کو دِکھلایا، تو فرمایا: دوبارہ خط لکھو! چنانچہ دوبارہ خط لکھا گیا، تو حضرت مولانا غلام حسین صاحب نے مجھے حضرت والا مجدہٗ سے ہی سلوک سیکھنے کا

حکم فرمایا، دُوسری جانب حضرتِ والا کی خدمت میں سلوک و احسان سکھلانے کے لئے تحریر فرمایا، جب حضرت کو یہ تحریر دِکھائی گئی تو حضرت نے فرمایا:

''میرے ساتھ مراقبہ میں بیٹھا کرو۔''

محض اتنی اجازت بخشی، مگر فرمایا کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ میں ویسے ہی کپڑا اوڑھ کر بیٹھ جاتا، طلباء پوچھتے کہ: کیا فرمایا؟ کیا کہتا؟ کچھ فرمایا ہوتا تو بتاتا! لیکن بہرحال چند ایام کے بعد مکاشفات شروع ہوئے، کبھی مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ پر نظر پڑ جاتی، کسی فرشتہ کی صورتِ مثالی نظر آجاتی، انوار وغیرہ دِکھائی دیتے، لذّت اور استغراق بڑھتا گیا اور مرشد سے محبت وغیرہ بھی بڑھتی گئی، غالباً چوبیسویں دن ذکرِ قلبی معلوم ہوا۔'' (ص:۱۳، ۱۴)

حضرت دامانیؒ سے باقاعدہ بیعت:

حضرت بہلویؒ اب تک تو بس یوں ہی حسبِ ارشاد، حضرتِ اُستاذ کے ساتھ مراقبے میں بیٹھ رہے تھے، مگر باقاعدہ بیعت نہ تھے، البتہ ان سے عقیدت و محبت کا تعلق اور تلمذ کا شرف حاصل تھا، لیکن جب اس طریق کی حقیقت کھلی اور اہمیت کا اندازہ ہوا تو آپؒ نے باقاعدہ بیعت کی درخواست کی جو قبول کرلی گئی، چنانچہ حضرت بہلویؒ لکھتے ہیں:

''چند دن کے بعد بیعت کا عرض کیا اور بیعت ہوگیا۔ حاجی الٰہی بخش صاحب صبرہ والے بھی میرے ساتھ ہی بیعت ہوئے، مہینہ، دو مہینہ کے بعد لطیفہ رُوح کا سبق دیا۔'' (ص:۱۳)

مولانا امیر دامانیؒ کی گرفتاری و رہائی:

حضرت بہلویؒ کو مولانا محمد امیر دامانیؒ سے باقاعدہ بیعت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت دامانیؒ کو ایک سازش کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ حضرت دامانیؒ کی گرفتاری کے بعد حضرت بہلویؒ پر جو قیامت ٹوٹی اور جو امتحانات آئے وہ ایک طویل داستان ہے، اس سلسلہ میں حضرت بہلویؒ لکھتے ہیں:

> ''اس کے بعد حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ ایک سانحہ پیش آگیا، ہوا یوں کہ مدرسہ کے کسی دُشمن نے سرکار میں جا کر کہا کہ فلاں فلاں جگہ میں جو ڈاکے ہوئے ہیں، ان میں مولانا صاحب کی سازش ہے۔ چنانچہ حضرت گرفتار ہوگئے اور مجھے فرما گئے کہ: ''میرے گھر وغیرہ اور پانی وغیرہ کی خبر گیری کرنا۔''
>
> جب آپ گرفتار ہوگئے تو مہتمم صاحب کو یہ ناگوار ہوا کہ کوئی طالبِ علم مدرسہ میں رہ جائے، واللہ اعلم! سچ مچ کا ڈر تھا یا بہانہ تھا، کہ مہتمم صاحب نے کہا کہ سب طلباء جلدی سے نکل جاؤ، تمہاری گرفتاری کے لئے آرہے ہیں، اس پر میں بھی اپنی بے وقوفی و بے عقلی سے ڈر گیا، اور فرمانِ مرشد مدظلہٗ پر عمل نہ کرسکا، اور ہزار شرمساری کے ساتھ مدرسہ سے چلا آیا، حضرت مرشد قدس سرہٗ کو رہائی تو مل گئی مگر سرکار کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے وطن چلے جاؤ، چنانچہ آپ وطن چلے گئے، مگر میری شرمساری کی حد نہ تھی، گو مدرسہ سے مجبوراً نکلا تھا، مگر بہرحال تعمیلِ ارشاد نہ کرسکا۔'' (ص:۱۴، ۱۵)

''خدا طلبی، بَلا طلبی'' کا ظہور:

حضرتؒ کو جب تمام طلبہ کے ساتھ مدرسہ سے فارغ کردیا گیا تو اگرچہ آپؒ اپنے گھر واپس آگئے، مگر اپنے شیخ کے فرمان کی عدمِ تعمیل نے آپؒ کی دُنیا کو ہلا کر رکھ دیا اور اس نے ایک روگ کی شکل اختیار کرلی، جس سے آپؒ کی زندگی اجیرن ہوکر رہ گئی، چنانچہ آپؒ اپنے اس اضطراب و پریشانی کے دور کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''گھر آتے ہی قلب اضطراب میں پڑ گیا اور ''خدا طلبی بلا طلبی'' کا ظہور شروع ہوگیا، کسی کروٹ چین نہیں تھا، گھر بار بلا نظر آتے، اگرچہ طلباء بھی پڑھ رہے تھے، بڑی، چھوٹی کتب کی تعلیم بھی ہو رہی تھی، شاید ایسے اضطراب میں بھی تقریر صحیح ہوتی ہوگی، کیونکہ طلباء پڑھ رہے تھے۔ کئی بار خودکشی پر آمادہ ہوا، اور اس کے لئے سم (زہر) لے رکھا تھا، چونکہ کنواں قریب تھا، اس میں کود کر ڈوب مرنے کو آمادہ ہوتا، مگر ہر بار کوئی مانع آجاتا، واپس آکر پھر تعلیم میں مصروف ہوجاتا، کبھی جوش آتا کہ کپڑے پھاڑ کر جنگل میں نکل جاؤں، اس ارادہ پر اُٹھتا، مگر کوئی چیز آڑے آجاتی، پھر آکر تعلیم میں مشغول ہوجاتا۔'' (ص:۱۵)

حضرت مولانا فضل علی شاہ قریشیؒ کی خدمت میں:

اسی اضطراب کے دور میں آپؒ کے ایک دوست مولانا اللہ دتہ صاحبؒ، آپؒ کو حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ کی خدمت میں لے گئے کہ شاید آپؒ کی اس

کیفیت کا مداوا ہوجائے، مگر: ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق آپؒ کے اضطراب میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اسی دور میں آپؒ کو حضرت قریشیؒ نے اجازت وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا، چنانچہ حضرتؒ لکھتے ہیں:

''اسی اثناء میں غوثِ زمن حضرت مولانا فضل علی شاہ قریشی، مسکین پور ضلع مظفرگڑھ، کے مرید مولانا بالفضل اَولانا اللہ ڈتہ صاحب جو بڑے عالم تھے، محض زیارت کے لئے مسکین پور اپنے ساتھ لے گئے، وہاں حضرت کی خدمت میں ساری کیفیت عرض کی، تو اُنہوں نے فرمایا:

''ایک ہی سلسلہ ہے، ہم اور حضرت مولانا محمد امیر صاحب ایک پیر و مرشد کے خلیفہ ہیں، اس جگہ سیکھنے میں کوئی نقص نہیں، سلوک سیکھتے رہیں۔''

حضرت مسکین پوریؒ بڑے جذب والے بزرگ تھے، سینکڑوں مریدوں کو وجد، حال اور سکر طاری تھا۔ بندہ کو بھی حالات، کیفیات، کشفِ انوار، استغراق اور کشفِ قبور و قلوب وغیرہ زیادہ ہوگئے، سبق پر سبق عنایت ہوتے چلے گئے اور ولایتِ کبریٰ تک اسباق ہوگئے، مگر اضطراب بڑھتا ہی گیا: ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی!'' اور طلباء بھی بڑھتے گئے، حضرت مولانا فضل علی قریشی صاحب نے خلافت بھی دے دی، مگر مدہوش، مضطرب اور قلق والے کو خلافت سے کیا کام؟''

(ص: ۱۵، ۱۶)

حضرت مولانا امیر علی گجراتیؒ سے خلافت:

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دُنیا میں چھپا رکھا ہے، یہاں پتا نہیں چلتا کہ کس کو بارگاہِ الٰہی میں کتنا بڑا مقام حاصل ہے؟ بلاشبہ بعض حضرات اپنی ولایت کو اس طرح پردۂ اخفا میں رکھتے ہیں کہ کسی کو گمان ہی نہیں ہوتا کہ یہ بھی کوئی ولی اللہ ہے، مگر بوقتِ ضرورت وہ اخفا کی جگہ اظہار سے بھی کام لیتے ہیں، اسی طرح کے ایک بزرگ کا قصہ حضرت بہلویؒ نے کچھ یوں ارشاد فرمایا ہے:

''اسی اثنا میں ایک نوجوان طالبِ علم، جو نہایت ضعیف ونحیف تھا اور جس کے بدن پر مطلقاً گوشت نہیں تھا، اس کا چلنا بھی مشکل تھا، آیا اور قرآن مجید پارہ دوم پڑھنے کو کہا، اور کہنے لگا کہ گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقہ کا ہوں۔ اس کی نحافت پر رحم کرکے پڑھانا شروع کردیا، مگر نہایت کند ذہن تھا، اس کو کوئی لفظ بھی نہ آتا تھا، مگر اس کے سفر، دُبلاپن اور بے کسی کی وجہ سے اس کے ساتھ محنت کرتا، وہ بھی تمام دن پڑھتا، مگر شام تک ایک سطر بھی مشکل سے پختہ کرپاتا، دو، تین مہینے کے بعد ایک دن تنہائی میں فرمایا کہ: میں آپ کے اضطراب کے ازالہ کے لئے کچھ بتلاؤں؟ بھلا اندھے کو کیا چاہئے؟ دو آنکھیں! اور مضطرب کو کیا چاہئے؟ تسکین! کے مصداق، فوراً عرض کیا کہ: پھر آپ میرے مرشد کی حیثیت میں ہوں گے، فرمایا: نہیں! اسی حالت میں رہوں گا، جس پر اب ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے سلسلۂ قادریہ مجددیہ میں توجہ دی، تو میرے یقین میں مجلسِ نبوی

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا پَر تو پڑا، سلوک کے تمام پینتالیس لطائف طے کرائے اور اجازت بخشی، پھر اپنے مرشد مدظلہٗ کی خدمت میں گجرات کاٹھیاواڑ ضلع بھڑونچ تحصیل پٹلاو بھیجا، میرے زعم میں وہاں حاضر ہوکر تکلیفیں اور امتحان تو حضرت مرشد مولانا امیر علی صاحب مدظلہ العالی کی جانب سے بہت آئے، مگر آخر میں بڑی کرم بخشی فرمائی، کرامتیں بھی ظاہر ہوئیں، اور اجازتِ طریقہ بھی بخشی، واپس غریب خانے پر آیا، مگر اضطراب کم نہ ہوا، اور اضطراب کے باعث خلافت پر بھی نظر نہ تھی، بلکہ وہ چیزیں پیشِ نظر تھیں جن کے نہ ہونے سے اضطراب تھا:

اے زیرکیٔ طبع برمن بلاشدی

وہ مقاماتِ عالیہ، جن کی طلب میں پریشان تھا، وہ نہ ملنے، دُور نظر آنے کی وجہ سے قلق، اضطراب اور پریشانی تھی۔“

(ص ۱۶، ۱۷)

حضرت مولانا محمد عمر چشمویؒ سے اکتسابِ فیض:

اگر طلب صادق ہو تو گوہرِ مقصود حاصل کرنے کے لئے بڑے سے بڑے مجاہدے اور مشقت سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا، اور سکونِ دل کی دوا حاصل کرنے کے لئے در، در کی خاک چھاننے سے بھی عار نہیں ہوتی۔ جن دنوں حضرت بہلویؒ کے شیخ حضرت دامانیؒ ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے اور وہ قلق و اضطراب سے دوچار تھے، ان کو اہلِ قلوب کا جہاں سے بھی پتا معلوم ہوا، وہاں پہنچے اور عرضِ مدعا کیا کہ شاید کہیں

سے ان کو داروئے شفا مل جائے، چنانچہ حضرتؒ نے اس غرض سے مولانا محمد عمر صاحب کی خدمت میں حاضری کے لئے کوئٹہ اور اس سے آگے چشمہ شریف کا دُور دراز سفر کیا، اس سفر میں آپ دو بار گرفتار بھی ہوئے، مگر تحصیلِ مقصود سے پیچھے نہیں ہٹے۔ حضرتؒ، سفرِ کوئٹہ اور چشمہ شریف کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کے بعد اتفاقاً قصد کیا کہ فیض درجت و بزرگِ عالی جناب حضرت مولانا محمد عمر جان چشموی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری دُوں، چونکہ چشمہ شریف، کوئٹہ کے بعد چمن کی سڑک کے قریب غالباً آٹھ دس میل پر ہے، جب سوئی ڈھاڈھر پہنچا تو جاسوسی کی تہمت میں گرفتار کرلیا گیا، آخرکار انہوں نے کوئٹہ کے قریب ایک قید خانے میں قید کردیا، اور نگرانی کے لئے محافظ مقرّر ہوئے۔ جب بارگاہِ الٰہی میں دُعا و اِلتجا، آہ و زاری اور رونا گڑگڑانا بڑھا تو چند دن کے بعد کمشنر کوئٹہ کے پاس پیشی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کے قلب میں رحمت ڈالی، اور اس نے مجھے چشمہ شریف جانے کی اجازت دے دی۔

وہاں حاضر ہوا تو حضرت قدس سرہٗ گھر پر موجود نہ تھے، دو، تین دن کے بعد تشریف لائے، حال احوال پوچھا، عرض کیا، مگر اس عرض میں اتفاقاً گرفتاری اور قید کا ذکر بھی آگیا، اس پر غالباً حضرت مدظلہ کے خیالِ مبارک میں آیا کہ یہ حاضری کا احسان جتلا رہا ہے، جس پر ناراض ہوکر فرمایا: کس نے خط لکھا تھا کہ آجاؤ؟ اس پر معذرت کی، معافی مانگنے پر مزید تو کچھ نہیں کہا، البتہ جیسی شفقت و مہربانی کرنا چاہئے تھی، اس قدر نہ

فرمائی، سارا دن ان کے کتب خانے میں رہتا، اس میں اسلحہ بھی تھا، مگر مجھے وہاں رہنے سے نہ روکا گیا، حضرت دن میں بار بار آتے، دیکھتے اور واپس تشریف لے جاتے، آخرکار میں سردی سے تنگ آگیا، اور واپسی کی درخواست کی، تو اجازت دے دی۔

اجازت دیتے وقت ایک جگہ بٹھلایا اور وہ تقریر فرمائی کہ جس سے مجھے اپنے خانگی عیوب و احوال کا انکشاف ہوا، آخر میں مشربِ محمدی کی بشارت عطا کی اور فرمایا کہ: تیرا مشرب محمدی ہے، اور سلوک کے جتنا اسباق پہلے تھے، ہر سبق پر مجاہدہ طے فرمایا اور رُخصت کیا۔

پورا ایک برس محنت کی، دوسرے برس پھر حاضر ہوا، تو پھر گرفتار اور مقید کرلیا گیا، مگر اس بار اضطراب کم تھا، رہائی کے بعد جب خدمت میں حاضر ہوا تو بہت عنایات فرمائیں اور فرماتے رہے کہ: بندہ نے مشربِ محمدی کی جو بشارت دی تھی، بے شک وہ صحیح اور صادق ہے، اور فرمایا کہ:

''حضرت مولانا مرشدی، جامع الاصول والفروع، جناب محمد امیر صاحب مدظلہ العالی کی خدمت مبارک میں جاؤ!''

(ص: ۱۷، ۱۸)

حضرت دامانیؒ کی خدمت میں حاضری:

مولانا محمد عمر صاحبؒ کے حسبِ ارشاد گھر واپس آکر حضرت بہلویؒ نے ہمت کرکے اپنے شیخ حضرت دامانیؒ کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا۔ حضرت بہلویؒ

اس حاضری کی تفصیلات یوں بیان فرماتے ہیں:

''جب گھر واپس آیا تو حضرت کی خدمت میں جانے کی تیاری کی، مگر ہزار شرمساری سر پر تھی کہ کیسے منہ دِکھلاؤں گا؟ بہرحال چل پڑا، جیسے کیسے کر کے روڈہ شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں حاضر تو ہوگیا، مگر آنکھ نیچی تھی، بات نہ کرسکتا تھا، حضرت کی عنایت بے غایت نے سہارا دیا، جب حالات سنائے، تو آپ نے تسلی دی اور فرمایا: ''ایسا ہونا تھا!'' پھر وہ مبارک الفاظ: ''خدا طلبی بَلا طلبی'' یاد دِلائے، جب رُخصت کا وقت آیا تو اپنے دولت خانے پر بلایا، جب حاضر ہوا، تو ہر سلسلے میں اجازت عطا فرمائی، (اور وہ آٹھ سلاسل یہ ہیں: نقشبندیہ مجددیہ احمدیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، مداریہ، قلندریہ اور شطاریہ) اور فرمایا: ''رِند رہنا!'' عرض کیا: حضرت! رِند کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا: ''اَحسِنُ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ'' اور پھر رُخصت کیا۔

جب گھر واپس آیا تو اضطراب نے کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی، خلافت کا کوئی کام دِل پر نہ آسکا۔'' (ص:۱۸)

حضرت دامانیؒ کی خدمت میں دُوسری حاضری:

اگر کسی جاہ طلب اور مفاد پرست کا مطلب نکل جائے یا اس کو کہیں سے خلافت نام کی کوئی شے مل جائے تو شاید وہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے، لیکن جن حضرات کا مقصد خلافت و اجازت اور شہرت و نام وری کے بجائے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے، وہ خلافت و اجازت کو ذرّہ بھر اہمیت نہیں دیتے، چنانچہ حضرتؒ خلافت و اجازت

کے بعد اپنی حالت و کیفیت اور تعلق شیخ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"دوبارہ حاضر ہوا، تو حضرت نے پوچھا: اصلاح و ارشاد کا کام شروع کیا؟ عرض کیا: حضرت! مجھ جیسے سے کیا ہوسکتا ہے؟ مگر آپ نے مجبور کیا اور بار بار فرمایا کہ: "یہ کام ضرور ضرور کرو!" عرض کیا: حضرت! میں نہ سیّد ہوں اور نہ پیر زادہ، مجھ سے کون بیعت ہوگا؟ پھر بدعت کی نفرت کی وجہ سے لوگ مجھے وہابی کہتے ہیں، مجھ سے اللہ کا نام کون پوچھے گا؟ مگر حضرت نے یہ عرض بھی نہ سنی، اور مجبور کیا۔ بہرحال گھر آکر تعمیلِ فرمان میں کسی کو ازخود بتلایا، تو اس کا ذکر جاری ہوگیا، جس سے شہرت بڑھتی گئی، سہ بارہ حاضر ہوا، اور حال احوال سنائے تو خوش ہوئے، اس وقت آپ بیمار تھے، اسی موقع پر فرمایا کہ:

"اگر تصوف میں کوئی عقدہ آجائے تو حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں جو متفق اولیاء ہیں، ان کے پاس عقدہ کشائی کے لئے جانا۔"

مجھے اپنی کند ذہنی کی وجہ سے ان کے ایسے الفاظ سے بھی ان کی وفات کے قریب ہونے کا خیال نہ آیا، بہرحال حضرت فیض درجت قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون!" (ص:۱۸، ۱۹)

حضرت مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں:

سالکینِ حقیقی اپنے نفس سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتے، وہ ہمیشہ اس سے

بدظن رہتے ہیں، اسی طرح وہ کبھی اپنے آپ کو کامل ومکمل نہیں گردانتے، بلکہ ہمیشہ اپنی نکیل کسی کے ہاتھ میں دیئے رکھنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں کہ مبادا نفس و شیطان گھات لگا کر ان کو چت نہ کردیں، یہی وجہ ہے کہ اکابرینؒ نے زندگی بھر کسی نہ کسی کو اپنا بڑا بنائے رکھا، کچھ یہی کیفیت ہمارے حضرت بہلویؒ کی تھی کہ باوجود ابدال و اقطاب کی اجازت وخلافت کے، طالب بن کر حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں کی خدمت میں جاتے ہیں، جیسا کہ حضرتؒ لکھتے ہیں:

> ''دو، چار مہینے کے بعد ایک عقدہ پیش آگیا، جس کے حل کے لئے واں بھچراں غریب نواز حضرت مولانا حسین علی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا، تو فرمایا کہ:
>
> ''جب تک میرے پاس قرآن مجید کا ترجمہ نہ پڑھو گے، عقدہ حل نہیں ہوسکتا۔''
>
> حسبِ ارشاد ترجمہ پڑھا تو آنکھیں کھلیں کہ بلاشبہ اب تک ہم جلالین وغیرہ پڑھاتے رہے، مگر یہ ترجمہ وتفسیر تو کوئی اور ہی چیز ہے، ہمیں تو اب تک قرآن مجید سے مس بھی نہیں ہوا، ہائے افسوس! بہرحال اس کے بعد عقدہ حل فرمایا اور تمام سلاسل میں اجازت بخشی۔'' (ص:۱۹)

دورۂ تفسیر پر اِشکالات:

حضرت بہلوی قدس سرہٗ نے جب حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے حکم وتاکید پر ترجمہ قرآن کا دورۂ تفسیر پڑھانا شروع کیا، تو بعض حضرات کو اس پر اِشکال ہوا کہ یہ جدید انداز کہیں تفسیر بالرائے کے قبیل سے نہ ہو؟ مگر جب ان کو حقیقتِ حال

سے آگاہی ہوئی تو اِشکالات رفع ہوگئے، چنانچہ حضرتؒ اس کی تفصیلات یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"گھر آکر ترجمہ پڑھانا شروع کیا، تو گرد ونواح کے علماء اس کو تفسیر بالرائے کہنے لگے، لیکن جب حقیقت سنی تو وہ بھی معتقد ہوگئے، ان میں سے بعض تو وہاں حضرت مولانا حسین علی مدظلہٗ کی خدمت میں ترجمہ پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، جیسے مولانا یار محمد مرحوم اور اُستاذِ محترم حضرت مولانا غلام رسول صاحب پونٹوی مدظلہٗ اور بعض نے سکوت اختیار کرلیا۔

جب حضرت اقدس مولانا حسین علی صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں تھا، تو خواب دیکھا کہ حضرتِ مذکور قطبِ وقت ہیں، حضرت کی خدمت میں خواب عرض کیا، تو فرمایا کہ: مرتبہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ "العلماء ورثة الانبياء" کا منصب ہے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ: قطب کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہی ہی دِین و دُنیا کے کام کرتا ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سعادت سے لوگوں کے دِینی و دُنیوی کام آسان فرما دیتا ہے، اور مشکلیں دُور کرتا ہے:

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم۔"

(ص:۲۰)

حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''دو حریص ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک دُنیا کا حریص اور دُوسرا علم کا حریص۔''

ہمارے حضرت بہلوی قدس سرہٗ بھی حریصِ علم تھے، اس لئے انہوں نے علم وحکمت کے ہر دروازے پر دستک دی، اور وہاں سے اکتسابِ فیض کیا، چنانچہ آپؒ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری کی تفصیلات ارشاد فرماتے ہیں:

''اس کے بعد دوسرے سال مجاہدِ ملت حضرت مولانا احمد علی صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوکر ترجمہ پڑھا، تو قرآن مجید میں رنگ، نسل، جان، مال، وطن اور آبرو قربان کرنے کا پیغام اور سلیقہ موجود پایا۔ مولانا لاہوری بڑے کشف و فراست والے بزرگ تھے، انہوں نے میری حالت دیکھ کر فرمایا: میرے ساتھ چلو! خلاصہ یہ کہ ساتھ لے گئے اور حضرت مرشد جناب مولانا تاج محمود امروٹی سندھی قدس سرہٗ کی خدمت میں میرے متعلق عریضہ لکھا اور ساتھ ہی اپنی حاضری کا بھی کہا۔'' (ص:۲۰)

حضرت بہلویؒ خانقاہِ امروٹ میں:

اگرچہ حضرت بہلویؒ اب تک متعدّد اقطاب و ابدال سے اکتسابِ فیض کرچکے تھے، مگر سچی بات یہ ہے کہ تاحال وہ اپنے آپ کو سلوک و احسان کی منزل کا راہ نورد اور مسافر سمجھتے تھے، اس لئے وہ گوہرِ مقصود حاصل کرنے کے لئے امروٹ، سندھ کے دُور دراز سفر کے لئے روانہ ہوگئے، حضرتؒ لکھتے ہیں:

''دو، تین دن پہلے بندہ اور دو، تین دن کے بعد

حضرت لاہوری امروٹ شریف حاضر ہوئے، حضرت امروٹی کی خدمت میں احوال عرض کئے، آپؒ نے حال سنا اور پہچان لیا اور کشف کی بہت سی چیزیں ظاہر فرمائیں، مگر اس وقت ایک سرکاری نہر کھودی جارہی تھی جس کی زد میں مسجد آرہی تھی، حضرت قدس سرہٗ نے اعلان کردیا تھا کہ یا تو نہر کا رُخ بدل دو ورنہ پھر اعلانِ جنگ ہے، اس کے لئے آپ کے سینکڑوں مرید اور جاں نثار جمع ہورہے تھے کہ اگر نہر کا رُخ نہ بدلا گیا تو جان کی قربانی دی جائے گی۔ اس کے لئے نہر کے قریب میدانِ جنگ بنایا گیا اور بندہ کو بھی اس میدان کے صاف کرنے والوں میں منتخب کیا گیا، بعض رفقاء آکر سناتے کہ حضرت میرا نام لے کر پوچھتے کہ: فلاں شخص کیسے کام کررہا ہے؟ دِل سے یا بے دِلی سے؟ بہرحال میں کام کرتا رہا، چند دن گزر گئے، پھر وہ دن بھی آگئے کہ نہر مسجد کے قریب آگئی، اب ناموں کا انتخاب کیا جانے لگا کہ کون، کون شخص جان دینے کے لئے تیار ہے؟ ان نام لکھانے والوں میں بندہ کا دوسرا نمبر تھا، آخرکار ایک دن حضرت مولانا احمد علی صاحب نے میرا نام لے کر پکارا کہ فلاں کہاں ہے؟ اس پر میں حاضر ہوگیا، تو حضرت نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اس کے بعد حضرت امروٹیؒ، مولانا لاہوریؒ اور بندہ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے، ادھر سرکار نے بھی نہر کا رُخ بدل دیا اور جنگ تک نوبت بھی نہ آئی، آخر میں حضرت قدس سرہٗ نے سلسلۂ قادریہ کے بہت سے اذکار تلقین فرمائے۔'' (ص:۲۰،۲۱)

جوارِ بیت اللہ میں ایک باکمال سے ملاقات:

حضرت امروٹیؒ کی بارگاہ سے واپسی پر اگلے سال آپؒ حجِ بیت اللہ کے لئے عازم ہوئے تو وہاں جس بزرگ سے ملاقات اور اکتسابِ فیض ہوا، اس کا حال کچھ یوں ہے:

''وہاں (امروٹ) سے واپس غریب خانے پر آیا۔ مگر اضطراب کا عالم موجود تھا۔

دُوسرے سال سفرِ حج کا اتفاق ہوا، مکہ مکرمہ میں اس پر رویا کرتا تھا، آخرش فضلِ ایزدی متوجہ ہوا۔ چنانچہ مقامِ ابراہیم کے قریب بیٹھا تھا، اتنے میں ایک شخص، جس پر میرا یہ گمان تک نہ تھا کہ ایسا باکمال ہے، اس نے تصوّف کی تقریر فرمائی، بندہ چونکہ اس سے پہلے بہت سے حسینوں اور باکمالوں کی خدمت میں خاک بوسی کر چکا تھا، کچھ نہ کچھ سمجھ ہوگئی تھی، اس لئے اس بزرگ کی تقریر میں کچھ خدشات نکالے، بزرگ نے فرمایا کہ: تو سچا ہے، اس لئے کہ تقریر صرف قالی ہے، حال و کیفیت سے ہوتی تو یہ خدشات نہ ہوتے، اس کے بعد وہ کچھ دیر کے لئے مراقب ہوگئے، اور فراغت کے بعد انہوں نے بعینہٖ وہی تقریر کی، مگر اب اس پر کوئی اِشکال نہیں تھا، بلکہ اس سے میرے سب اضطراب کا خاتمہ ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمائی، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ وَمُبَارَکًا عَلَیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی''، اسی طرح اس بزرگ والا قدر کا بھی

شکریہ ہے کہ اس کے ذریعے اضطراب دفع ہوا، جزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ، چونکہ اس بزرگ نے وعدہ لیا تھا کہ میرا نام اور پتا کسی کو نہ بتلانا، اسی لئے ان کا نام پاک نہیں لکھا جارہا۔'' (ص:۲۱،۲۲)

حکیم الأمت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں:

حضرت بہلوی قدس سرہٗ نے اگرچہ باقاعدہ بیعت تو حضرت دامانیؒ سے کی تھی، مگرانہوں نے اس دور کے اساطینِ علم وفضل، اصحابِ سلوک واحسان اورمجدّدینِ طریقت سے بھرپوراستفادہ کیا، چنانچہ حضرتؒ، خانقاہ تھانہ بھون کی حاضری اورحضرت حکیم الأمتؒ کی تربیت کے اندازکوبیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلوک واحسان کے قواعد، اُصول، فروع، اَمراضِ قلبیّہ کے علاج اورمحامد یعنی محاسن کی تحصیل میں بندہ کا زیادہ تر طریقۂ کار حضرت مجدّد الملّت وحکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ مصنف تفسیر ''بیان القرآن'' سے مأخوذ ہے، راقم کی ان کے پاس بیس، پچیّس برس تک آمد ورفت اور خط وکتابت رہی ہے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ خانقاہ کے مدرسہ کا معلّم سبق پڑھا رہا تھا، کہ میں اپنی بےعقلی سے سبق سننے کے لئے درس گاہ میں چلا گیا، اُدھر حضرت اپنی نشست گاہ سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں معلّم کے پاس بیٹھا سبق سن ہی رہا تھا، کہ اتنے میں حضرت وہاں تشریف لے آئے اور اتنا غصہ کیا کہ حدنہیں، پھر

فرمایا: تم نے اپنی آزادی میں کیونکر خلل ڈالا؟ اور یہ قصد کیا کہ اچھا پڑھاتا ہے یا نہیں؟ دوم یہ معلّم کی آزادی کا نقصان کیا کہ اگر اعلیٰ تقریر کرے تو طالبِ علم کا نقصان، اور اگر طالبِ علم کی استعداد کے موافق تقریر کرے، تو معلّم کی ہتک ہے کہ اس کو تقریر کرنا بھی نہیں آتا، جس سے طالبِ علم اور معلّم دونوں کا نقصان ہے۔

سبحان اللہ! کیا ہی تعلیم تھی، حضرت حکیم الاُمت کا ہر فعل وقول حکمت ہی حکمت تھی، اور شریعت کی تائید اور سنت کی موافقت تھی۔ اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْہُ جَنَّۃَ الْفِرْدَوْسِ بِغَیْرِ حِسَابٍ، آمین!

ان ہی سے صحیح سلوک کا پتا چلا، گو صحیح سلوک پر صحیح طور پر چل نہ سکا، صحیح تزکیہ رونما ہوا، گو پاک نہ ہوسکا، طریقت و حقیقت کی راہ دیکھی، گو راہ طے نہ کرسکا، حق، باطل سے اور مغز، پوست سے ممتاز ہوا، گو حق پر پورا نہ رہ سکا، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ، اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ، اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادُکَ، آمین!'' (ص:۲۲،۲۳)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی خدمت میں:

''حکمت، مؤمن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں سے بھی ملے اس کو لے لینا چاہئے'' کے مصداق آپؒ نے اپنے دور کے اکابر و اصاغر سے اپنی متاع لینے سے کبھی

حجاب محسوس نہیں کیا، چنانچہ ایک سفرِ حج میں حضرت سندھیؒ کی رفاقت میسر آئی تو ان سے بھی پورا پورا فیض حاصل کیا، جس کی تفصیل حضرتؒ نے یوں بیان کی ہے:

''پہلا سفرِ حج جس میں بزرگ ملے تھے، اس میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی قدس سرہٗ سے بہت کچھ علمی و رُوحی فیض حاصل کیا۔'' (ص:۲۳)

قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں:

بلاشبہ حضرت بہلوی قدس سرہٗ اپنے وقت کے قطب الارشاد کے درجے پر فائز تھے، مگر آپؒ پر اخفا اور فنائیت کا غلبہ تھا۔ آپؒ نے ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا اور طالبِ علم سمجھا، آپؒ میں عظمت و بڑائی نام کو نہ تھی، آپؒ کی کسرِ نفسی اور سادگی کو دیکھ کر کسی کو اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ بھی کوئی بڑے بزرگ یا اللہ والے ہیں؟ چنانچہ اسی فنائیت کے جذبے کے تحت آپؒ ایک سفر میں جب مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ: حضرت! آپ مجھے بیعت فرماکر اپنے سلسلے میں داخل فرمالیں، اس عجوبہ روزگار واقعے ...جس میں وقت کا ایک قطب، دُوسرے قطب سے بیعت کی درخواست، اور دُوسرا انکار کررہا تھا... کی منظرکشی کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالحی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ ایک مرتبہ سفرِ حجاز کو روانہ ہوئے اور بعدہٗ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حاضری ہوئی، پھر حضرتِ اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیارت کے لئے تشریف لے گئے،

حضرت شیخ الحدیثؒ، حضرت بہلویؒ کی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھے، جب حضرت بہلویؒ نے اصرار فرمایا کہ آپ مجھے اپنے سلسلۂ چشتیہ میں داخل فرمالیں، تو حضرت شیخ الحدیثؒ برابر انکار فرماتے رہے اور فرمایا کہ: آپ تو باکمال ہیں، آپ کو بیعت ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن حضرت بہلویؒ نے عرض کیا: میں آپ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوکر آپ سے اور آپ کے بزرگوں سے صرف نسبت وتعلق قائم کرنا چاہتا ہوں، صرف تعلق ونسبت جوڑنے کے لئے مجھے بیعت فرمالیں۔ الغرض کافی اصرار کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت بہلویؒ ایک کمرہ میں تشریف لے گئے اور کافی دیر تک دونوں اکیلے رہے، جب باہر نکلے تو دونوں پسینے سے تربتر تھے۔ پھر حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت بہلویؒ کا نام اپنے خلفاء میں درج فرمالیا۔ اس واقعے کو حضرت بہلویؒ نے خود بیان فرمایا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے بعض خلفاء بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں۔''

(حضرت شیخ الحدیثؒ اوران کے خلفاء ج:۳ ص:۱۰۳،۱۰۴)

حضرت بہلویؒ کے سلسلے:

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا ہے کہ سلوک و احسان کے امام اور قطب الارشاد حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ کو اپنے شیخ حضرت مولانا محمد امیر دامانی نوّر اللہ مرقدہٗ اور دیگرا کابرینِ تصوف سے تقریباً آٹھ سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل ہوئی، مگر حضرت بہلویؒ نے زیادہ تر سلسلۂ قادریہ اور نقشبندیہ کے ذریعہ

خلقِ خدا کی اصلاح فرمائی، چنانچہ حضرتؒ اپنے رسالہ ''فیضِ رُوحانی رحمتِ صمدانی'' میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''اب اس وقت ہر دو سلسلہ نقشبندی و قادری میں لوگوں کی زیادہ آمد و رفت ہے، نقشبندی میں قادری سے زیادہ ہے، اسی طرح دُوسرے سلسلوں والے بھی آتے جاتے ہیں۔''
>
> (ص:۲۴)

غالب گمان یہی ہے کہ حضرتؒ کا میلانِ طبع بھی زیادہ تر ان دو سلسلوں کی جانب رہا، پھر ان دو میں سے بھی نقشبندی اکابر کی نسبت کا پرتو زیادہ تھا، اس لئے آپؒ کو سلسلۂ نقشبندیہ کا سرخیل اور امام سمجھا جاتا تھا، ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے، آپؒ ہر سلسلے کے امام اور مقتدا تھے۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں شہرت کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپؒ کے شیخِ اوّل حضرت دامانیؒ پر بھی نقشبندیہ کا رنگ غالب ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؒ کے مشائخِ طریقت میں سے زیادہ تر وہ تھے جن کو اگرچہ اجازت تو تمام سلاسل میں تھی، مگر بالفعل وہ سلسلۂ نقشبندیہ کو اَنفع سمجھتے ہوں اور خلقِ خدا کو اس طریق سے باخدا بناتے ہوں، واللہ اعلم بالصواب!

تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت، ''نکے ارائیں'' مدرسہ معین الاسلام، لودھراں سے تکمیل اور حضرت مولانا محمد امیر دامانی قدس سرہٗ کی گرفتاری کے بعد آپ اپنے وطنِ مالوف علاقہ بہلی میں تشریف فرما ہوئے، اور حسبتاً للہ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور ساتھ ساتھ اصلاحِ باطن کے لئے اساطینِ علم و فضل سے سلوک و احسان کی تعلیم

حاصل کرتے رہے، تکمیلِ تربیت کے بعد آپؒ نے علومِ ظاہری کے ساتھ علومِ باطنی کی طرف بھی توجہ دی۔

ابتدائی ایام میں آپؒ نے ابتدائی مکتب قائم کیا، مگر بہت ہی جلد درسِ نظامی کی تعلیم و تدریس کی طرف توجہ دینا پڑی، چنانچہ آپؒ کی خداداد صلاحیت و قابلیت کی شہرت ہوئی تو دُور دُور سے شائقینِ علومِ دینیہ، پروانہ وار آپؒ کے حلقۂ درس میں آنے لگے۔ آپؒ کے ہاں نہ کوئی مسجد تھی اور نہ مدرسہ کی عمارت، محض توکلاً علی اللہ اسلاف کی طرز پر چھپر ڈال کر ان مہمانانِ رسول کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ اس دور میں موجودہ طرز کے مدارس اور طلبہ کے لئے مطبخ یا دُوسری آسائشوں کا تصوّر نہیں تھا، بلکہ طلبہ قریب قریب کی بستیوں سے روٹیاں مانگ کر لاتے اور اس قوتِ لایموت پر گزارہ کرتے۔ اسی طرح مدرّسین کے لئے نہ تو تنخواہ کا کوئی انتظام تھا اور نہ ہی اسباق کی تعیین تھی، بلکہ مدرسہ میں موجود طلبہ کے تمام اسباق مدرسہ میں موجود اساتذہ پر تقسیم کردیئے جاتے، چنانچہ بعض اوقات ایک اُستاذ پچیّس سے تیس اسباق پڑھاتا، ٹھیک اسی طرح حضرت بہلوی قدس سرہٗ بھی ایک عرصہ تک ابتدائی فارسی سے لے کر مشکوٰۃ شریف، بلکہ دورۂ حدیث تک کے اسباق پڑھاتے رہے، جبکہ واردین و صادرین اور سالکینِ طریقت کی تعلیم و تربیت اس پر مستزاد تھی۔ چنانچہ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۶۷ھ تک پورے ۳۲ سال آپؒ نے اپنی مدد آپ کے تحت بہلی میں اس درس گاہ کو رونق بخشی۔ جب آپؒ کی عمر شریف ۵۵ سال کی ہوگئی، طبیعت میں ضعف و اضمحلال آگیا، مصروفیات بڑھ گئیں، سالکینِ طریقت کا رُجوع آپؒ کی طرف زیادہ ہوگیا اور دُور دُور سے مخلوقِ خدا بہلی ایسے دُور افتادہ دیہات کی طرف اُمڈ آئی، تو مجبوراً آپؒ کو تعلیم و تدریس کے لئے ابتدائی طور پر درجۂ قرآن کے لئے ایک حافظ صاحب اور پھر اگلے سال شعبۂ کتب کے لئے ایک ماہر مدرّسِ عربی کا انتظام کرنا پڑا۔ یوں آپؒ نے درسِ

نظامی کی باقاعدہ تدریس ۳۲ سال بعد مجبوراً موقوف کردی، لیکن عمر بھر جب تک ہمت رہی، شعبان، رمضان میں ترجمہ وتفسیر قرآن کے دورہ کا معمول بدستور جاری رہا۔

تصنیف وتالیف:

حضرت قدس سرہٗ کوئی باقاعدہ انشاپرداز یا مصنف نہ تھے، مگر آپؒ نے اپنی تعلیمی، تدریسی اور اصلاحی مصروفیات کے ساتھ ساتھ حسبِ ضرورت اصلاحِ خلق کے جذبے سے مختلف اوقات میں متعدّد رسائل و کتب تصنیف فرمائیں۔ چنانچہ آپؒ کی بعض تصانیف پر بہلی کا پتا درج ہے، اور بعض پر شجاع آباد کا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؒ نے یہ تصانیف کسی فرصت کے دور میں تألیف نہیں فرمائیں، بلکہ عین شباب اور مصروفیات کے عروج کے دور میں بھی آپؒ اس طرف متوجہ رہے۔ میری ناقص معلومات کے مطابق آپؒ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد اَسّی سے اُوپر ہے، مگر افسوس کہ آپؒ کی تمام تصانیف محفوظ نہیں رہ سکیں، اور اس طرف کوئی خاطرخواہ توجہ نہیں کی گئی۔ بعض تصانیف تو سرے سے طبع ہی نہیں ہوئیں، اور جو طبع ہوئی ہیں، ان میں سے بھی بیشتر ایسی ہیں جو ایک بار طبع ہونے کے بعد ناپید ہیں، حضرتؒ کے متعلقین کو چاہیۓ کہ اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں کہ ان پر حضرتؒ کا حق ہے کہ وہ ان کے علوم و معارف کو زندہ رکھیں اور اُمت تک ان کو پہنچائیں۔ اسی طرح جن حضرات کے پاس حضرتؒ کے قلمی افادات ہیں، مثلاً تفسیرِ بہلوی جس کا نصف سے زیادہ حصہ تاحال تشنۂ طباعت ہے، ان سے درخواست ہے کہ وہ اس کا فوٹو راقم کو بھیج دیں۔

افسوس یہ ہے کہ اس وقت وہ حضرات یا ان کی اکثریت جنھوں نے براہِ راست حضرتِ اقدسؒ کی صحبت کا فیض اُٹھایا تھا، اس دُنیا سے اُٹھ گئے ہیں، یا پھر وہ وسائل کی کمی کا شکار ہیں، یا ان کو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے، جبکہ یہ ایک حقیقت

ہے کہ جن اکابر کے علوم و معارف یا ان کی شخصیت سے آج اُمت متعارف ہے، اس میں ان کے اخلاف، پسماندگان اور متعلقین کا بڑا دخل ہے۔

چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علوم و معارف کی بقا میں جہاں ان کے خلوص و اخلاص کا دخل ہے، وہاں ان کے با اخلاص تلامذہ اور مصاحبین کی کد و کاوش اور جدوجہد کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ ایسے ہی دورِ حاضر کے حکیم الاُمت، مجدّدِ ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے علوم و معارف کو بقا حاصل ہے، اور دورِ حاضر کا بچہ بچہ ان کے کمالات علمی و عملی سے آشنا ہے، اس کا راز بھی یہی ہے کہ ان کی ایک ایک بات کو ان کے تلامذہ اور متعلقین نے دِل و جان سے زیادہ عزیز جان کر ان کو محفوظ کیا، مرتب کیا، اور زیورِ طبع سے آراستہ کیا اور نسلِ نو تک پہنچا دیا۔

بہرحال حضرت بہلویؒ کے موجود اور دستیاب رسائل و کتب کی فہرست درج ذیل ہے:

۱:...اشاعت التوحید (اوّل، دوم، سوم)	(اُردو)
۲:...خیر الاذکار فی حیات سیّد الابرار	(اُردو)
۳:...سیرۃ النبی کی اجمالی سیر	(اُردو)
۴:...القول النقی فی حیاۃ النبیؐ	(اُردو)
۵:...شجرۂ طیبہ	(اُردو)
۶:...وسیلہ رفیعہ	(اُردو)
۷:...قوانین تعلیم و تربیت طلباء	(اُردو)
۸:...فوائدِ قرآن المعروف اصطلاحات القرآن	(اُردو)
۹:...القول الوجیز فی اُصول کلام العزیز	(اُردو)

۳۱:... طاعۃ الالٰہ فیما یتعلق بالاعضاء	(اُردو)
۳۲:... تزکیۃ الاعمال	(اُردو)
۳۳:... الوفاء بعہد الاولیاء	(اُردو)
۳۴:... فوائد مہماتِ تصوف و دفعِ مغالطات	(اُردو)
۳۵:... آداب الذکر واقسام الفکر	(اُردو)
۳۶:... انکشاف الاحوال والاوہام	(اُردو)
۳۷:... التبیین فی ہمزات الشیاطین	(اُردو)
۳۸:... مکائدِ شیطان	(اُردو)
۳۹:... صبغۃ اللہ، المعروف بہ خدائی رنگ	(اُردو)
۴۰:... التجلی فی الانوار والتجلی	(اُردو)
۴۱:... عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار	(اُردو)
۴۲:... ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ	(اُردو)
۴۳:... مستدلات الفقہ الحنفیہ	(عربی)
۴۴:... تفسیر قرآن نصف (غیر مطبوعہ)	(اُردو)

جبکہ حضرتؒ کے روزانہ کے بیانات، مواعظ، دروس اور مجالسِ علمی کے شہ پارے اس سے مستزاد ہیں، علاوہ ازیں اصلاحی مکاتیب اور خطوط کا ذخیرہ یقیناً انمول خزانہ تھا، جس کو غالباً کسی نے محفوظ نہیں کیا، یا پھر ان کو منصۂ شہود پر لانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ چنانچہ راقم الحروف نے اپنے بچوں کے نانا اور حضرت بہلویؒ کے خلیفۂ اجل حضرتِ اقدس قاری شیر محمدؒ سہارنپوری ساکن پڈعیدن سندھ کے تذکرہ میں آج سے چند سال پیشتر ان کی وفات کے موقع پر، ان کے نام حضرت بہلویؒ کے چند مکاتیب ماہنامہ ''بینات'' میں شائع کئے تھے، مقامِ شکر ہے کہ اب

حضرت مولانا محمد عابد مدظلہٗ مدرّس جامعہ خیرالمدارس (ملتان) نے حضرت قاری صاحبؒ کے نام حضرت بہلوی قدس سرہٗ کے دستیاب پچاس مکاتیب کو یکجا شائع کرکے لائقِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ اسی طرح موصوف نے حضرت بہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے دُوسرے دستیاب مکاتیبِ مبارکہ کا ایک معتد بہ ذخیرہ بھی شائع کیا ہے۔

حضرتؒ کی تصانیف کا اجمالی تعارف:

عام طور پر کتاب کا نام اس میں درج مضامین کا آئینہ دار ہوتا ہے، اور نام دیکھنے سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ کس موضوع اور مضمون کی کتاب ہے؟ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بہلویؒ کی درج بالا تصانیف کا مختصر تعارف پیش کردیا جائے۔

۱:...اشاعت التوحید:

حضرت بہلویؒ نے جس علاقے میں کام شروع کیا، وہاں زیادہ تر شرک و بدعات کا دور دورہ تھا۔ آپؒ نے قرآن و سنت اور توحید پرستی کی دعوت دی، پیشِ نظر کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں توحید پرستی اور اس کی اشاعت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔

۲:...خیرالاذکار فی حیات سیّد الابرار:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس رسالے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا تذکرہ ہے، جس میں درج ذیل عنوانات کے تحت دادِ تحقیق دی گئی ہے:

حضور شفیع المذنبینؐ کے بعض فضائل، آپؐ بعد وفاتِ ظاہر کے بھی زندہ ہیں، خواب میں آپؐ کی زیارت، شفاعت کی اقسام، آپؐ کی پیدائش، صفات و

کمالات، ولادت سے وفات تک کے مختصر احوال، آپؐ کے بعض شمائل، اخلاق و عادات، آپؐ کے بعض معجزات، عالمِ معانی میں معجزہ، عالمِ ملائکہ میں معجزہ، عالمِ انسان میں معجزہ، ظہورِ برکت، شفائے مرضیٰ، قہرِ بے ادباں، عالمِ جن میں معجزہ، عالمِ علوی افلاک و کواکب میں معجزہ، عالمِ بساط میں معجزہ، آب میں معجزہ، ہوا میں معجزہ، عالمِ کائناتِ جوّ میں معجزہ، عالمِ جمادات و نباتات میں معجزہ، عالمِ حیوانات میں معجزہ، آپ کی بعض خصوصیات، دُعا کے وقت آپؐ کا وسیلہ پکڑنا۔ اس رسالے پر اس دور کے اکابر علمائے اُمت کی تصدیقات ثبت ہیں، یہ رسالہ ۱۳۵۳ھ میں تصنیف کیا گیا تھا۔

۳:...سیرۃ النبیؐ کی اجمالی سیر:

اس رسالے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر انداز میں سیرت و سوانح بیان فرمائی گئی ہے۔

۴:...القول النقی فی حیات النبیؐ:

قرآن و سنت کی روشنی میں اہلِ سنت والجماعت اور اکابر علمائے دیوبند کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں، اپنے جسمِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، جو شخص حضرات انبیائے کرامؑ کی اس حیات کا قائل نہیں، وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے، اور اہلِ حق کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اہلِ حق علمائے دیوبند کا یہ بھی اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے روضۂ اقدس پر پیش کئے گئے سلام کو سنتے ہیں اور جواب عنایت فرماتے ہیں۔ ایسے ہی قبر میں ثواب و عذاب کا تعلق رُوح اور جسم دونوں کے ساتھ ہے، اور جسم سے جسمِ عنصری مراد ہے نہ کہ جسمِ مثالی۔ مگر جب کچھ نام

نہاد ''موحدین'' اور علمائے دیوبند سے نسبت رکھنے والے لوگوں نے اس کے خلاف اپنے نظریات گھڑ کر ان کو رواج دیا، اور افتراق و انتشار کی مذموم فضاء پیدا ہوگئی، تو اکابرین علمائے دیوبند نے مجبوراً حقائق کا اعلان اور اپنے عقیدے کا اظہار ضروری سمجھا۔ اس موقع پر حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ نے بھی اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور واضح کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ اطہر میں اسی جسمِ عنصری کے ساتھ متصف بالحیات ہیں۔ حضرتِ اقدس اس رسالے کی وجۂ تألیف میں لکھتے ہیں:

> ''اس سال مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف کی ایسی آندھی چلی کہ عوام وخواص تک اس سے متأثر ہوئے، علمائے کرام معتوب و معیوب ہوئے، آفتابِ نصف النہار پر اَبرِ سیاہ آنے لگا اور عوام میں فریقین کے استدلال نے پریشانیاں، چہ میگوئیاں اور جنگ و جدال ڈال دیا۔ ''حیاتِ الانبیاء'' کا مسئلہ ابتدائی سطح کے اعتبار سے اگرچہ کوئی اُصولی مسئلہ نہ تھا، مگر اپنے بعض نتائج کے اعتبار و لحاظ سے غیر معمولی اہمیت اختیار کرگیا، ہر طرف سے طنز برسنے لگے، احباب نے سوال و جواب سے سکوت اور دَم بخود ہونا اختیار نہ کیا، آخر بندۂ گناہگار، شرمسار نے بذریعہ قلم اپنے احباب کے لئے اپنا مسلک ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔'' (ص:۳)

حضرت بہلویؒ نے اس رسالے میں مسئلۂ حیات الانبیاء کو نہایت خوبصورت انداز سے قرآن و حدیث اور فقہ و فتاویٰ کی نصوص سے مبرہن کیا ہے۔ چنانچہ نہایت اختصار و جامعیت سے اس رسالے میں موت کی حقیقت، برزخ کی زندگی اور انبیائے کرامؑ کی حیات بہ جسدِ عنصری پر قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ کا استقصاء، علمائے دیوبند

کے اس موضوع پر فتاویٰ، اہلِ حدیث حضرات کی کتابوں سے حیاتِ انبیاء کا ثبوت، حیاتِ شہداء سے حیاتِ انبیاء پر بدلالت النص ثبوت، علمائے نجد کی اس سلسلے کی تصریحات، کتبِ فقہ و اربابِ تصوف سے اِس مسئلے کے اثبات کے علاوہ خیرالمدارس اور جامعہ قاسم العلوم ملتان کے اکابر، حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ اور محمود الملت والدّین حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے تاریخی و علمی فتاویٰ کو شامل کر کے تحقیق کا حق ادا کیا ہے، اور باور کرایا ہے کہ جو لوگ اس مسئلے کے منکر ہیں، وہ قرآن و سنت سے ناواقف اور عقل و فہم سے دُور ہیں۔

۵:...شجرۂ طیبہ:

اس رسالے میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، آپؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے شجرۂ نسب کو کتبِ سیرت سے خوبصورت انداز میں مرتب فرمایا ہے۔

۶:...وسیلۃ الرفیعۃ:

اس رسالے میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے وسیلہ پکڑنے کے دلائل، وسیلہ کی جائز و ناجائز صورتوں کی تفصیلات اور وسیلہ بالاعمال کو بیان کیا گیا ہے۔

۷:...قوانینِ تعلیم و تربیت طلبہ:

ہر درس گاہ کی کامیابی اور طلبہ کی تربیت کے کچھ اُصول و قوانین اور قواعد و ضوابط ہوتے ہیں، اگر ان کو اپنا لیا جائے تو افادے و استفادے میں سہولت ہوجاتی ہے، اور طلبہ کو حصولِ مقصد میں آسانی اور اساتذہ کو مشقت شدیدہ کا سامنا نہیں ہوتا۔

پیشِ نظر رسالے میں ایسے اُصول وقوانین کو بیان کیا گیا ہے۔

۸:...فوائد القرآن:

حضرت بہلویؒ جہاں اعلیٰ درجے کے کامل بزرگ، رُوحانی طبیب، ماہر عالم اور کامیاب مدرّس تھے، وہاں آپؒ اعلیٰ درجے کے مفسر بھی تھے، چنانچہ آپؒ نے حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ سے ترجمہ وتفسیر قرآن پڑھ کر، ساری زندگی ترجمہ وتفسیر پڑھائی، پیشِ نظر رسالہ آپؒ کی زندگی بھر کی تحقیق کا عرق و نچوڑ ہے، جس کو آپؒ نے مختصر انداز میں فوائدِ قرآن کے نام سے مرتب فرمایا ہے، اس میں آپؒ نے مخصوص انداز میں تفسیری اصطلاحات کو جمع فرمایا ہے۔

۹:...القول الوجیز فی اصول کلام المجید:

اس رسالے میں قرآنِ کریم کی تفسیر کے مختصر انداز میں اُصول وقوانین کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اب تفسیرِ بہلوی کے مقدمے کے طور پر اس میں شاملِ اشاعت ہے۔

۱۰:...الکلمات الراجحۃ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ:

یہ فارسی زبان میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مشتمل بہترین عجالہ ہے، لیکن مقامِ شکر ہے کہ اب اس کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ مولانا عبداللہ طالوت صاحب نے اس کا فارسی سے اُردو میں نہایت عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ اس رسالے سے حضرت بہلویؒ کی ترجمہ وتفسیر میں مہارت، گیرائی و گہرائی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت بہلوی قدس سرہٗ نے اس رسالے میں اُمّ القرآن یعنی سورۂ فاتحہ کے مضامین کو نہایت بسط وتفصیل سے اور کھول کر بیان فرمایا ہے۔

۱۱:...ترکِ منکرات در صدقۂ جمعرات:

اس نام کا یہ دُوسرا رسالہ ہے جس میں مروّجہ منکرات و بدعات کی اصلاح اور ان کے ترک کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۲:...تین استفتاء کے جوابات:

یہ مختصر رسالہ چند فتاویٰ پر مشتمل ہے، جن میں زمین کے عشر اور شبینہ وغیرہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان کی انجام دہی میں رونما ہونے والی بعض اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان اغلاط کا شرعی حکم واضح کیا گیا ہے۔

۱۳:...تعظیم الشعائر:

شعائر اللہ کی تعظیم وعظمت، ان کا احترام و اکرام اور ان کا تحفظ ہر مسلمان کے ایمان وعقیدے کا حصہ ہے۔ جو لوگ شعائر اللہ کی تعظیم نہیں کرتے، ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، زیرِ نظر رسالے میں آپؒ نے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

۱۴:...تحفۃ الفقیر الی اللہ:

حج وعمرہ کے اَحکام اور حرمین شریفین کی زیارت کے آداب کو اس رسالے میں نہایت محبت وعقیدت سے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ اس رسالے میں درج ذیل عنوانات قائم کئے گئے ہیں:

حج واجب ہونے کی شرائط، ارکانِ حج، حج کے واجبات، حج کی سنتیں، آداب، ممنوعات، میقات، اِحرام، ممنوعاتِ اِحرام، ادائے حج کی کیفیت، مزدلفہ اور منیٰ کے اَحکام، عورت کے اَحکام، مسائلِ متفرقہ، حج قران وتمتع، عمرہ، ممنوعاتِ حج، طواف، سعی اور رمل کے اَحکام، شکار کے اَحکام، بغیر اِحرام کے میقات سے گزرنے کا

حکم، دو اِحراموں کے ملانے کا حکم، احصار، حج فوت ہونے اور حجِ بدل کے اَحکام، قربانی، منّت کا حج، دُعا اور اس کے آداب، مقامات و اوقاتِ دُعا، روضۂ اطہر کی زیارت، مقبولیت کی علامت، زیارتِ روضہ کی مقبولیت کی علامت، اور یہ کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ؟

۱۵:...آداب الدعاء:

عام طور پر لوگوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ہماری دُعائیں قبول نہیں ہوتیں، اس لئے وہ...نعوذ باللہ...اللہ تعالیٰ سے ناراض رہتے ہیں، وہ اس پر کبھی غور نہیں کرتے کہ بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرنے کے جو حقوق و آداب ہیں، کہیں ان میں نقص اور کمی تو نہیں؟ اس رسالے میں حضرتؒ نے دُعا کے آداب اور اس کی قبولیت کی شرائط کو بیان فرمایا ہے۔

۱۶:...کتاب الادعیۃ والتعویذات:

یہ رسالہ، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، روزمرّہ کی مسنون دُعاؤں اور امراض کے تعویذات پر مشتمل ہے، یہ عجالہ تین فصلوں پر مشتمل ہے: پہلی فصل میں ان ادعیہ و اذکار کا بیان ہے جو مختلف امراض و مشکلات میں مفید ہیں، اسی طرح اس میں ان دُعاؤں کا بھی ذکر ہے جو سلف صالحین سے منقول ہیں، دُوسری فصل میں قرآنی آیات وسورتوں کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ تیسری فصل میں تعویذات وعملیات اور ان کے فوائد وثمرات کے علاوہ مخصوص امراض و مشکلات کے تعویذات نقل کئے گئے ہیں اور آخر میں اسماء الحسنٰی کے خواص وفوائد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۷:...فیضِ رُوحانی رحمتِ صمدانی:

اس مختصر رسالے میں حضرتؒ نے اجازت وخلافت، اقسامِ بیعت، بیعت کا

طریقہ، اپنے خودنوشت حالات، اپنے سلوک و احسان کی تاریخ، مشائخ، مجاہدات، کلماتِ نقشبندیہ کی تشریح، طریقِ تصوف، کشفِ قبور، لطائف کی تفصیلات، سلاسل کے اذکار اور اپنے آٹھ سلاسل کے شجروں کو بیان فرمایا ہے۔

۱۸:...اصلاحِ نفس:

عام طور پر انسان اپنے ظاہر کی تعمیر و اصلاح کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے، مگر افسوس کہ اپنے نفس کی اصلاح و تعمیر سے غافل رہتا ہے، بلکہ اسے غیرضروری سمجھتا ہے۔ پیشِ نظر رسالے میں اس کی اہمیت وضرورت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

۱۹:...تزکیۂ رُوحانی:

جس طرح انسان کے ظاہری جسم کی صفائی کی ضرورت ہے، ایسے ہی اس کے اخلاقِ باطنی کی صفائی کی بھی ضرورت ہے، جس کو اہلِ قلوب کی اصطلاح میں تزکیہ کہا جاتا ہے۔ پیشِ نظر رسالے میں اسی تزکیۂ رُوحانی کی ضرورت، اہمیت اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۰:...معارف السلوک:

اس جامع رسالے کی زبان اُردو ہے، جس میں حضرت بہلویؒ نے سلوک واحسان کے معارف کو کھول کر بیان فرمایا ہے۔ اس رسالے میں درج ذیل عنوانات پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے:

ہرعمل سے پہلے نیت کی تصحیح، عالم باللہ کی شان، صحیح علم کی تعریف، تمام علوم کا حاصل، علوم و معارفِ وہبیہ کے حصول کا طریقہ، معرفت سے محبت کا پیدا ہونا، محبت کے تین پہلو، محبت کے لائق ذاتِ الٰہی، محبت ومعرفت کے آثار ولوازم، ”موتوا قبل

ان تموتوا'' کا مطلب؟، اصلاحِ نفس فرض ہے، بیعت ہونا سنت ہے، نورِ نبوّت حاصل کرنے کا طریقہ، محبت پیدا کرنے کا طریقہ، کشف و کرامت اور وجد و استغراق محمود ہیں مطلوب نہیں، ترقیٔ باطنی، اہل اللہ کی باتوں میں زیادہ اثر ہونے کا نکتہ، اُسوۂ حسنہ کیسے حاصل ہو؟ حضرت منصورؒ اور علمائے وقت، شیخ کی ضرورت، اہلِ محبت کی صحبت، شیخ کی محبت عین محبتِ حق ہے، شیخِ کامل کو چشمِ ابلیس سے نہ دیکھو، حصولِ معرفت کی شرطیں، عارف فکر سے قرب کے مراتب طے کرتا ہے، سالک کے لئے چند شرطیں، ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ کرے، ذکر میں نیت خالص کرو، خوفِ ریا سے عبادت ترک نہ کرے، اخلاص کا طریقہ، فنائیت کا دعویٰ خود تکبر ہے، اور مبتدی کے لئے تحدیث بالنعمۃ جائز نہیں۔

۲۱:... مسائلِ تصوّف:

اس رسالے میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تصوّف کے مسائل کو خوبصورت انداز سے سمجھایا گیا ہے، اس عجالہ میں آپؒ نے درج ذیل مباحث کا ذکر فرمایا ہے:

اثباتِ ولایت، ولایت کیا چیز ہے؟ ولایت دو چیزوں پر موقوف ہے، کشف دو قسم کا ہے، کشفِ کونی و کشفِ الٰہی میں فرق، قطب الارشاد، قطبِ تکوین، الہام اور وسوسے میں فرق، کشف و الہام مقبول و غیر مقبول، ولایت کے لئے کشف و کرامت اور خرقِ عادت لازم نہیں، ولایت کی علامات، بعض ولیوں میں جذبی تأثیر، مراتبِ ولایت کی حد نہیں، اپنے سے کامل سے فیض، ولی کو اظہارِ نعمت جائز ہے، تزکیۂ نفس اور اظہارِ نعمت میں فرق، مرشد کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو بے اعتقادی کا سبب ہو، جھوٹی ولایت کا مدعی مسیلمہ کذّاب کا نائب ہے، فضائل و کمالات کے لئے مشکلات لازم ہیں، قربِ الٰہی کی علت، موانعِ قربِ الٰہی، سیرِ آفاقی وانفسی، ریاضت و مجاہدہ کا مقصد،

تصفیہ عناصر و حصولِ قرب کے لئے اتباعِ سنت و ترکِ بدعت لازم ہے، محض عبادت سے ولایت نہیں ہوتی، بعد وفات اہلِ قبور سے فیض کا درجہ، انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد، بلاصحبت ریاضت حصولِ ولایت کے لئے کافی نہیں، مقربین مافوق الاسباب پر قادر نہیں، اسماء و صفاتِ الٰہی کے ظلال اور ولایت کی اقسام وغیرہ۔

۲۲:... نکاتِ تصوّف:

اس رسالے میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، تصوّف کے نکات کو بیان کرتے ہوئے درج ذیل عنوانات پر کلام کیا گیا ہے: زندگی کی سہ گانہ تقسیم، زندگی تلخ ہے، مانع معاصی حیا و خوفِ الٰہی ہے، مشاہدہ کی تعریف، تصوّف میں احوال مقصد نہیں، البتہ مقامات مقصد ہیں، طلب کے لئے صداقت کی ضرورت، توبہ صحیح، ریاکاری کیوں کی جاتی ہے؟ مکر و بغض، توحید، دوئی کا مٹنا تصوف کا پہلا قدم، مجاہدہ، ریاضت، عبادت، طاعت کی غرض، وسوسہ سے متعلق، فائدہ اصلاحِ نفس، وقت کی قدر و قیمت اور اتباع سنت وغیرہ۔

۲۳:... تصوّفِ اہلِ صفا:

تصوّف کے بارے میں عام طور پر لوگ غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، بعض لوگوں نے اس کو شریعت سے ماورا کوئی دُوسری چیز سمجھ رکھا ہے، تو کچھ لوگ اسے اُمت کے لئے ''افیون کا چسکا، چنیا بیگم'' اور زہرِ قاتل سمجھتے ہیں۔ اس افراط و تفریط کے پیشِ نظر اہلِ صفا اور اہلِ حق کے ہاں مروّج تصوف کی حقیقت کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے کہ تصوّف دراصل اس احسان کا نام ہے جو حدیثِ جبریل میں: ''اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ'' کے الفاظ میں

مذکور ہے۔ اس مختصر سے رسالے میں آپؒ نے پندرہ فصلیں قائم کی ہیں، جن میں تصوّف کی تعریف، نام نہاد صوفیوں کے مغالطوں، ظاہر و باطن کی تمیز، اصطلاحاتِ تصوّف، سلوک کی اقسام، آثارِ سلوک، تجلیات، ملکوت، جبروت اور لاہوت کی تعریف، شریعت و طریقت کا تلازم، کشف و کرامت اور جذب وسلوک کو آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

۲۴:... آداب الشیخ والمرید:

پیری و مریدی کا تعلق ایک معاہدہ ہے، اس معاہدے کو نبھانے کے کچھ اُصول و آداب ہیں، پیر کا مرید پر اور مرید کا پیر پر کیا حق ہے؟ وہ کون سے حقوق و فرائض ہیں جن کی پاسداری شیخ پر لازم ہے؟ اور ایسے کون سے فرائض ہیں جن کی بجا آوری مرید پر لازم ہے؟ زیرِ نظر رسالے میں ایسے آداب وحقوق کو بیان کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ ان آداب کی بجا آوری سے نفع زیادہ اور محنت ومجاہدہ کم ہوگا۔

۲۵:... التصرف فی حقیقۃ البیعۃ والتصوف:

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ ناواقفی، اور لاعلمی کے باعث، بیعت و ارادت کو بدعت اور علمِ تصوّف کو ناجائز، بے فائدہ اور مسلمانوں کے لئے ضرر رساں تصوّر کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی غلط فہمی اور جہالت کو دُور کرنے کے لئے حضرتؒ نے یہ تحقیقی رسالہ مرتب فرمایا، جس میں تصوّف اور اس کی حیثیت، تصوّف کا مقصدِ اصلی، اتباعِ رسول، ضرورتِ مرشد، صحبتِ مرشد، بیعت و ارادت کی حقیقتِ اصلی، بیعت کی احادیث اور بیعت سے متعلق ملک بھر کے اکابر علماء کے فتاویٰ کو درج کرکے اس کی اہمیت وعظمت کو چار چاند لگادیئے گئے ہیں۔

۲۶:...تربیت المرید بذکر الحمید:

پیر کو مرید کی تربیت کس طرح کرنی چاہئے؟ اور اس کے کیا اُصول وقوانین اور ادب و آداب ہیں؟ نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں اس کی وضاحت اس رسالے کا موضوع ہے۔

۲۷:...ترک المنکرات:

یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے منکرات کو چھوڑنے کی ترغیب وتحریص اور ان کے قبائح سے متعلق ترہیب کے مضامین پر مشتمل ہے۔ پیشِ نظر رسالے میں گیارہ ابواب قائم کئے گئے ہیں، جن میں مجموعی طور پر صغائر و کبائر کے اجتناب، مساجد کے منکرات، نماز کے منکرات، زکوٰۃ وعشر کے منکرات، صوم کے منکرات، حج کے منکرات، نکاح کے منکرات، ولادت کے موقع کے منکرات، بیمارپُرسی اور جنازے کے منکرات، عیدوں اور تہواروں کے منکرات و رسومات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

۲۸:...ترک السیئات مع درک الحسنات:

یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس ارشادِ الٰہی کی تعبیر ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ ظاہری اور باطنی گناہ چھوڑ دو۔ عموماً لوگ مخلوق کو دِکھانے کے لئے گناہوں سے بچتے ہیں، مگر جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو، وہاں گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ یا یہ کہ ظاہری اعضاء کے گناہوں سے تو کسی حد تک پرہیز کرتے ہیں، مگر اعضاءِ مستورہ یعنی دِل و دِماغ وغیرہ کو گناہوں سے محفوظ نہیں رکھتے۔ اس رسالے میں یہ بتلایا اور سمجھایا گیا ہے کہ گناہ کی ہر شکل سے مؤمن کو اجتناب و احتراز کرنا چاہئے۔

۲۹:...محاسبۃ الاعمال:

قرآن کریم میں ہے کہ: ''کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا'' ...آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے... یعنی قیامت کے دن ہر آدمی اپنے اعمال کے اعتبار سے خود ہی اپنا حساب کرسکے گا اور یہ اندازہ لگاسکے گا کہ میرے اعمالِ صالحہ مجھے جنت میں لے جانے کے قابل ہیں یا نہیں؟ گویا قیامت کے دن تو ہر شخص اپنا محاسبہ کرہی لے گا، مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہر مسلمان دُنیا ہی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا اور یہ اندازہ لگاتا کہ میرے اچھے اعمال زیادہ ہیں یا بُرے اعمال؟ اگر کوئی مسلمان مرنے سے پہلے دُنیا میں اس جذبے کے تحت روزانہ اپنا محاسبہ کرتا رہے تو اس کے گناہ نیکیوں سے کبھی نہیں بڑھ سکیں گے۔ اس رسالے میں اسی محاسبۂ اعمال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۳۰:...تصفیۃ الاعمال:

اس رسالے میں اکابر و مشائخ متقدمین کی کتب جیسے: اکمال الشیم، شرح اتمام النعم وغیرہ سے تصوّف کے اسرار و رُموز کو منتخب کرکے نقل کیا گیا ہے، اس رسالے میں نو فصلیں ہیں، جن میں درج ذیل علوم و معارف بیان کئے گئے ہیں: علم، عمل، اِخلاص، توبہ، رِیا، نماز کے اسرار و رُموز، عبادات کی حکمت، ذکر، فکر، عباداللہ کی اقسام اور سالکین کے مراتب، وغیرہ۔

۳۱:...طاعۃ الالٰہ فیما یتعلق بہ الاعضاء:

رُبوبیت اور عبدیت دونوں مقابل کی چیزیں ہیں، انسان میں عبدیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات صفتِ رُبوبیت سے موصوف ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ اس میں کامل عبدیت ہو، لہٰذا جس میں جس قدر عبدیت زیادہ ہوگی، اسی قدر وہ باکمال

ہوگا، اس لئے پیشِ نظر رسالے میں عبدیت کے وہ تمام احوال و آثار جو اعضاء سے متعلق ہیں، ان کو ذکر کیا گیا ہے۔ پیشِ نظر رسالے میں درج ذیل عنوانات پر کلام کیا گیا ہے: عبدیت کی تشریح، عبدیت کی اقسام، مراتبِ عبدیت، عبدیت کا مدار پندرہ اشیاء، قلب کی عبدیت کی علامات، زبان کی عبدیت اور جوارح کی عبدیت کے مظاہر، عبودیاتِ چشم، عبودیاتِ لمس، عبودیاتِ قوتِ شامہ وغیرہ۔

۳۲:...تزکیۃ الاعمال:

قول وفعل اور عمل وہی مفید ہے جس میں ریا اور دِکھلاوا نہ ہو، بلکہ خالص اللہ کے لئے ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اگر کوئی بڑے سے بڑا عمل ان نقائص سے پاک نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی ذرّہ بھر کوئی حیثیت نہیں، لیکن اگر کوئی عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے تو چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، وہ عنداللہ مقبول ومحبوب ہے۔ پیشِ نظر رسالے میں اس مضمون کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۳:...الوفا بعہد الاولیاء:

اس رسالے میں ان تمام وعدوں کا ذکرِ خیر فرمایا گیا ہے جو مشائخ اپنے مریدین ومتعلقین سے لیا کرتے ہیں۔ عام تأثر یہ ہے کہ تصوّف میں صرف اذکار و اوراد ہوتے ہیں، جبکہ تصوّف میں جہاں ان معمولات پر پابندی کا عہد لیا جاتا ہے، وہاں اس میں اعمال و اخلاق اور عبادات و معاملات میں بھی شریعت کی پاسداری کا عہد لیا جاتا ہے۔ جو شخص سر سے لے کر پیر تک اور زندگی کے تمام معاملات میں شریعت کا پابند نہ ہو، وہ صوفی نہیں کہلاسکتا، چنانچہ حضرت بہلویؒ نے اس رسالے میں ان بیالیس وعدوں کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو اکابرینِ تصوّف اپنے مریدین و

متعلقین سے لیا اور پابندی کرایا کرتے ہیں۔

۳۴:...فوائد مہماتِ تصوّف و دفعِ مغالطات:

تصوّف درحقیقت عینِ اسلام بلکہ کمالِ اسلام اور دین کی رُوح کا نام ہے اور صوفی بنے بغیر اسلام کی دینی، دُنیوی، انفرادی، اجتماعی اور قومی و سیاسی برکات سے کماحقہٗ ہم کنار ہونا عملاً ناممکن ہے۔ مگر بدقسمتی سے جس طرح دین کے دُوسرے شعبوں میں زیادہ تر غلطیاں اور کوتاہیاں سرایت کرگئی ہیں ...جن کی نحوست سے رہا سہا دین بھی معنویت سے خالی، محض بے جان ہوکر رہ گیا ہے...اسی طرح تصوّف میں بھی دُکان دار صوفیوں نے بدعات و رُسومات داخل کرکے اس کی شکل ہی بگاڑ دی ہے۔ اس رسالے میں تصوّف کے چہرۂ صافی کو نکھارنے اور اس کی حقیقت بیان کرنے کے لئے اس کے مہمات اور مغالطات کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح تصوّف کی اصطلاحات کے معانی و مفاہیم کو سہل و آسان زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۵:...آداب الذکر واقسام الفکر:

اس رسالہ میں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حضرتؒ نے ذکر وفکر کے آداب بیان کرتے ہوئے درج ذیل عنوانات کے تحت کلام کیا ہے: فنا کی اقسام، توحید کی چار اقسام، ذکر کے آداب، سنن و مستحباتِ ذکر، ذکر کے بعد کے آداب، ذکر اور فکر میں سے کون افضل ہے؟ وغیرہ۔

۳۶:...انکشاف الاحوال والاوہام:

جس طرح ظاہری آنکھ روشنی میں محسوسات کو دیکھتی ہے، ایسے ہی ذاکرین کو ذکر، مراقبہ، خواب اور خلوت میں کچھ واقعات منکشف ہوتے ہیں، جن سے بعض

اوقات سالک کے شوق ذوق اور لذّت میں اضافہ ہوتا ہے اور اپنے حال کی رسیدگی، پژمردگی، زیادتی اور نقصان معلوم ہوتا ہے اور اپنے حالات نفسانی، حیوانی، سبعی، شیطانی، ناسوتی، ملکی اور رُوحانی پر واقف ہوتا ہے، ایسے میں کبھی سالک اوہام کا شکار ہوجاتا ہے، ایسے احوال و اوہام کی تفصیلات کے لئے یہ رسالہ مرتب کیا گیا ہے۔اس رسالے میں درج ذیل عنوانات قائم کئے ہیں:

بعض واقعاتِ انکشافیہ کی تشریح اور فوائد، انکشافات کی تشریح، علاماتِ صحتِ انکشاف، مرشد کی ضرورت، انوار پر مغرور نہ ہونا چاہئے، حجاباتِ نورانیہ کی زیادتی کا نقصان، سلوک کی ابتداء وانتہا "اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ اِلَى الْبِدَايَةِ" کا مفہوم، ترقی کی انتہا ہے یا نہیں؟ فنا کامل آنی ہے یا زمانی؟ ظلوم وجہول کا مطلب؟ نماز بے خطرہ کب ہوگی؟ طالب و سالک فانی ہوتا ہے یا مطلوب؟ اور سالک کو بعد موت یعنی فنا فی اللہ کے وصل ممکن ہے؟

۳۷:...التبیین فی ہمزات الشیاطین:

اس رسالے میں سولہ فصلیں قائم کرکے شیطان کی مختلف مکاریوں اور وسوسوں کا علاج تجویز کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس رسالے میں درج ذیل مضامین بیان کئے گئے ہیں:

وساوسِ شیطانیہ ونفسانیہ کی تعریف، وساوسِ نفسانیہ وشیطانیہ میں فرق، خواطرِ ملکی وحقی میں فرق، شیطانی دجل اور ملمع شدہ وساوس، صوفیوں اور پیروں کے لئے شیطانی دجل وفریب، حسن پرستی کا دجل، ملفوظات ومثنوی کے متعلق شیطانی مغالطہ، توحیدِ وجودی کے بارے میں مغالطہ، بزرگانِ اہلِ قبور سے استفادے کا مغالطہ، لفظ "غفور الرحیم" سے شیطان کی دھوکا دہی، صوفیا کے مجاہدات میں دھوکا، سماع وسرود میں

شیطانی دھوکا، تعلیم و تعلّم میں شیطانی دھوکا، قرآن و حدیث کے سوا دُوسرے علوم کو باعثِ نجات سمجھنے کا دھوکا، چندہ اور مالِ زکوٰۃ کے مصرف میں دھوکا، اور یتیموں کا مال کھانے میں شیطانی دھوکا وغیرہ۔ بلاشبہ اس رسالے کا ایک ایک حرف آبِ زَر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۳۸:... مکائد الشیطان:

شیطان، انسان کو کس کس طرح گمراہ کرنے اور اس کی راہ مارنے کی کوشش کرتا ہے؟ اس کا اندازہ صحیح معنی میں وہی لگاسکتا ہے جو شیطان کے کید و مکر کو جانتا ہو۔ اکابرؒ فرماتے ہیں کہ: شیطان کا مقابلہ کرنا اس وقت مشکل ہوجاتا ہے جب وہ دلائل کے ہتھیار سے مسلح ہوکر میدان میں اُترتا ہے۔ مثلاً: جب رشوت کو ہدیہ، تحفہ اور حق الخدمت، اور سود کو تجارت و مضاربت کے انداز میں پیش کرتا ہے، تو اچھے اچھوں کے دماغ چکرا جاتے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے کید و مکر سے آگاہ ہوکر اس کا مقابلہ کرنا چاہئے، زیرِ نظر رسالے میں شیطان کے تباہ کن مکائد اور فریبوں کو بیان کرنے اور اس سے بچنے کی شکلیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۳۹:... صبغۃ اللہ/ خدائی رنگ:

قرآن کریم میں ہے: "صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ." (ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا، اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں) یعنی جس طرح رنگ انسان کو آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے، مؤمن کے ایمان کی علامات اس کے چہرے، بشرے، تمام حرکات و سکنات اور معاملات و عادات سے ظاہر ہونا چاہئیں۔ حضرت بہلویؒ نے اس رسالے میں تطہیر

کے دس اُصول، مثلاً: نماز، زکوٰۃ، خیرات، روزہ، حج، تلاوت، ذکرِ الٰہی، طلبِ حلال، مسلمانوں کے حقوق، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اتباعِ سنت کے علاوہ تعمیرِ باطن کے اُصول، مثلاً: کثرتِ اکل وحرصِ طعام، کثرتِ کلام وفضول گوئی کی ہوس، غصہ، حسد، بخل اور محبتِ مال، رعونت وشہرت اور جاہ کی محبت، دُنیا کی محبت، نخوت وتکبر، خود پسندی، ریا، ان کی تفصیلات اور ان کے علاج کو بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح تعمیرِ باطن کے دُوسرے جزء اخلاقِ محمودہ کی تفصیلات، مثلاً: توبہ، خوف، زُہد، صبر، شکر، صدق واخلاص، توکل، محبت، رضا برقضا، فکرِ موت، اور حسنِ خلق کے عنوانات قائم کر کے اس مضمون کونہایت خوبصورت انداز میں پیش فرمایا ہے۔

۴۰:...التجلی فی الانوار والتجلی:

آدمی جب ذکر ومراقبہ اور محاسبہ اعمال شروع کرتا ہے تو انوارات کی تجلی کا ظہور ہوتا ہے اور تحلیہ نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پیشِ نظر رسالے میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۱:...عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار:

یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اربابِ تقویٰ کے قلوب کی اصلاح کے اُصول، قواعد اور اذکار پر مشتمل ہے، یہ رسالہ اُصولی طور پر پانچ مضامین پر مشتمل ہے: عقائد، عبادات، معاملات، آدابِ معاشرت اور سلوک و مقاماتِ سلوک۔ لیکن ذیلی مباحث کے اعتبار سے اس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر تفصیل سے کلام کیا گیا ہے: ولایت وسلوک، مقامات، اثباتِ رُتبۂ ولایت، ولایت کیا چیز ہے؟ نسبت و وصول الی اللہ کا معنیٰ؟ مدارِ ولایت، ولایت کے ارکان؟ ولی کی تعریف، تخلیہ وتجلیہ، اصلاحِ باطن

کی فرضیت، تصوّف کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، مقامات و حال کی تعریف، تحصیلِ نسبت، ضرورتِ شیخ اور علاماتِ شیخِ کامل، طریقِ تربیت مشائخ، سالکِ مجذوب و مجذوبِ سالک، خلافت دینے کا وقت اور تحصیلِ نسبت کے بعد کے معاملات، ریاضت و مجاہدہ: تفصیلی و اجمالی، توبہ کی تعریف، اقسامِ توبہ، طریقِ تحصیلِ توبہ و اَحکامِ توبہ، صبر، اقسامِ صبر و علاج، شکر و ارکانِ شکر، خوف اور اس کی تحصیل کا طریق، رجاء کا معنی و مفہوم اور اس کا طریقِ تحصیل، غرور، تمنی اور رجاء کا فرق، زُہد و طریق تحصیلِ زُہد، توحید کا معنی، توکل کی تعریف، تحصیلِ توکل کا طریق، محبت، طریقِ محبت و علاماتِ محبت، شوق کا معنی و طریقِ تحصیل، اُنس کا مفہوم، رضا کا معنی اور اس کی تحصیل کا طریق، نیت، اِخلاص اور صدق کا معنی اور تحصیل کا طریق، درجاتِ صدق، مراقبہ کا مفہوم، مراقبے کے لئے چند اُمور، اخلاقِ ذمیمہ، شہوت کا معنی اور اس کا علاج، آفاتِ لسان و علاج، غضب، حقد، حسد، اسبابِ حسد، حبِ دُنیا کا مطلب، بخل، حرص، حبِ جاہ کا معنی، تکبر، ریا، عجب کی تعریف اور ان تمام کا علاج، اُستاذ اور پیر کے حقوق و آداب، نفسِ امارہ، لوّامہ اور مطمئنہ کی تشریح، حبسِ دَم اور ذکر کا طریق، لطائف بیدار کرنے کی ترکیب، ترتیب مراقبات، حبسِ دَم کے فوائد، انسان کے دس لطائف، مقاماتِ عشرہ، علامات و کیفیات، ولایتِ صغریٰ، مراقباتِ ولایتِ کبریٰ، ظلالِ اسماء کا مطلب، ''تا بہ مادر خود جفت نشوی'' کا مطلب، فنائے قلبی و فنائے نفسی کی تشریح، توجہ، طریقِ توجہ، شرائطِ توجہ، تعددِ پیر اور اس کی شرائط، قبر سے فیض تعلیم کا حکم، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، اُصولِ قبض وبسط، غیبت وحضور، سکر، صحو اور محو و اثبات، مکاشفہ، مشاہدہ، محاضرہ، کرامت، سحر، استدراج، اصطلاحات ملامتی، قلندری، مجذوب و سالک، تجرید، تفرید، حریت، قرب و بعد، تصوّرِ شیخ و مرشد، اس کے فائدے اور نقصان، اقسامِ حجاب، اقسامِ اولیاء، اصلاحِ اغلاط، خرقِ عادت کی اقسام، کشف و الہام سے حاصل ہونے

والے علم کا حکم، ولایت کے لئے خوارق کا ظہور ضروری نہیں، عورتوں کی بیعت، تحقیق لطائفِ ستہ اور مقاماتِ لطائف، لطائف کے رنگ، کافر کو بھی انوار نظر آسکتے ہیں، قطب الارشاد، قطب التکوین، شغل وفکر میں فرق اور شغل و مراقبہ کا فرق، وصیت اور دُوسرے کئی عنوانات جو سالکینِ طریقت کی راہ نمائی اور ہدایت کے لئے ضروری ہیں۔

۴۲:...ضرورۃ الشریعۃ والطریقۃ:

طریقت، شریعت کے بغیر جہالت بلکہ بعض اوقات زندقہ ہے۔ اس رسالے میں ان جاہل صوفیوں اور نام نہاد پیروں کے اس پروپیگنڈہ کا خوبصورت انداز میں رَدّ کیا گیا ہے، جو صوفیت کے نام پر اپنے آپ کو شریعت کی پابندیوں سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔

۴۳:...مستدلات الفقہ الحنفیہ:

دورِ حاضر کا المیہ ہے کہ ہر جگہ تشدد و تعصب نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں، جو جہاں ہے، وہ اسے ہی حق وصواب اور ہدایت وصداقت سمجھتا ہے، احترامِ مذاہب، رواداری اور برداشت تقریباً ناپید ہوتی جارہی ہے، اور فروعی مسائل کو اس قدر اُچھالا جاتا ہے کہ ان پر اُصولی اور اعتقادی ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے، چنانچہ اس فکر وسوچ کا حامل طبقہ عام طور پر یہ تأثر دیتا ہے کہ فقہِ حنفی کے پاس صرف عقل و قیاس ہے، اور احناف کے پاس قرآن و حدیث کے کوئی دلائل نہیں۔ حضرت بہلوی قدس سرہٗ نے مستدلات الفقہ الحنفیہ میں اس طبقہ کی اُڑائی ہوئی اس دُھول کو صاف کرنے کے لئے فقہی ترتیب کے تمام مسائل، مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دُوسرے معاملات کے تمام مسائل کو قرآن و حدیث کے دلائل سے مبرہن کرکے فقہِ حنفی کے خلاف جھوٹا

پروپیگنڈا کرنے والوں کو لاجواب کردیا ہے۔

یہ کتاب اس سے پہلے ایک عرصہ تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے درسِ نظامی کے نصاب میں شامل رہی، مگر افسوس کہ ایک عرصہ کے بعد کتاب نایاب ہوگئی تو وفاق المدارس کے نصاب سے خارج ہوگئی۔ اب الحمدللہ! حضرت بہلویؒ کے خدام نے اسے دوبارہ شائع کرکے علماء وطلبہ پر احسان فرمایا ہے، کتاب عربی زبان میں ہے۔

۴۴:...ازالۂ شکوک وشبہاتِ تصوّف:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ تصوّف کے بارے میں عامۃ الناس غلط فہمی میں مبتلا ہیں، بلکہ بعض لکھے پڑھے لوگ بھی اسے ہندو دھرم کی یوگا جیسی مشقوں کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ یہ سب حقیقت ناشناسی اور لاعلمی کے ثمرات ہیں۔ تصوّف کے بارے میں ایسے تمام شکوک وشبہات کے ازالے کے لئے یہ رسالہ بہترین ہتھیار ہے۔

تفسیرِ قرآن:

قرآنِ کریم کی تفسیر کا موضوع کس قدر اہم ہے؟ اس کے لئے کس قدر علومِ عربیہ میں مہارت کی ضرورت ہے؟ اور کون اس کا اہل ہے؟ اس کی اہمیت سے اصحابِ علم وفضل واقف ہیں۔ بلاشبہ ہمارے حضرت بہلویؒ اس دور کے ان اربابِ فضل وکمال میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے صَرف، نحو، ادب، لغتِ عربی، معانی، بیان، بدیع، فقہ، اُصولِ فقہ، حدیث، اُصولِ حدیث، تفسیر اور اُصولِ تفسیر وغیرہ میں کمال درجے کی مہارت اور یدِطولیٰ عطا فرمایا تھا۔ پھر جن اکابر سے آپؒ کو شرفِ تلمذ حاصل تھا، وہ اپنے دور کے امام، حجت اور سند کے مقام پر فائز تھے، جنہوں نے آپؒ کو حکماً تفسیرِ قرآن کی طرف متوجہ فرمایا، خصوصاً حجۃ الاسلام حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

اور قطبِ دوراں حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے اس فن میں آپؒ کی خصوصی تربیت فرمائی اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرما کر اس مسند پر بٹھایا تو زندگی بھر آپؒ نے ان کی سپرد کی گئی اس امانت کو اُمت تک پہنچایا، اور ان کی نسبت و مسند کی لاج رکھی۔ چنانچہ آپؒ نے جب سے اس خاص انداز میں تفسیر پڑھی اور پڑھانا شروع کی تو زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے اور کبھی اس میں تخلف نہیں آنے دیا، ہر سال آپؒ رمضان و شعبان میں پہلے بہلی شریف اور آخر عمر میں مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد میں باقاعدہ دورۂ تفسیر پڑھاتے رہے، جس میں سینکڑوں علماء اور اصحابِ علم وفضل شریک ہوتے اور علوم ومعرفت کے اس بحرِ ذخار سے موتی لوٹتے۔ پیشِ نظر تفسیر آپؒ کے ان تفسیری نکات کا مجموعہ ہے جو آپؒ کی زندگی بھر کے علم وتحقیق کا عرق اور نچوڑ ہے۔ آپؒ کے ان تفسیری نکات کو جہاں آپؒ کے تلامذہ اور مسترشدین قلم بند کرتے، وہاں آپؒ نے خود بھی اس کو محفوظ کیا۔ افسوس! کہ یہ گوہرِ گراں مایہ تاحال مکمل طور پر زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکا۔

پیشِ نظر کتاب اس سلسلے کا ایک حصہ ہے جو سورۂ فاتحہ، اور سورۂ انفال سے لے کر سورۂ طٰہٰ کے اختتام تک کے تفسیری نکات پر مشتمل ہے۔ افسوس! کہ اس کا دُوسرا حصہ تاحال تشنۂ طباعت ہے، جبکہ پہلے حصے کی بھی سورۂ بقرہ، آلِ عمران، نساء، مائدہ، انعام اور اعراف کی تفسیر تاحال مفقود ہے۔ اے کاش! کہ حضرتؒ کے افادات پر مشتمل پورے قرآن کی تفسیر دستیاب ہوجاتی اور اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرکے اُمت تک پہنچایا جاتا۔ حضرت بہلویؒ کے اخلاف اور پسماندگان کے ذمہ یہ قرض ہے جو انہیں ہر حال میں چکانا چاہئے، خدا کرے کہ حضرت بہلویؒ کے خدام اس طرف توجہ کریں اور اس قومی امانت کو اُمت کے ہاتھوں تک پہنچائیں۔ حضرتؒ کی تفسیر پر کچھ لکھنا اور اس کا تعارف کرانا سورج کو چراغ دِکھانے کے مترادف ہے۔ یہ وہ ذائقہ ہے جو چکھنے سے

محسوس ہوتا ہے، لکھنے اور بتلانے سے اس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے، بالکل ایسے جیسے آم کی مٹھاس بتلانے سے نہیں بلکہ کھانے اور چکھنے سے معلوم و محسوس ہوتی ہے، کیونکہ اس کی مٹھاس کو کسی چیز کی مٹھاس سے تشبیہ دینا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

اوصاف و اخلاق

اخلاقِ عالیہ:

حضرت اسود بن یزیدؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

”اَیُّ شَیْءٍ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ اِذَا دَخَلَ بَیْتَہٗ؟ قَالَتْ: کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِھْنَۃِ اَھْلِہٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ قَامَ فَصَلّٰی۔“ (ترمذی)

ترجمہ:... ”جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ: گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔“

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ اخلاق، فنائیت، عبدیت اور تواضع کی معراج تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدے میں تشریف رکھتے تو گھر کے معمولی کام کاج سے بھی عار نہیں فرماتے تھے، بلکہ ایک عام آدمی کی طرح گھر کی ضروری خدمت میں مصروف رہتے۔

اسی طرح شمائل ترمذی میں ہے کہ:

"قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَيَحْلِبُ شَاتَهٗ وَيَخْدِمُ نَفْسَهٗ."

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے کی جوئیں دیکھ لیتے تھے، (کہ کسی دُوسرے کے کپڑے سے نہ چڑھ گئی ہوں) اور بکری کا دُودھ دوہ لیتے تھے، اور اپنے ذاتی کام خود کر لیتے تھے۔

مسندِ احمد میں یہ اضافہ ہے کہ: "يَخِيْطُ ثَوْبَهٗ وَيَخْصِفُ نَعْلَهٗ" (اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے اور اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے)۔ ابنِ حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "وَيَرْقَعُ دَلْوَهٗ" یعنی اپنے ڈول کی مرمت خود کر لیتے تھے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں غلام کی طرح کھاتا ہوں، اور غلام کی طرح بیٹھتا ہوں، پھر فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔"

غرضیکہ آپؐ کی ایک، ایک ادا اور حرکت و سکون سے عجز و انکسار، تواضع اور عبدیت ٹپکتی تھی۔ کبر و نخوت، عجب و غرور اور تکبر و بڑائی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزر ہی نہیں ہوا تھا، حتیٰ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے مجمع میں تشریف فرما ہوتے تو نووارد اور ناواقف آدمی دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان میں سے نبی کون ہے؟ اور اُمتی کون؟ بلکہ اسے پوچھنا پڑتا کہ تم میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟

ٹھیک اسی طرح ہمارے حضرتِ اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ اُسوۂ نبویؐ کے سانچے اور قالب میں ڈھلے ہوئے تھے۔ آپؒ کے ہر قول و فعل اور عمل کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا جیسے آپؒ نے اُسوۂ حسنہ کے آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے سراپے اور کاکل و گیسو سنوارے ہیں، چنانچہ آپؒ کا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا،

سونا، جاگنا، چھوٹوں، بڑوں، مریدین و متعلقین سے برتاؤ، دوست، احباب اور واردین وصادرین کے ساتھ یکساں معاملہ، اتباعِ نبویؐ کا آئینہ دار تھا۔

آپؒ سے ملنے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپؒ کا مجھ سے خصوصی تعلق ہے، آپؒ کے ہاں کسی روایتی ہٹو بچو کا تصور نہیں تھا، بلکہ صحیح معنی میں آپؒ ارشادِ نبویؐ: "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا وَاجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا" (اے اللہ! مجھے صبر والا بنادے، اور مجھے شکر والا بنادے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا اور دُوسروں کی نظر میں بڑا بنادے) کی کامل تصویر تھے۔

حضرتؒ کے پاس آنے والا ہر شخص یہ محسوس کرتا جیسے وہ اپنے شفیق باپ کے پاس آگیا ہے، اس لئے وہ بے تکلف اپنے تمام مسائل و مشکلات عرض کرتا اور حضرتؒ نہایت محبت و شفقت سے اس کے مسائل سنتے اور ان کا حل ارشاد فرماتے۔ حضرتؒ کی بارگاہ میں نام نہاد پیروں کی سی کرّ و فر نہیں تھی، وہاں پیر و مرید میں مشفق باپ بیٹے اور رحم دِل ڈاکٹر و مریض کا رشتہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کے اردگرد ہر وقت علماء، طلبہ اور مریدین کا پروانہ وار اجتماع رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت بہلویؒ کو حسنِ باطنی کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن و جمال سے بھی خوب آراستہ فرمایا تھا، اس پر مستزاد، جب آپؒ اکابرینِ نقشبندیہ اور چشتیہ کے ذوق کے مطابق سفید اور اُجلا نکھرا لباس زیبِ تن فرمالیتے تو بلامبالغہ لعل و گُہر کی چمک بھی آپؒ کے چہرے کے سامنے پھیکی نظر آتی، مگر بایں ہمہ آپؒ کی کسی حرکت و سکون اور قول و فعل سے جاہ و جلال کا شائبہ تک نہ ہوتا، بلکہ آپؒ کی ایک، ایک ادا سے عجز و نیاز، عبدیت و فنائیت اور بے نفسی و تواضع ٹپکتی تھی۔

راقم الحروف کو یہ تو یاد نہیں کہ حضرت بہلویؒ سے پہلی ملاقات کا شرف کب حاصل ہوا؟ البتہ جب سے یاد ہے، حضرت بہلویؒ کو پیکرِ محبوبی ہی دیکھا۔

حضرتِ اقدسؒ سے جو ملاقات یاد ہے، اس کا نقشہ آج بھی دِل و دِماغ پر ثبت ہے، اور اس کا اثر آج بھی حضرتؒ کی عظمت، محبت، شفقت اور سادگی کی یاد دلاتا ہے۔

ہوا یوں کہ حضرت بہلویؒ اپنے عزیز داماد اور جلال پور پیروالا کے مشہور حکیم حضرت مولانا حکیم محمود الحسن صاحبؒ کے گھر جلال پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ صبح نماز کے بعد حکیم صاحب کے گھر سے باہر سب خدام کی موجودگی میں حضرت بہلویؒ بھی تشریف فرما تھے۔ لوگ حضرت کے اردگرد پروانہ وار جمع تھے، اور اپنی، اپنی ضرورتوں اور مشکلات کے حل اور دُعاؤں کی بابت عرض کر رہے تھے، کوئی تعویذ لے رہا تھا تو کوئی بیعت کی درخواست کر رہا تھا، اتنے میں میرے والد ماجدؒ نے مجھے حضرت بہلویؒ کی خدمت میں پیش کر دیا اور درخواست کی کہ: حضرت! یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے، اسے بھی اپنی ارادت میں شامل فرمالیں۔ حضرتؒ نے بلا توقف نہایت محبت و شفقت سے مجھے اپنے پاس بٹھالیا، اور میں حضرتؒ کے پہلو میں آپؒ کے گھٹنے کے ساتھ نہایت بے تکلفی سے جڑ کر بیٹھ گیا، پیری مریدی کیا ہوتی ہے؟ بیعت کیا ہوتی ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور کیوں کی جاتی ہے؟ اس کا صحیح معنی میں نہ اب ادراک ہے اور نہ اُس وقت تھا، بہر حال حضرت والد صاحب کے حکم سے آگے ہوگیا اور حضرتؒ کے قریب بغیر کسی ڈر اور خوف کے بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ میرے والد ماجدؒ کی قبر کو نور سے بھر دے! کہ انہوں نے مجھے شروع ہی سے بزرگوں سے جوڑے رکھنے کی کوشش فرمائی۔ جب میں حضرت بہلویؒ کے قریب ہوا تو حضرتؒ نے کیا فرمایا؟ یہ تو یاد نہیں، البتہ اتنا یاد ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا: سینے سے کپڑا اُٹھاؤ! میں نے جب کپڑا ہٹایا تو حضرت نے دِل، سینے اور کئی جگہ اُنگلی رکھی اور زور سے فرمایا: ''اللہ'' اس طرح حضرتؒ نے گویا میرے لطائف جاری فرمادیئے۔ بلاشبہ یہ حضرتؒ کی تواضع،

شفقت، محبت اور اپنائیت کا اثر تھا کہ اس کے بعد راقم کو حضرتؒ سے غیر اختیاری طور پر ایسی محبت ہوگئی جیسے کسی بیٹے کو اپنے باپ سے ہوا کرتی ہے، پھر تو زندگی بھر حضرتؒ کی محبت کا اسیر ہی رہا۔

تواضع وانابت:

حضرتؒ کی عبدیت، فنائیت اور تواضع کے یوں تو بے شمار واقعات ہیں، مگر ان میں سے ایک واقعہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

راقم الحروف کے والد ماجد حضرتِ اقدس جناب جام شوق محمد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ ابتدائی طور پر حضرتِ اقدس مولانا حافظ محمد موسیٰ جلال پوری قدس سرہٗ خلیفہ مجاز حضرت مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ومجاز تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپؒ نے حضرت بہلوی قدس سرہٗ سے تجدید بیعت فرمائی، بعد میں پھر آپؒ کی بارگاہ سے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ اس لئے حضرت والد صاحبؒ اپنے ان ہر دو مشائخ کے پُرلطف واقعات نہایت مزے لے لے کر سناتے تھے، ان کی عظمت وفنائیت کا تذکرہ کرتے تو آبدیدہ ہوجاتے۔ حضرت والد ماجدؒ فرماتے تھے کہ:

> ''شروع شروع میں جب میں خانقاہِ بہلویہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ خانقاہ میں کھانا کھلانے کے لئے برتنوں وغیرہ کا کوئی خاطر خواہ اور معقول انتظام نہ تھا۔ اصحابِ ثروت اور خانقاہ کے ماحول سے واقف کار حضرات تو اپنا ذاتی انتظام کرتے۔ البتہ ناواقف اور نو وارد حضرات اس سلسلے میں خاصی مشقت اُٹھاتے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا، اس پر میں

نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ: حضرت! بلاشبہ یہ لوگ یہاں اصلاحِ نفس کے لئے آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نفس و شیطان کے اغوا سے بچ جائیں، مگر خانقاہ کے لنگر کے نظام اور ہمارے طرزِ عمل سے تو اس کا اندیشہ ہونے لگا ہے کہ کہیں شیطان انہیں عزّتِ نفس کی پامالی اور اہانت آمیز سلوک کے عنوان سے آپ کے فیض سے ہی محروم نہ کردے۔ اس لئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ چاہے لنگر کی رُوکھی سوکھی ہی کیوں نہ ہو، مگر عزّت وتکریم سے کھلائی جائے اور عزّتِ نفس کا خاص خیال رکھا جائے۔

حضرت بہلویؒ نے میری بے تکی تقریر سن کر نہایت سادگی سے فرمایا: تو پھر تمہارے خیال میں اس کا کیا انتظام ہونا چاہئے؟

میں نے عرض کیا: حضرت! اس کے لئے کچھ مٹی کے پیالے اور چنگیریں منگوالی جائیں، جن میں سالن اور روٹی رکھ کر سالکین کو پیش کئے جائیں۔ حضرتؒ کی اُداوالعزمی پر قربان جاؤں! کہ آپؒ نے میرے جیسے دیہاتی کی اس تجویز کو نہ صرف قبول فرمالیا، بلکہ خانقاہ کے خدام کو بلاکر فرمایا کہ: بھائی! جام صاحب چونکہ ایک عرصے سے خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں اور حضرت حافظ محمد موسیٰ جلال پوریؒ کے فیض یافتہ ہیں، لہٰذا آج کے بعد ہماری خانقاہ کے اُمور میں جب تک ان سے مشورہ نہ کرلیا جائے، سرانجام نہ دیئے جائیں۔''

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ حضرت بہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تواضع، للّٰہیت، فنائیت، عبدیت، انابت اور سلامتیٔ طبع کی بلند ترین مثال ہے، ورنہ حضرتؒ کے علم وفضل، فہم وذکا اور حکمت ودانائی کے مقابلے میں میری اتنی حیثیت بھی نہیں تھی جتنا آفتاب کے سامنے ذرّے کی ہوسکتی ہے، اس کے باوجود حضرتؒ نے اس خادم کی عرض داشت کو قبول فرمالیا، ورنہ اگر کوئی دُوسرا ہوتا تو اس گستاخی پر کان پکڑ کر خانقاہ سے باہر نکال دیتا اور کہتا: میاں! اپنے یہ مشورے کہیں اور جاکر دو، ہماری اصلاح کی فکر کرنے کی بجائے اپنی فکر کرو۔ مگر قربان جاؤں حضرت بہلویؒ کی عبدیت وفنائیت کے! کہ اس گستاخی پر بجائے تنبیہ کے مزید ہمت افزائی فرمائی۔

عبدیت وفنائیت:

حضرت بہلویؒ میں کمال درجہ کی فنائیت، تواضع اور اخفا تھا، چنانچہ حضرتؒ کے ایک مسترشد مولانا عبدالوہاب صاحب نے حضرتؒ کی سوانح مرتب کرنا چاہی اور حضرتؒ سے اس سلسلے کی معلومات کرنا چاہی تو آپؒ نے ان کو جو جواب لکھا، وہ ملفوظاتِ طیبات صفحہ:۱۳۸ کے حوالے سے درج ذیل ہے:

"مکرم مولانا عبدالوہاب صاحب ....

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اگر آپ کو سوانح عمری بندہ کی سچی وصحیح کی ضرورت ہے تو سن لیجئے: پاکستان کا بڑا ڈاکو، ناکارہ، درماندہ بڑی عمر کا ہوکر نیکی سے کورا، مدعیٔ کاذب علم کا، جس کو اپنے خاتمے کا بھی پتا نہیں، اور تصوف کا، جو کہ صوفی نہیں، اور ہادی مہدی کا، جو خود مہتدی نہیں، دُنیا میں جس کسی کو ناقص سنو، جانو، اس کا ہونے کا مصداق بندہ ہی ہے، بس! ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم نے اس

مجموعہ عیب ومجسم واہی تباہی کے عیوب پر ستاری، غفاری صفت سے پردہ پوشی کردی ہے اور رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ ستاری، غفاری فرماتا ہے۔اللّٰھم اٰمین، ذکر میں تمام سعی کریں۔

دُعا گو و دُعا جو

عبداللہ عفی عنہٗ

نصیر آباد، ڈاکخانہ شجاع آباد، ملتان

۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ''

اسی طرح ''انوارِ بہلویہ'' کے مرتب جناب ماسٹر محمد عمر صاحب نے حضرتؒ کی بےنفسی اور فنائیت کے عنوان کے تحت حضرتؒ کی عبدیت کے چند واقعات لکھے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کسی قدر لفظی تصرف کے بعد یہاں نقل کردیا جائے:

الف:...''حضرتِ اقدس بہلوی قدس سرہٗ کی فنائیت و بےنفسی کے متعلق میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کبھی آپؒ نے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں فرمایا جس سے اپنی تعریف کی بو آتی ہو، حضرتؒ کے ہاں تو حبِ جاہ کا سر ہی کٹا ہوا تھا۔

آپؒ کے یہاں ہر سال شعبان و رمضان میں دورۂ تفسیر کے لئے سینکڑوں علماء و فضلاء تشریف لاتے، مگر آپؒ کی کسرِ نفسی، عاجزی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپؒ ان تمام شاگردوں کے سامنے فرماتے کہ: بھائی! میری کم عقلی اتنی بڑھتی جارہی ہے کہ اب تو کریما کے ایک شعر کا معنی بھی نہیں آتا۔''

ب:...''ملتان ابدالی مسجد میں، حضرت مولانا غلام علی

صاحبؒ خطیب ابدالی مسجد، حضرتؒ کو لے گئے، بیان طے تھا۔ بیان سے قبل مولانا غلام علی صاحبؒ نے حضرتؒ کا تعارف کراتے ہوئے کچھ اُونچے القاب مثلاً: مخدوم العلماء، شیخِ طریقت اور شمس العارفین وغیرہ استعمال کئے، جب حضرتؒ بیان کے لئے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا: بھائی! میں ایک دیہاتی بوڑھا ہوں اور آپ کا قریبی ہمسایہ ہوں، اس لمبی چوڑی لفاظی کا قائل نہیں ہوں، میں تو محض آپ لوگوں کی دُعائیں حاصل کرنے اور آپ حضرات ایسے بزرگوں کی زیارت کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔''

ج:...''ایک بار رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کا موقع تھا، عوام کا جمِ غفیر تھا، لوگ حضرتؒ کی زیارت اور مصافحے کی غرض سے ایک دُوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے، مگر آپؒ ہر مصافحہ کرنے والے سے فرماتے جاتے: بھائی! میرے حسنِ خاتمہ کی دُعا کرنا، میرا حال تو پتلا ہے۔ بلاشبہ حضرتؒ میں تصنع اور بناوٹ کا کوئی دخل نہیں تھا۔''

د:...''اگر کوئی شخص حضرت بہلویؒ سے بیعت کی درخواست کرتا تو حضرتؒ فرماتے: میاں! کیا دُنیا میں تجھے میں ہی بیعت کے لئے ملا ہوں؟ جاؤ کسی اللہ والے سے بیعت ہوجاؤ۔''

ہ:...''ایک بار حضرت بہلویؒ کے دانت میں درد تھا، تو خانقاہ میں حاضر ایک، ایک خادم سے فرماتے کہ: بھائی! تم سب مجھے دَم کرتے جاؤ، شاید آپ نیک لوگوں کے دَم سے

مجھے آرام آجائے۔‘‘

ز:... ’’ایک بار بہلی شریف میں موسمِ گرما میں آپؒ مطالعے میں مصروف تھے کہ سامنے سے ایک طالبِ علم گزرا، اُسے بلا کر فرمایا: میاں! تمہارے پاس کوئی جوار، باجرہ کی روٹی کا بچا ہوا ٹکڑا ہے؟ طالبِ علم نے اثبات میں جواب دیا، فرمایا: بھائی! اپنا تبرک ہمیں بھی کھلا دو۔ وہ طالبِ علم اپنی بچی ہوئی غالباً باجرے کی روٹی لایا تو آپؒ نے اسے کھانا شروع کردیا۔ جب کچھ کھالیا تو اس کا کچھ حصہ مجھے اور حاجی محمد حیات خان صاحب کو یہ کہہ کر عنایت فرمایا کہ: یہ طالب علموں کا تبرک ہے، اس کو کھالو، شاید ان ٹکڑوں کی برکت سے ہماری مغفرت ہوجائے۔‘‘

ح:... ’’ایک بار آپؒ شاہ جمال ضلع مظفر گڑھ کے جناب میاں غلام محمد مرحوم کے ہاں قیام فرما تھے۔ بھائی محمد صادق صاحب اور مولوی غلام مصطفیٰ خادمِ خاص حضرتؒ کی مٹھیاں بھر رہے تھے۔ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! بھائی محمد صادق آپ کی خدمت میں آتے جاتے بھی ہیں، مگر نہ داڑھی رکھتے ہیں اور نہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ حضرت بہلویؒ نے نہایت تعجب سے پوچھا: کون؟ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے عرض کیا: یہی بھائی محمد صادق جو آپ کی مٹھیاں بھر رہے ہیں۔ اس پر آپؒ نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا: بھائی! مجھ میں کوئی نقص ہوگا جب ہی تو ان پر اثر نہیں ہوتا۔ آپؒ کی اس خاموش تبلیغ اور ٹھنڈی آہ کا ایسا اثر ہوا کہ

موصوف نے اسی دن سے داڑھی بھی چھوڑ دی اور پکے نمازی اور دین دار بن گئے۔" (ص:۵۲ تا ۵۴)

و:..."اسی طرح ہر سال دورۂ تفسیر کے اختتام کے موقع پر آپؒ طلبہ سے دو ماہ کی خدمت میں کوتاہی کی اس عاجزی اور انکساری سے معافی مانگتے کہ طلبہ کی چیخیں نکل جاتیں، حضرتِ اقدسؒ نہایت گریہ وزاری کے ساتھ ان سے معافی مانگتے اور طلبہ رو رو کر عرض کرتے: حضرت! آپ سے نہیں، ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ہمیں معاف فرمادیں، مگر حضرتؒ برابر ہاتھ باندھے روتے رہتے اور معافی کی درخواست کرتے رہتے۔" (ص:۴۹)

حسنِ خاتمہ کی فکر:

الف:..."انوارِ بہلویہ" کے مرتب جناب ماسٹر محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ: میں جب حضرتؒ کی سوانح ترتیب دینے لگا تو بعض دینی رسائل میں اشتہار دیا کہ حضرت بہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی سوانح زیرِ ترتیب ہے، اگر آپؒ کے متعلقین میں سے کسی کے پاس حضرتؒ کی سیرت وسوانح سے متعلق کوئی تحریر، مکتوب اور واقعہ یادداشت میں ہو تو تحریر کرکے مجھے بھیج دے۔ اس پر نواب شاہ سندھ کے ایک صاحب نے حضرتؒ کی فنائیت کا یہ عبرت انگیز واقعہ لکھا کہ:

"میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، دو دن بعد واپسی کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ واپسی پر پہلے خانپور حضرت درخواستی اور پھر دین پور میں حضرت مولانا عبدالہادی کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے وطن واپس جاؤں گا۔ یہ سن کر

حضرتؒ نے فرمایا: او بچہ! حضرت مولانا عبدالہادی صاحب کو
میرا سلام عرض کرنا اور میرے حسنِ خاتمہ کی دُعا بھی کرانا۔
چنانچہ دین پور حاضری پر حضرتؒ کا سلام اور حسنِ خاتمہ کی دُعا کا
عرض کیا تو حضرت مولانا عبدالہادی صاحبؒ پر گریہ طاری ہوگیا،
پھر میاں صاحب نے کافی دیر تک نہایت خشوع وخضوع سے دُعا
مانگی اور فرمایا: اب آپ دوبارہ شجاع آباد جاکر حضرت بہلویؒ
سے میرے حسنِ خاتمہ کی دُعا کراکر اپنے گھر نواب شاہ جاؤ۔
چنانچہ حسبِ ارشاد پھر شجاع آباد حاضر ہوا، حضرت مولانا میاں
عبدالہادیؒ کا سلام اور دُعا کا پیغام دیا، حضرتؒ نے نہایت
شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا، حضرتؒ کے لئے دُعا فرمائی اور میں
گھر آگیا۔" (انوارِ بہلویہ ص:۴۳، ۴۴)

بلاشبہ جن حضرات کو مشاہدۂ حق حاصل ہے، وہ اپنے تئیں کسی غلط فہمی اور کبر وغرور میں مبتلا نہیں ہوتے، بلکہ وہ ہر وقت لرزاں وترساں رہتے ہیں، ان کے سامنے ہر وقت ارشادِ نبویؐ: "اِنَّمَا الْعِبْرَۃُ بِالْخَوَاتِیْم" (اعتبار تو خاتمہ کا ہے) کا مرحلہ پیشِ نظر رہتا ہے۔ وہ اپنے اعمال وافعال اور مجاہدات پر اِترانے کی بجائے اس فکر میں رہتے ہیں کہ: "کبھی جان بھی لے لیتے ہیں، اور قبول بھی نہیں کرتے" اس لئے وہ ہر وقت سوئے خاتمہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

ب:...اسی طرح ماسٹر محمد عمر صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:
"آپؒ کو آخری ایام میں حسنِ خاتمہ کی بڑی فکر رہتی
تھی، آپؒ ہر چھوٹے بڑے اور آنے جانے والے کو یہ فرماتے
کہ میرے حسنِ خاتمہ کی دُعا کرنا، ایسے ہی دورۂ تفسیر میں شریک

طلبہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: بھائی! میرے حسنِ خاتمہ کی دُعا کرنا۔ کبھی فرماتے کہ: اللہ کا مجھ پر کتنا احسان ہے کہ اس نے مجھے مسجد میں بٹھلایا، قرآن پڑھایا، قرآن پڑھانے کی توفیق دی، مکہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کی حاضری کی سعادت بخشی، مگر پھر بھی اپنے سوئے خاتمہ سے ڈرتا ہوں، میرے لئے دُعا کیا کرو: اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما۔ پھر فرماتے: شیخ سعدیؒ کے بقول اگر ہم لبِ گور تک ایمان سلامت لے گئے تو پھر ہم بہت ہی چست و چالاک کہلائیں گے، اس لئے کہ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

گر ایمان چوں سلامت بر لبِ گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی

ترجمہ:... ''اگر ہم لبِ گور تک ایمان کی متاع سلامت لے جانے تک کامیاب ہوگئے، تو بہت بڑی چستی و چالاکی ہوگی۔''

ایک بار اپنے حسنِ خاتمہ کے لئے حاضرین کو فرمایا کہ: بعض حضرات کے دِل میں یہ بات آئی کہ ماشاء اللہ آپ کا کس قدر اچھا حال ہے، مگر پھر بھی اس قدر لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ غالباً آپؒ کو کشف ہوا ہوگا، اس لئے فوراً فرمایا کہ: اللہ والے جو روتے ہیں، اس لئے نہیں کہ نیکی نہیں ہو رہی، بلکہ اس لئے کہ معلوم نہیں کہ یہ حال آخر دَم تک رہتا بھی ہے یا نہیں؟ اللہ اکبر!

خلاصہ یہ کہ باوجودیکہ حضرت بہلویؒ وقت کے قطب اور ابدال تھے، مگر اس درجہ فنائیت کے اُونچے درجے اور معیار پر فائز تھے کہ ہر وقت خوف و خشیت کا غلبہ رہتا تھا، ہمیشہ اپنی ذات اور اعمال کی نفی کرتے، اس لئے ہر مسلمان کو اپنے حسنِ خاتمہ کی

فکر کرنا چاہئے، مغرور ہوکر اپنے اعمال پر تکیہ نہیں کرنا چاہئے۔

بلند ظرفی:

حضرتِ اقدس بہلویؒ یوں تو سراپا اخلاق بلکہ اُسوۂ حسنہ: ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' ...بے شک آپ بڑے اخلاق والے ہیں...کی سچی تصویر تھے۔ آپؒ ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' ...زور آور ہیں کافروں پر، نرم دِل ہیں آپس میں... کے مصداق، مسلمانوں کے حق میں لین و نرم و گداز تھے، اگر کبھی کسی شاگرد، مرید اور مسترشد سے حضرتؒ کا ذاتی نقصان ہوجاتا تو اس سے انتقام نہیں لیتے۔ ہاں! اگر کسی کو خلافِ شرع اُمور کا مرتکب پاتے تو سخت غضبناک ہوتے۔ اسی طرح کا ایک قصہ حضرتؒ کے ایک شاگرد مولوی اللہ وسایا مظفر گڑھی نے سنایا کہ:

> ''جس دور میں ہم حضرت بہلویؒ کے ہاں بہلی کے مدرسہ میں درجۂ کتب میں زیرِ تعلیم تھے۔ حضرتؒ نے اپنی زمین میں آم کا باغ لگوایا، طلبہ نے اس کی چوکی (گوڈی) دینے کا طے کیا تو ایک طالب جو نہایت لمبے قد کا تھا، اس نے جتنا پودوں کو چوکی دی، سب کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور وہ سب کے سب مرجھا گئے۔ حضرتؒ کو بتلایا گیا تو حضرتؒ نے اس کو بلاکر نہ ڈانٹا، نہ غصہ کیا، بلکہ از راہِ تفنن فرمایا: میاں! تم فلاں بستی میں چلے جاؤ، وہاں فلاں بڑھئی رہتا ہے، اسے میرا نام لے کر کہو کہ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ میرا قد کچھ زیادہ لمبا ہوگیا ہے، اس کو تھوڑا سا آری سے کاٹ دو تاکہ لمبے قد کی وجہ سے حماقتوں سے میری جان چھوٹ جائے، جس سے وہ طالبِ علم مارے شرم کے

پانی پانی ہوگیا۔ اس کے بعد آپؒ نے شفقت بھرے انداز میں فرمایا: میاں! تمہارا اتنا بڑا قد ہوگیا ہے، کچھ تو سلیقہ سیکھو، اس کے علاوہ مزید ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔"

حلم وتحمل:

"انوارِ بہلویہ" کے مرتب جناب ماسٹر محمد عمر صاحب حضرت بہلویؒ کی سادگی، حلم اور شفقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپؒ کی سادگی، اخلاق، حلم اور بُردباری سے ہر شخص متاثر ہوتا۔ آپؒ کی سادگی، اخلاق اور شفقت و ملاطفت سے یوں محسوس ہوتا جیسے انسانی لباس میں کوئی آسمانی فرشتہ زمین پر چل پھر رہا ہے۔ بلاشبہ آپؒ، سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی معیار "انک لعلیٰ خلق عظیم" کا نقشِ ثانی تھے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص حضرتؒ کا کتنا بڑا نقصان بھی کیوں نہ کردیتا، آپؒ اس پر ناگواری کا اظہار نہ فرماتے، اور نہ ہی اس سے بازپُرس فرماتے۔ ہاں! اگر کبھی کوئی خانقاہ سے زیادہ عرصہ تک غیرحاضر رہتا تو ناراضگی اور خفگی کے انداز سے استفسار ضرور فرماتے، لیکن اگر وہ اپنی کوئی مجبوری یا عذر بیان کردیتا تو عفو و درگزر سے کام لیتے۔"

علماء کا احترام:

حضرتِ اقدسؒ اپنے دور کے علماء کے سرخیل اور اُستاذ الاساتذہ تھے،

ہزاروں مریدین و متعلقین اور علماء کے اُستاذ و مربی تھے، مگر بایں ہمہ اہلِ علم کے قدر دان، اور دِل سے ان کا اکرام و احترام کرتے تھے، چنانچہ دُور و قریب کے جو علماء حضرت بہلویؒ کے ہاں تشریف لاتے، ان کے شایانِ شان عزّت وتکریم فرماتے، ان کے لئے گھر سے خصوصی طور پر کھانے کا اہتمام فرماتے، حسبِ مراتب ہدیہ پیش فرماتے، مصافحہ، معانقہ کے بعد رُخصت کے وقت خانقاہ سے باہر تک مشایعت فرماتے، اور فرمایا کرتے:

''جس طرح تم لوگ کمشنر یا کیپٹن سے ڈرتے ہو، میں اسی طرح ان اللہ والوں اور علماء سے ڈرتا ہوں۔''

''ایک بار حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ مہتمم مدرسہ عربیہ احیاء العلوم عیدگاہ مظفر گڑھ، تشریف لائے تو حسبِ دستور حضرت بہلویؒ کے لئے جائے نماز بچھائی گئی، تو آپؒ نے خدام سے فرمایا: ان علمائے کرام کے سامنے مجھے امتیازی شان سے بٹھلانا چاہتے ہو؟ بھائی! ادب کرو۔

جماعت کا وقت ہوا تو حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ نے عرض کیا: حضرت! نماز پڑھائیں، اس پر حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ ہی نماز پڑھائیں! مولانا محمد عمر صاحب نے عرض کیا: حضرت! میں تو مسافر ہوں، قصر پڑھوں گا۔ حضرتؒ نے جواباً فرمایا: آپ قصر پڑھیں، ہم اپنی نماز پوری کرلیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: بھائی! مجھے عالم حضرات کو نماز پڑھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اسی طرح خلافت دیتے وقت بھی آپ علماء کو ترجیح

دیتے اور تبلیغی اسفار میں دعوت قبول کرنے میں بھی علماء کی دعوت بلاتردّد قبول فرمالیتے۔'' (انوارِ بہلویہ ص: ۵۷، ۵۸)

مسلکِ اعتدال:

حضرتِ اقدسؒ باوجود اس کے کہ علم وفہم میں یکتا اور درس وتدریس کے امام تھے، خصوصاً حدیث وتفسیر میں تو اپنے دور میں حجت وسند کا درجہ رکھتے تھے، مگر آپؒ نے ہمیشہ اکابر علمائے دیوبند کی اتباع وتقلید کو سرمہ چشمِ بصیرت بنائے رکھا، اپنے اکابر واسلاف کی راہ سے ایک اِنچ اِدھر سے اُدھر ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے، چنانچہ دورِ حاضر کے متجدّدین اور نام نہاد محققین کی تحقیقات سے آپؒ کو نفرت تھی، اور سرِعام بلکہ برسرِ منبر ان پر تنقید کرتے، اپنے متعلقین کو ایسے افراد کی تحریریں اور تقریریں پڑھنے اور سننے سے منع فرماتے، کھلے عام ان سے بیزاری کا اظہار فرماتے۔ آپؒ نے ہمیشہ حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، اور حضرت لاہوریؒ کے مسلک کو اپنایا، ان کی رائے کو اہمیت دی اور اکابرینِ دیوبند پر ہی اعتماد فرمایا۔ اس لئے آپؒ گاہ بگاہ وعظ و بیان اور درسِ قرآن میں مودودیت، پرویزیت، نیچریت، چکڑالویت، انکارِ حدیث اور تشکیکِ دین کی تمام تحریکوں کے خلاف سخت تنقید فرمایا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر اپنے مریدین و متعلقین کو آپؒ کی یہ نصیحت اور وصیت ہوتی کہ ان جدّت پسندوں کی جدید تحقیقات کے بجائے قدیم اکابر علمائے اُمت کی قدیم تحقیقات کو اپنایا جائے۔ ایسے ہی جب آپؒ کی حیات میں فتنۂ انکارِ حیاتِ انبیاءؑ نے سر اُٹھایا تو آپؒ نے نہ صرف اس سے برأت و بیزاری کا اعلان کیا، بلکہ اس کے خلاف باقاعدہ ایک تحقیقی رسالہ ''القول النقی فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' مرتب فرما کر شائع کیا اور باور کرایا کہ اس سلسلے میں میرا مسلک وہی مسلکِ اعتدال ہے جو اکابر علماء دیوبند کا ہے۔

سیاسی مسلک:

بنیادی طور پر حضرتِ اقدس خالص علمی لائن، درس و تدریس اور اصلاح و ارشاد کے میدان کے آدمی تھے، بلکہ صحیح معنی میں آپؒ اس میدان کے شہسوار تھے، موجودہ دور کی سیاست سے عملی طور پر آپؒ کنارہ کش رہتے تھے، لیکن جب اکابر اور بزرگوں نے حکم دیا تو آپؒ نے عملی سیاست میں حصہ لینے سے بھی دریغ نہیں کیا، چنانچہ اعلائے کلمۃ اللہ اور نفاذِ اسلام کی خاطر آپؒ نے وقت کے جابروں کے خلاف قومی اسمبلی کے انتخابات میں بھی حصہ لیا۔

حضرت بہلویؒ یوں تو علمائے دیوبند کے مسلک سے متعلق تمام چھوٹی بڑی جماعتوں کی سرپرستی فرماتے، لیکن خاص طور پر جمیعت علمائے اسلام سے آپؒ کو قلبی لگاؤ اور دلی تعلق تھا۔

''انوارِ بہلویہ'' کے مرتب جناب ماسٹر محمد عمر صاحب آپؒ کے ''سیاسی مسلک اور جمیعت علمائے اسلام سے والہانہ تعلق'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ''حضرتِ اقدسؒ مسلکِ علمائے دیوبند کی تمام جماعتوں کے ساتھ بزرگانہ شفقت سے پیش آتے، مگر شیخ الاسلام مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کی نسبت سے جمیعت علمائے اسلام سے آپؒ کو والہانہ محبت تھی۔ آپؒ ملک میں شرعی نظام کے نفاذ کے لئے شب و روز دُعا گو رہتے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے حکم پر جمیعت علمائے اسلام کے ٹکٹ پر شجاع آباد کی قومی اسمبلی کی سیٹ سے انتخاب لڑا، سرمایہ داروں کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور ۲۲ ہزار ووٹ حاصل کئے، بعض

معاندین کے جواب میں فرمایا: بھائی! ہم نے تو قرآن کے نام اور اکابر کے حکم پر انتخاب لڑا ہے، اور بھٹو جیسے بے دین لیڈر کی شعبدہ بازیوں سے اپنے احباب کا ایمان بچایا ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے بارے میں فرماتے کہ: میں شرحِ صدر سے کہتا ہوں کہ جمعیت علمائے اسلام حق پر ہے۔

۱۹۷۵ء میں ایک بار آپؒ کے ہاں مدرسہ اشرف العلوم میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ تشریف لائے اور تقریباً چار گھنٹے تک آپؒ کے پاس قیام فرما رہے۔ اسی اثنا میں حضرت مفتی صاحبؒ نے عرض کیا کہ: حضرت! دُعا فرماویں ہمیں اس وقت سب سے بڑے جابر و ظالم اور آمر سے سابقہ ہے، مفتی صاحبؒ کا اشارہ بھٹو کی طرف تھا، اس پر حضرتؒ نے فرمایا: حضرت! میں تو دن رات آپ کے لئے دُعائیں کرتا ہوں۔

مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے مقابلے میں مرکزی جمعیت کا اعلان کیا تو کراچی کے ایک بہت بڑے عالم کی طرف سے پیغام دیا کہ آپ مرکزی جمعیت میں شامل ہوجائیں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا: بھائی! ہم نے رُوحانی طور پر (مولانا احمد علی لاہوریؒ کو) ایک باپ بنایا ہے، ہمیں اس کے بعد کسی دُوسرے کو باپ بنانے کی ضرورت نہیں (لہٰذا جمعیت علمائے اسلام کے علاوہ کسی دُوسری جماعت میں شامل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی اپنا نسب بدل لے اور یہ ہم سے نہیں ہوسکے گا)۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتِ اقدسؒ کا مدرسہ اشرف

العلوم اور خانقاہ، جمعیت علمائے اسلام کے کارکنان اور اکابر کا
مرکز تھے۔" (ص: ۴۵، ۴۶)

حزم واحتیاط:

عام طور پر کاروباری پیر اور نام نہاد مقتدا جائز و ناجائز، حلال وحرام، مالِ مشکوک اور زکوٰۃ و ہدیہ میں تمیز نہیں کرتے، بلکہ بعض پڑھے لکھے دین دار علماء بھی اس کا خیال نہیں کرتے، مگر ہمارے حضرت بہلویؒ اس معاملے میں نہایت حزم واحتیاط کا مظاہرہ فرماتے۔ اگر کوئی آدمی کچھ پیش کرتا تو حضرتؒ اس کی وضاحت ضرور چاہتے کہ کس مد کی ہے؟ مدرسہ کی ہے یا لنگر کی؟ زکوٰۃ ہے یا صدقہ؟ ہدیہ ہے یا عطیہ؟ چنانچہ "انوارِ بہلویہ" کے مرتب لکھتے ہیں:

"حضرتِ اقدسؒ زکوٰۃ کی رقم سے اپنے مہمانوں کو کھلانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ اگر متعلقین میں سے کوئی شخص آپؒ کو کوئی رقم پیش کرتا تو آپؒ اس سے وضاحت سے پوچھتے کہ یہ رقم مدرسہ کی ہے یا لنگر کی؟ اگر زکوٰۃ کی رقم ہوتی تو فوراً منتظمینِ مدرسہ کو دے کر رسید دلا دی جاتی۔

ایک بار ایک شخص گندم کی دو بوری بیل گاڑی پر لایا اور عرض کیا: حضرت! یہ آپ کے لنگر کی گندم ہے۔ آپؒ نے فرمایا: مدرسہ کی ہے، یا میرے گھر کی؟ اس نے عرض کیا: حضرت! آپ کے گھر کی ہے۔ تب آپؒ نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا: سبحان اللہ! جب گھر سے باہر نکلنے لگا تو میری بوڑھی گھر والی نے کہا: آج گندم ختم ہوگئی ہے، دیکھو خداوند تعالیٰ نے

لنگر کا انتظام کر دیا ہے۔'' (ص: ۱۱۵)

اسی طرح دُوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ایک بار کبیر والہ کے بڑے زمینداروں میں سے کسی کا انتقال ہوگیا، اس کے ورثاء نے وراثت تقسیم کئے بغیر مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے بہت سے کپڑے وغیرہ حضرتؒ کی خدمت میں بھجوائے، آپؒ نے وارثوں سے پوچھا کہ: کیا وراثت تقسیم کرکے بھیجا ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا، تو آپؒ نے وہ سب کچھ واپس کر دیا اور فرمایا: پہلے شرعی طریقہ سے وراثت تقسیم کرو، پھر جس وارث کی مرضی آئے وہ اپنے حصے سے صدقہ دے۔ چنانچہ وراثت کی تقسیم کرکے جب حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؒ نے قبول فرمالیا۔'' (ص:۵۱)

''اسی طرح آپؒ بے نمازی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی کھانے کو بھی ناپسند کرتے تھے، اور فرماتے کہ: اس سے دِل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی آپؒ سالکین کے لئے پکنے والی لنگر کی روٹیاں مدرسہ کے تندور سے پکوانے سے بھی احتراز فرماتے تھے، گویا لنگر اور مدرسہ کے حساب کو مکمل الگ تھلگ رکھتے۔'' (ص:۶۸)

ایسے ہی اکثر و بیشتر آپؒ اس کی بھی تحقیق کرتے کہ مدرسہ یا لنگر میں دینے والے کی کمائی حلال کی ہے یا حرام کی؟ اگر اس کے ذرائعِ آمدنی حرام یا مشکوک ہوتے تو اس کا مال بھی قبول نہ فرماتے۔

قرآنِ کریم سے شغف:

یوں تو ہر مسلمان کو قرآنِ کریم سے ایک خاص تعلق اور محبت ہوتی ہے، اور کیوں نہ ہو کہ یہ وصول الی اللہ کی بہترین سیڑھی اور ذاتِ الٰہی تک پہنچنے کا ذریعہ، ''حبل اللہ الممدود'' اور صفتِ الٰہی ہے، مگر اہل اللہ کو اس سے ایک خاص جذباتی تعلق ہوتا ہے، اس لئے وہ جہاں اس کی تلاوت کا خصوصی اور کثرت سے اہتمام کرتے ہیں، وہاں وہ اس کے معانی و مفاہیم، علوم و معارف اور تفسیری نکات سے خصوصی شغف اور تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے حضرت بہلویؒ بھی جہاں قرآنِ کریم کی تلاوت کا خاص اہتمام فرماتے، وہاں آپؒ اس کی تعلیم وتفسیر پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے، ایسا محسوس ہوتا جیسے آپؒ کی زندگی کا مقصدِ وحید ہی قرآن مجید کی تلاوت، اور اس کے تفسیری نکات ہے۔ چنانچہ ''انوارِ بہلویہ'' کے مرتب لکھتے ہیں:

> ''حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید کی تلاوت اور تفاسیر کے مطالعے سے خصوصی شغف اور ذوق تھا، آپؒ قرآنِ کریم کے حافظ و قاری تھے، عموماً صبح کی نماز خود پڑھاتے، اور حسن و ترتیل کے ساتھ نہایت خوبصورت اور دھیمے انداز سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ ایسا لگتا جیسے قرآنِ کریم سننے والے کے دِل میں اُترتا جارہا ہے۔ عام طور پر جب آپؒ صبح کی نماز میں طوالِ مفصل کی تلاوت فرماتے تو جی چاہتا کہ حضرت تلاوت کو مزید بڑھادیں، نماز کے بعد تسبیحات اور دُعا سے فراغت کے بعد عموماً درسِ قرآن ہوتا۔ آپؒ درسِ قرآن میں شانِ نزول، ربطِ آیات، خلاصۂ سوَر کا اہتمام فرماتے، پھر مختصر اور

تحت اللفظ مگر بامحاورہ ترجمے کے ساتھ ساتھ اس طرح بسط و تفصیل سے تفسیر فرماتے کہ قرآنِ کریم کے علوم و معارف کو ہر عام و خاص مشاہداتی انداز سے سمجھ کر اُٹھتا۔ قرآنِ کریم سے محبت و تعلق، شوق و رغبت کا یہ عالم تھا کہ حضرتؒ کیسے ہی مریض یا جسمانی تکلیف میں مبتلا کیوں نہ ہوتے، بلکہ بعض اوقات تو شدید بیماری کے موقع پر بھی آپؒ درسِ قرآن کا ناغہ نہ فرماتے۔ اسی طرح آپؒ تلاوتِ قرآن میں بھی ناغے کے روادار نہ تھے، آپؒ نے اپنی تلاوت کا جو معمول بنا رکھا تھا، اس میں بھی کمی کوتاہی کے قائل نہ تھے۔'' (ص:۱۲۴)

ایسے ہی آپؒ نے جب سے حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں سے قرآن مجید کی تفسیر پڑھی اور ان کے حکم سے تفسیرِ قرآن پڑھانے کا معمول شروع فرمایا تو زندگی بھر اس میں تخلّف نہ آنے دیا، بلامبالغہ ساٹھ سال آپؒ نے شعبان/رمضان میں دورۂ تفسیر پڑھایا۔ جس میں سینکڑوں علماء اور طلبہ شریک ہوتے۔ قرآنِ کریم سے اسی شغف و تعلق کی علامت تھی کہ آپؒ شعبان/رمضان میں اپنی تمام تر مصروفیات کو منسوخ کر کے صرف اور صرف قرآن کی تعلیم و تفسیر کے لئے وقف ہو کر رہ جاتے۔ صبح آٹھ بجے سے دوپہر بارہ بجے اور ظہر سے لے کر عصر تک ایک ہی نشست میں بیٹھ کر شوق و ذوق اور رغبت سے قرآنِ کریم کی تفسیر پڑھانا، آپؒ کے اسی عشقِ قرآن کا مظہر تھا۔ آپؒ کی قرآنِ کریم سے محبت و تعلق، اس کے علوم و معارف میں مہارتِ کاملہ کا اندازہ آپؒ کی تفسیر ''تفسیرِ بہلوی''، ''القول الوجیز فی اُصول کلام العزیز'' اور ''اصطلاحاتِ تفسیر القرآن الکریم'' کے مطالعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

بارگاہِ رسالت سے عشق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے جو دِل خالی ہے، حقیقت میں وہ ایمان سے خالی ہے، جس دِل میں آقا کی محبت نہیں وہ ویران وغیر آباد ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ."

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں کہلاسکتا جب تک کہ میری محبت اس کے دِل میں والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو....

اس لئے آپؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے عشق کی حد تک محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آتا تو وفورِ جذبات سے سراپا ادب، اور عشق ومحبت کی تصویر بن جاتے، ایسا محسوس ہوتا کہ عشقِ رسالت کی تعلیم وترویج اور اتباعِ سنت میں آپؒ کی رُوح کی بقا اور زندگی کا راز ہے، پاکستان میں رہ کر عشقِ مدینہ اور بارگاہِ نبوّت کی حاضری کے لئے رونا، تڑپنا اور بے قرار رہنا آپؒ کا خصوصی امتیاز تھا، مگر مدینہ منوّرہ کی حاضری کے دوران ایسا محسوس ہوتا جیسے مدینہ منوّرہ کی عظمت وجلال اور ادب وآداب نے آپؒ کے ہر، ہر قول وفعل اور حرکت وسکون پر پہرے بٹھا رکھے ہیں، اس لئے خدام نے دیکھا کہ آپؒ مدینہ منوّرہ کی حاضری کے موقع پر سراپا عجز ونیاز کی تصویر ہوتے، وہاں کے انسانوں کے علاوہ مدینہ سے نسبت رکھنے والی ہر شے حتیٰ کہ بے جان اشیاء کا بھی اس طرح ادب فرماتے کہ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ جاتے۔ ایک بار مدینہ منوّرہ کی حاضری کے موقع پر ایک صاحب نے مدینہ منوّرہ اور مسجدِ نبوی کے پتھروں کو بے توجہی اور بے پرواہی سے اُٹھا کر یوں ہی دُور پھینک دیا، تو

اس پر بھی خفگی کا اظہار فرمایا۔ ''انوارِ بہلویہ'' کے مرتب، مولانا محمد عابد صاحب کے حوالے سے ''بارگاہِ رسالت اور حضرت بہلویؒ'' کی تفصیلات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک حدیثِ پاک میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کو مجھ سے اپنے والدین، اولاد، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو۔ احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ جس طرح ''کارِ نبوّت'' سے محبت ضروری ہے، اسی طرح ''ذاتِ نبوّت'' سے بھی محبت ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر سے اُنس، محبت اور عقیدت ''معیارِ شریعت کے مطابق'' ہونی چاہئے، ہر مسلمان کے دِل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی ہے، مگر جس اُنس وعقیدت کے ساتھ آپؒ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے، اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تذکرۂ نبویؐ کے وقت مجلس پر سرور کا ایک کیف طاری ہوجاتا۔ اکثر و بیشتر آپؒ کی آنکھیں پُرنم ہوجاتیں، اسی ذیل میں آپؒ نے متعدّد رسائل بھی تحریر فرمائے، اسی محبت کے پیشِ نظر آپؒ متعلقین کو اتباعِ سنت کی ترغیب دیا کرتے۔

حرمین سے محبت و اُنس ہر مسلمان کو ہوتا ہے، مگر عارفین کی ''شانِ اُنس'' کچھ نرالی ہوتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب حرمین کا تذکرہ ہوتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کسی نے دِل کا ساز چھیڑ دیا، حرمین سے محبت و اُنس کے ساتھ کمال درجے کا ادب بھی حق جل شانہ نے آپؒ کو عطا فرمایا تھا۔

آپؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالحی صاحب دامت برکاتہم جب پہلی مرتبہ حج کے لئے جانے لگے تو آپؒ نے مسائلِ حج پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ ''تحفۃ الفقیر الی اللہ'' کے نام سے تحریر فرمایا۔ حج کے لئے سفر کرنے والے جب دُعا کے لئے حاضرِ خدمت ہوتے تو عموماً آپؒ ان سے فرماتے:

۱:... کسی عالم کی رفاقت اختیار کرنا (تاکہ مناسکِ حج صحیح صحیح ادا ہوسکیں)۔

۲:... نظر کی خوب حفاظت کرنا۔ پھر فرماتے کہ: حاجی کا حج اگر قبول ہوجائے تو کم از کم چار سو آدمیوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے ...اور اگر اس نے حج ضائع کیا تو اسی درجے کی گمراہی پھیلنے کا ذریعہ بن سکتا ہے.... نیز فرمایا کہ: قبولِ حج کی علامت یہ ہے کہ پہلی حالت سے اچھا ہوتا جائے۔ آپؒ حرمین کی طرف جانے والوں کو اس بات کی خصوصیت سے تلقین فرماتے کہ وہاں جاکر اہلِ عرب کے ساتھ تحقیر کا معاملہ ہرگز نہ کریں، ان کے کمزور پہلوؤں کی طرف ہرگز نظر نہ کریں، اس لئے کہ وہ تو پاک زمین کے ہیں اور پاک زمین میں مدفون ہوں گے، ان کو تو شفاعتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوجائے گی، تیرا میرا پتا نہیں کیا حال ہوگا؟

(احقر مرتب عرض کرتا ہے) جن لوگوں نے آپؒ کو حرمین شریفین میں دیکھا ہے وہ آپؒ کے ادب اور عظمت کی عجیب کیفیت بیان کرتے ہیں، ایک صاحب نے مجھ سے بیان

کیا کہ ہم دیکھتے تھے کہ مدینہ منوّرہ میں عشاء کے بعد جب مسجدِ نبوی کا دروازہ بند ہوتا تو آپؒ سب سے آخر میں نکلنے والوں میں ہوتے۔ پھر تھوڑی دیر آرام کے بعد دروازہ کی چوکھٹ پر پُر کیف انداز میں موجود رہتے اور تہجد کے وقت جوں ہی دروازہ کھلتا آپؒ اندر داخل ہوجاتے اور سارا دن ریاض الجنۃ میں گزارتے۔ ایک اور صاحب نے بیان کیا کہ مکہ مکرّمہ میں ایک صاحب نے اپنی جگہ صاف کرنے کے لئے وہاں پر موجود پتھروں کو بے پرواہی سے دُور پھینک دیا۔ آپؒ نے ان صاحب کو بلایا اور تنبیہ کی کہ تم نے اس پتھر کو عام پتھر سمجھا تھا کہ اس بے پرواہی سے پھینک دیا، اگر ایسی ہی ضرورت ہوتو اس کو اُٹھا کر دُور جا کر خود رکھنا چاہیے۔ اللہ اکبر! کیا شان تھی ادب وعظمت کی۔ اللّٰھم ارزقنا منه!

راقم الحروف نے مدینہ منوّرہ سے ایک دفعہ آپؒ کی وفات سے چند ماہ قبل عریضہ تحریر کیا، جو آپؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؒ کے خادم مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے جواباً تحریر کیا کہ حضرتؒ نے آپ کے لئے دُعا سلام لکھنے کا فرمایا ہے اور اپنی وہاں حاضری کا مشورہ دریافت فرمایا کہ مجھ جیسے ضعیف کے لئے سفر و قیام کی کوئی آسان صورت ہو تو تحریر فرمائیں۔ سبحان اللہ! کیا عجیب شان تھی۔ جبکہ یہ وہ دور تھا جب آپؒ اپنی علالت کے باعث مسجد میں نماز کے لئے بھی نہ آسکتے تھے، مگر شوق اور بلند ہمتی کمال درجے کی تھی۔ آپؒ کا وصال ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۹۸ھ کو ہوا۔ صرف تین ہفتہ قبل میرا ایک عریضہ آپؒ کی

خدمت میں مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے پیش کیا، وہ کہتے ہیں کہ: آپؒ نے عریضے کا مضمون سن کر آنکھوں پر اس طرح ہاتھ رکھے، جیسے آپؒ آنسو پونچھ رہے ہوں، مگر رَبّ کریم کی حکمت کہ زبان پر کچھ نہ لائے۔ احقر جامع کو یہ حال جس وقت معلوم ہوا تو جگر پاش پاش ہوگیا۔ مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں اپنے رَبّ کے سامنے آہ و زاری کی کہ: اے اللہ تعالیٰ! میرے مرشد کو شفا دے، مگر مشیتِ الٰہی اس وقت نافذ ہوچکی تھی اور آپؒ اپنے رَبّ کے پاس واپس پہنچ چکے تھے، چنانچہ چند یوم بعد آپؒ کی وفات حسرت آیات کی خبر پہنچی جو میرے لئے ایک بہت بڑا سانحہ تھی۔ مسجدِ نبوی میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے پاس بہت سے احباب نے بیٹھ کر قرآنِ کریم ختم کیا۔ حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پُرسوز دُعا فرمائی۔" (ص:۱۰۸،۱۱۲)

بارگاہِ رسالت اور مدینہ منوّرہ سے آپؒ کی والہانہ محبت کے ذیل میں "انوارِ بہلویہ" کے مرتب مزید لکھتے ہیں:

"ایک بار حاجی محمد اسحٰق صاحب سندھ سے تشریف لائے، مدینہ منوّرہ کی کھجوریں پیش کیں، آپؒ نے ان کو پہلے چوما، پھر آنکھوں سے لگایا اور نوش فرمانا شروع کردیا، خادم نے عرض کیا کہ: حضرت! کھجوروں سے شوگر بڑھ جائے گی۔ آپؒ نے فرمایا: او بندۂ خدا! اگر مدینہ منوّرہ کی کھجوروں سے مرض بڑھتا ہے تو بڑھنے دو، میں مدینہ منوّرہ کی کھجوریں نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کہہ

کر آپؒ آبدیدہ ہوگئے۔'' (ص:۴۴)

آپؒ کی دلی خواہش اور آرزو تھی کہ آپؒ مستقل مدینہ منورہ کے ہوکر رہ جائیں اور اس کے لئے باقاعدہ طے بھی فرمالیا، لیکن حضرت درخواستیؒ اور دُوسرے اکابر کی رائے اور مشورے کے بعد آپؒ نے مجبوراً یہ پروگرام منسوخ فرمادیا، چنانچہ ''انوارِ بہلویہ'' میں ہے:

الف:...''حضرتِ اقدسؒ نے زندگی کے آخری ایام میں مستقل مدینہ منوّرہ میں قیام کا مصمم ارادہ فرمالیا اور بعض خدام نے حکومت سعودیہ سے اِقامہ وغیرہ بھی حاصل کرلیا، لیکن حضرت درخواستیؒ جب شجاع آباد تشریف لائے اور انہیں آپؒ کے عزم کا علم ہوا تو آپؒ نے استخارہ فرمایا اور کہا کہ: حضرت! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس رُوحانی چشمۂ فیض کو پاکستان ہی میں جاری رکھیں۔ مجھے اشارہ ہوا ہے کہ آپ کا یہاں رہنا اہلِ پاکستان کے لئے زیادہ مفید ہے۔ آپؒ، حضرتؒ کی رائے اور مشورہ بلکہ حکم سن کر آبدیدہ ہوگئے اور روتے ہوئے فرمایا: میری دِلی تمنا تھی کہ میری قبر مدینہ منوّرہ اور جنت البقیع میں بن جائے، مگر آپ کے حکم کی سرتابی کیسے کرسکتا ہوں؟ چنانچہ آپؒ نے پھر مدینہ منوّرہ کی مستقل اِقامت کا ارادہ منسوخ کردیا۔''

(ص:۴۷)

ب:...''آپؒ اکثر و بیشتر فرمایا کرتے کہ: میں نے اس ضعف و بڑھاپے کے باوجود بار بار حرمین شریفین کے پے در

پے اسفار کئے کہ شاید مدینہ منوّرہ میں قبر نصیب ہوجائے۔''

(ص:۴۷)

مگر بایں ہمہ خدام اور متعلقین کو مدینہ منورہ کے مستقل قیام کا مشورہ نہ دیتے کہ مبادا اس بڑی سرکار کے اُونچے دربار کا صحیح معنیٰ میں ادب ملحوظ نہ رکھ سکیں اور بجائے نفع کے نقصان اُٹھا بیٹھیں۔ چنانچہ ''انوارِ بہلویہ'' کے مرتب اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بندے نے عرض کیا: حضرت! میں نے پاسپورٹ بنوالیا ہے، اور مدینہ منوّرہ میں مستقل اِقامت اختیار کرنا چاہتا ہوں، آپؒ نے فرمایا: یہ ارادہ مبارک ہے، مگر میں مدینہ منوّرہ کی اِقامت کو سوئے ادب کے اندیشے کی بنا پر پسند نہیں کرتا، تو، تو بڑا نیک ہے، مہینہ، دو مہینے ادب کرے گا، چلو زیادہ نیک ہے، تین ماہ تک ادب کرے گا، پھر جتنی مدّت بڑھتی جائے گی، محبت و ادب میں کمی آتی جائے گی، اندیشہ ہے کہ کہیں ادب ختم ہوکر سوئے ادب میں نہ تبدیل ہوجائے۔'' (ص:۴۵)

اِتباعِ سنت:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے حضرتؒ کے والد ماجد جناب محمد مسلم صاحب، خود اللہ والے، متبعِ سنت اور موحد و دین دار تھے۔ آپؒ نے ابتدا سے ہی اپنے ہونہار لختِ جگر کو بطورِ خاص وصیت و نصیحت کی تھی کہ اتباعِ سنت کا اہتمام اور بدعات و رسومات سے اجتناب کیا کریں۔ پھر حضراتِ اساتذۂ کرام اور اہلِ قلوب کی تعلیم و تربیت نے اس جذبہ کو مزید جلا بخشا، چنانچہ آپؒ توحید و سنت کے داعی و مناد

اور زبردست مبلغ تھے، آپؒ خلافِ سنت اُمور سے نہ صرف احتراز و اجتناب فرماتے، بلکہ اپنے مریدین و مسترشدین کو بھی بطورِ خاص اس کی تلقین فرماتے۔ آپؒ نے جس ماحول و معاشرے میں اصلاحِ اُمت کا کام شروع کیا، وہاں رسومات و بدعات کا دور دورہ تھا۔ آپؒ نے نہایت ہمت و جرأت اور عزم و استقلال سے اعلائے کلمۃ اللہ، اتباعِ سنت اور تردیدِ بدعات کا علَمِ حق بلند کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے معاشرے کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ وہی لوگ جو کل تک اوہامِ باطلہ اور عقائدِ کاسدہ کے داعی تھے، حضرتؒ کے فیضِ صحبت سے قرآن و سنت کے حامی اور بدعات و خرافات کے دُشمن بن گئے، ذیل میں حضرتؒ کے اِتباعِ سنت کے اہتمام سے متعلق چند واقعات مشتے نمونہ از خروارے نقل کئے جاتے ہیں:

> الف:... ''حضرتؒ، اتباعِ سنت کی اہتمام سے تاکید فرماتے، اور متعلقین و خدام کو عملاً طریقِ سنت پر عمل کرکے دِکھاتے، آپؒ کھاتے، پیتے، اُٹھتے بیٹھتے، لین دین، شادی بیاہ، اور ولادت و اموات کے مواقع کی رُسومات و رواجات کو اِتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھالتے، شادی غمی میں باجے گاجے، قل، چہلم اور برسی کی سخت ممانعت فرماتے۔ آپؒ فرمایا کرتے کہ: ایک بار حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ بہلی تشریف لائے اور پوچھا کہ: آپ شادی برادری میں نیوتا اور بتاشے لیتے دیتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: آئندہ ایسا نہ ہو۔ بس اس کے بعد کبھی ایسا نہ ہوا۔'' (ص:۵۰)

اس رسمِ بد کو ختم کرنے کا حضرتؒ نے یہ علاج کیا کہ آپؒ نے اپنے صاحبزادے کی شادی کی اور دعوتِ ولیمہ کرکے اعلان کردیا کہ میں کسی سے نیوتا نہیں

لوں گا، اور نہ آئندہ کسی کو دُوں گا۔ چنانچہ حضرتؒ کے اس بابرکت عمل سے یہ رسم جاتی رہی، اور خدام کو بھی اس طرزِ عمل سے اس رسمِ بد سے چھٹکارے کی شکل میسر آ گئی۔

ب:... ''ایک دن آپؒ خلوت میں بالاخانے میں مطالعے میں مصروف تھے کہ خان گڑھ کے چند احباب بلااجازت بالاخانے پر حاضر ہوئے، تو آپؒ نے فرمایا: آپ حضرات نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے، ایک تو بلااجازت اندر داخل ہوگئے، اور دُوسرے سلام نہیں کیا، یہاں سے اُٹھیں، باہر جائیں، پہلے اجازت لیں، سلام کریں اور پھر اندر آئیں۔ احباب نے تعمیلِ ارشاد کے بعد آپؒ سے معافی چاہی تو آپؒ نے معاف کردیا اور آئندہ کے لئے تاکید فرمائی کہ کوئی کام خلافِ سنت نہیں ہونا چاہئے۔'' (ص:۱۱۶)

ج:... ''آپؒ ہمیشہ ہر کام سنت کے مطابق کرتے، اور اُسوۂ نبویؐ کے مطابق ہر کام داہنے ہاتھ اور داہنی طرف سے کرتے، حتیٰ کہ جوتا پہنتے، مسجد میں داخل ہوتے اور کنگھا کرتے وقت بھی اس کا اہتمام ہوتا۔

آپؒ سے ایک صاحب نے تعویذ مانگا، آپؒ جب تعویذ لکھ کر دینے لگے تو سائل نے بائیں ہاتھ سے لینا چاہا، آپؒ نے منع فرمادیا اور فرمایا: داہنے ہاتھ سے لو!'' (ص ۱۱۷)

د:... ''ایک دن آپؒ باہر چارپائی پر تشریف فرما تھے، آپؒ کے بھانجے اور داماد مولانا عبدالحمید صاحبؒ وہاں سے بے خیالی میں گزرے تو آپؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: یہ کون

صاحب تھے؟ عرض کیا گیا کہ: مولانا عبدالحمید صاحب تھے، آپؒ نے ان کو بلایا اور فرمایا: مولانا! آپ نے سلام کیوں نہیں کیا؟ پھر فرمایا: واپس جاؤ اور سلام کرتے ہوئے گزرو، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "افشـــوا السـلام!" (سلام کو عام کرو)، پھر فرمایا: کم از کم اسی سلام کی سنت کا ہی اہتمام کرلیں، شاید اس سنت کی برکت سے ہماری بخشش ہوجائے۔" (ص:۱۲۸)

۵:... "ایک بار حضرت مولانا محمد علی جالندھری قدس سرہٗ صدر مجلس تحفظ ختم نبوّت پاکستان، آپؒ کی خدمت میں عشاء کے بعد حاضر ہوئے، کسی نے حضرتؒ کو آپؒ کی آمد کی اطلاع کردی، آپؒ بنفسِ نفیس گھر سے ان کے لئے بستر لائے، رات کو آرام کیا، صبح کے درس کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرتؒ نے فرمایا: کیسے تکلیف فرمائی؟ عرض کیا: حضرت! اصلاح کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ دن بھر حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔ فرماتے تھے کہ: عصر کی نماز حضرت کے ساتھ کھڑے ہوکر ادا کی، میری عادت تھی کہ سجدے کے بعد دونوں ہاتھوں کے سہارے قیام کے لئے اُٹھتا تھا، اس لئے حسبِ معمول نماز میں اسی طرح اُٹھا، نماز کے بعد حضرتؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور آہستہ سے فرمایا: مولانا! آپ نے اتنی مدّت تبلیغِ حق کی ہے، مگر افسوس کہ نماز بھی اِتباعِ سنت کے مطابق نہ آئی؟ حضرت جالندھریؒ فرماتے ہیں کہ: حضرتِ اقدس کا

یہ جملہ سن کر مارے شرم کے میرے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔
اسی لئے حضرت جالندھریؒ فرمایا کرتے: بلاشبہ مربا تو مربی کے پاس بنتا ہے، اور اس کے لئے کسی کامل کے سامنے پامال ہونا پڑتا ہے۔'' (ص:۷۴)

حضرتؒ کا فیض:

حضرتِ اقدسؒ کے فیوضاتِ عالیہ سے ایک عالم کا عالم مستفیض ہوا، کیا مرد، کیا عورتیں، بچے اور بوڑھے سب ہی آپؒ کی برکت سے واصل بحق ہوئے۔ آپؒ نے جہاں مردوں کی اصلاح کے لئے خانقاہ اور مدرسہ کا انتظام کیا تھا، ایسے ہی آپؒ خواتین کی اصلاح و تربیت سے بھی غافل نہیں رہے۔ چنانچہ جس طرح ہزاروں کی تعداد میں مرد حضرات آپؒ کی توجہات و تعلیمات سے سرفراز ہوئے، بے نماز، نمازی بن گئے، بے دین، دین دار، غافل، ذاکر و شاغل، اور سرکش، متبعِ سنت بن گئے، ایسے ہی بہت سی بے پردہ خواتین، باپردہ، اور بے دین، دین دار بن گئیں۔ چنانچہ آپؒ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے باقاعدہ مدرسۃ البنات قائم کیا، جس میں حضرتؒ کی ہمشیرہ اور حضرت مولانا عبدالحمید کی والدہ ماجدہ زندگی بھر پڑھاتی رہیں، ان کی وفات کے بعد مولانا عبدالحمید صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ نے اس کام کو جاری رکھا۔ جس میں مکمل قرآن مجید کا ترجمہ، بہشتی زیور، نماز کا مکمل طریقہ اور اس کے مسائل، حرام و حلال کے مسائل کے علاوہ عورتوں کے مخصوص مسائل کا درس ہوتا تھا، جبکہ جلسہ صوفیا میں حضرتؒ، پردے کے پیچھے جلسے میں آنے والی مستورات کو خود مسائل کا درس دیا کرتے تھے۔

آپؒ، عورتوں کو پردے کے پیچھے بیعت فرماتے، اور انہیں نماز کے اہتمام،

خاوند کی اطاعت اور شریعت کی پابندی کی بطورِ خاص تلقین فرماتے۔ اس کے علاوہ انہیں اس کی تلقین فرماتے کہ ہر کام سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا کریں، اور چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، آٹا گوندھتے، بچوں کو لوری دیتے، اور روٹی پکاتے اسمِ ذات اللہ، اللہ کا ذکر کیا کریں۔ چنانچہ آپؒ کی تعلیمات سے سینکڑوں مستورات ذکر وفکر کے بلند مراتب پر فائز ہوگئیں۔ اسی لئے حضرتؒ اکثر فرماتے تھے کہ: بعض خواتین ذکر و اذکار میں مردوں سے بھی سبقت لے گئیں۔

اصلاحِ خلق کا جذبہ:

آپؒ اصلاحِ خلق کی فکر میں ہر وقت کوشاں رہتے، باوجود ضعف، کمزوری، پیرانہ سالی اور کثرتِ عوارض و امراض کے، دُور دراز علاقوں کا سفر کرتے، وعظ و نصیحت، ذکر و مراقبہ کی مجالس قائم فرماتے، مخلوق کو خالق سے جوڑنے اور نفس و شیطان کے مکر وفریب سے بچنے کی تعلیم وتبلیغ فرماتے۔ اگر بسوں، لاریوں، ریلوں حتیٰ کہ بیل گاڑیوں اور گھوڑوں پر سفر کرکے دُور دراز کے دیہاتوں تک بغرضِ تبلیغ جانے کی نوبت آئی، تو آپؒ نے اس سے بھی دریغ نہ فرمایا۔ ہر سال آپؒ صوبہ سندھ کے علاقے نواب شاہ، پڈعیدن، حیدرآباد، تھرپارکر، سکھر، کراچی وغیرہ کے علاوہ پنجاب کے علاقے سرگودھا، گوجرانوالہ، لاہور، جھنگ، فیصل آباد، ساہیوال، ملتان، میانوالی، مظفرگڑھ، کبیروالا، خانیوال، راولپنڈی، ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسماعیل خان اور سرحدی علاقوں کے دُور دراز کے شہروں، دیہاتوں اور قصبوں کے اصلاحی پروگراموں کے لئے سفر فرماتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ متعلقین و خدام کو ہدایت وتلقین ہوتی کہ جماعتی صورت میں چل کر اپنے گھر سے کھانا کھا کر اور ساتھ لے جاکر ذکر و اذکار کی تعلیم وتبلیغ کریں، اور مخلوق کو خالق سے جوڑنے کی کوشش کریں۔ اور فرماتے: بھائی!

اگر ہماری کوشش سے ایک عورت یا مرد ہدایت پر آ گیا اور اللہ والا بن گیا تو ہماری بخشش و مغفرت کے لئے کافی ہے۔ جلسہٴ صوفیا کے موقع پر آنے والے متعلقین، واردین و صادرین کو آپؒ کی یہی نصیحت ہوتی کہ توحید و سنت کی تبلیغ کرو، یہ انبیاء والا کام ہے۔ فرماتے تھے: جس قدر ہمارے اور تمہارے دِل میں تبلیغ کا درد اور اِتباعِ سنت کا جذبہ زیادہ ہوگا، اسی قدر میرا اور آپ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اُونچا مقام ہوگا۔
(ص:۵۴، ۵۵)

آپؒ فرماتے تھے کہ: قادیانی اور دُوسرے باطل پرست اپنے باطل دین کے لئے کس قدر سرگرم ہیں؟ افسوس! کہ ہم اپنے سچے دین کی تبلیغ سے اس قدر کیوں غافل ہیں؟

ایک بار فرمایا کہ بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ایک رئیس کے پاس گئے اور فرمایا: میری تھوڑی سی بات سن لیں! اس نے ناراضگی کے لہجہ میں کہا: چل ایسا ویسا! میں تیری بات سننے کے لئے تیار نہیں! آپؒ نے بڑی لجاجت سے کہا: بھائی! میری بات سن لیں۔ مگر اس ظالم نے آپؒ کو زوردار دھکا دیا اور آپؒ دُور ایک گڑھے میں جا گرے۔ آپؒ اُٹھے، کپڑے صاف کئے اور اپنی پگڑی اُتار کر اس کے پاؤں پر رکھ دی، تو اس نے کہا: او مولبی! تو نے تو مجھے مار ڈالا، بتا کیا کہتا ہے؟ آپؒ نے اپنے معمول کے چھ اُصولِ تبلیغ سنا کر جماعت میں جانے کے لئے اس سے وقت مانگا، تو آپؒ کے عجز و نیاز کا اس کے دِل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ جماعت میں نکل کھڑا ہوا، تو اس کی وجہ سے چار سو خاندانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ (ص:۱۵۶)

تبحرِ علمی:

آپؒ کے علم و فضل اور تبحرِ علمی کی دُنیا معترف ہے۔ آپؒ کی تعلیمی، تدریسی

اور اصلاحی خدمات کا کسی قدر مختصر تذکرہ گزشتہ سطور میں آ چکا ہے۔ اسی طرح آپؒ کے تبحرِ علمی کا کسی قدر ذکر آپؒ کی تصانیف کے تعارف کی شکل میں آ چکا ہے۔ چنانچہ آپؒ کی تصانیف میں سے ''مستدلات الفقہ الحنفیہ'' کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستان بھر کے دینی مدارس کے اس دور کے جبالِ علم اور اساطینِ اُمت نے اس کتاب کو وفاق المدارس کے نصاب میں شامل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس وقت حضرتؒ، مسلکِ احناف کے مُسلَّم امام اور حنفیت کے ترجمان ہیں۔ چنانچہ آپؒ کی اس کتاب کی تعریف و توصیف اور تصدیق و تقریظ میں اس وقت کے اکابر علماء اور اربابِ علم نے اپنے جن تأثرات کا اظہار کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہاں درج کر دیا جائے، تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ طبقۂ اہلِ علم میں حضرت بہلویؒ کو کیا مرتبہ و مقام حاصل تھا؟ اور اکابرین اہلِ علم، آپؒ کی علمی مہارت، گہرائی و گیرائی کے کس قدر قائل تھے؟ چنانچہ آپؒ کی اس عظیم تحقیقی تألیف پر بالترتیب حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ مدیر جامعہ خیرالمدارس ملتان، حضرت مولانا مفتی محمود شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ مدیر مخزن العلوم خانپور، اُستاذُ الکل حضرتِ اقدس مولانا عبدالخالق مدیر دارالعلوم کبیر والا ملتان اور محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے نہایت وقیع انداز میں آپؒ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے بہترین تعریفی تقاریظ قلم بند فرمائیں۔

حضرت حکیم الأمت مجدّدِ ملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اجل اور ترجمانِ مسلکِ احناف حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ آپؒ کی جلالت اور رفعتِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''..... پس یہ کتاب احادیث شریف کے ان دلائل کا مجموعہ ہے جو امام الائمہ، سراج الأمۃ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ

اللہ علیہ کے مذہب کے بعض فروعی مسائل پر دیئے گئے ہیں۔

ان حدیثی دلائل کو مع حواشی کے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل، علمی و عملی کمالات کے حامل، صاحبِ تقویٰ علامہ مولانا عبداللہ بہلوی نے جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہری، باطنی فیوض و کمالات، سے اہلِ اسلام کو مستفیض فرمائے، آمین!

میں نے اس کتاب کے بیشتر حصوں کے مطالعے کا شرف حاصل کیا ہے، پس میں نے اس کتاب کو حنفی طلبہ کے لئے نافع اور مفید پایا ہے، اور جو طلبہ بڑی کتابوں کی تعلیم کی فرصت رکھتے ہیں، ان کے لئے کافی وشافی ہے۔

اے اللہ! اس کتاب کو مؤلفِ موصوف کے رفعِ درجات اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنا، آمین!

رحمتِ الٰہی کا طلب گار

خیر محمد۔"

محمود الملت والدّین، فقیہ العصر، حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کی کتاب کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے آپؒ کی علمی سیادت کا یوں اعتراف فرماتے ہیں:

"..... میں نے اس مفید اور بلند قامت احادیث کے مجموعے کا مطالعہ کیا، جسے علومِ نبوّت کے امین، بزرگ رہنما، دینِ متین کے پرچم کے حامل، سلسلۂ نقشبندیہ معصومیہ کے شیخ المشائخ، طریقت کے آداب سے مزین، مولانا عبداللہ بہلوی افاض اللہ علیہ من لطفه الخفی والجلی، نے تالیف کیا ہے،

پس میں نے اسے نرالی شان اور واضح دلائل پر مشتمل پایا، جو اُصولی مسائل اور اہم دلائل کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ایسی احادیث کو شامل ہے جو قابلِ استناد ہونے کے علاوہ ضعف و اعوجاج سے پاک ہیں۔ اور نہایت ہی عمدہ مآخذ سے مأخوذ ہیں، اور جن کی تحصیل بہت ہی سہل ہے۔

مصنف کی علمی شان کے کیا کہنے! کہ انہوں نے ہر باب میں ایسے ایسے دلائل جمع فرمادیئے کہ جن سے مغز پوست سے جدا ہوگیا اور حقائق کے چہرے سے شبہات کے پردے ہٹ گئے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مصنف نے حاشیہ پر بعض مسائل کی واضح الفاظ و عبارات سے صاف، عمدہ اور نہایت ہی کافی دلائل سے تفصیل بیان فرمائی ہے۔

بخدا! یہ کتاب علماء، طلبہ کے لئے بے حد نافع اور مفید ہے، بلاشبہ مصنف نے (یہ کتاب لکھ کر) احناف پر احسانِ عظیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے پوری پوری جزائے خیر عطا فرمائے اور طلبہ کو اس کے ذریعہ پورا پورا نفع پہنچائے۔

احقر افقر

محمود عفا اللہ عنہ۔"

ولئ کامل، اُستاذُ العلماء، حافظ الحدیث، شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی قدس سرہٗ نے حضرتؒ کی علمی رفعت کا یوں اظہار فرمایا ہے:

"..... میں رمضان المبارک میں قرآنِ کریم کا ترجمہ و

تفسیر پڑھانے میں مصروف تھا کہ اس دوران کتاب وسنت کے عامل، فاضل علامہ حضرت مولانا عبداللہ کی تالیفات میں سے ایک مفید مجموعے کی زیارت و مطالعے کا شرف حاصل ہوا۔ پس میں اسے طلبہ و علماء کے لئے بے حد مفید اور کارآمد سمجھتا ہوں، جو کہ مسائل و دلائل سے مملو ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اس مجموعے کو اپنی رضا کا سبب اور اشاعتِ دین کا ذریعہ بنائے، آمین!

محمد عبداللہ درخواستی۔"

اُستاذ الاساتذہ، دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز سپوت و کامیاب مدرّس، جامع المعقول والمنقول، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالخالق قدس سرہٗ بانیٔ دارالعلوم کبیر والا، آپؒ کی علمی شان کا اعتراف کرتے ہوئے کتاب پر یوں تقریظ لکھتے ہیں:

"..... پس میں حدیث کے اس مفید اور نافع مجموعے سے آگاہ ہوا جو مفید حواشی کے علاوہ نہایت ہی روشن احادیث پر مشتمل ہے۔ میرے نزدیک احادیث کا یہ انتخاب عجیب، حدیث کے طلبہ کے لئے بے حد نافع اور مسلکِ احناف کے لئے بہت ہی خوبصورت انداز کی تائید ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اسے حسنِ قبول سے نوازیں گے، اور مصنف کو مزید توفیق عطا فرمائیں گے۔

محمد عبدالخالق

دارالعلوم کبیر والا۔"

جانشینِ امام العصر حضرت کشمیریؒ، محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ مصنفؒ کی تحقیق و تدقیق کو یوں خراجِ عقیدت پیش فرماتے ہیں:

"..... میں نے اس سراپا مفید کتاب اور روشن احادیث

کے مجموعے کے متعدّد ابواب کا مطالعہ کیا، جو امام العصر اور میرے شیخ کشمیریؒ کے تلمیذ اور صالح عالم مولانا عبداللہ بہلوی کی تصنیف ہے۔

میں نے دیکھا کہ اس کے مآخذ عمدہ اور قابلِ اعتماد ہیں اور موصوف نے اس میں جو، جو احادیث نقل فرمائی ہیں، نہایت مفید اور نافع ہیں۔ موصوف کی یہ کوشش جس طرح حدیث کی خدمت ہے، اسی طرح فقیہ الأمت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی بھی خدمت ہے۔

موصوف نے اس میں نہایت واضح عبارت و الفاظ سے ایسے حدیثی و فقہی فوائد جمع فرمادیئے ہیں، جن سے حدیث کے طلبہ (انشاء اللہ) خوب خوب نفع اُٹھائیں گے، موصوف کی عبارت میں کسی قسم کا ابہام و اغلاق نہیں ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ اس سے طلبہ حدیث کو نفع عطا فرمائیں گے......

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ۔''

صرف یہی نہیں کہ آپؒ کو محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ نہایت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے، بلکہ ایک بار فرمایا: ہم تو حضرت کشمیریؒ کے متأخرین تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت بہلوی تو آپؒ کے متقدمین شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت بنوریؒ نے آپؒ کو اپنے ادارے میں دعوت دی، تشریف آوری پر آپؒ کو اپنی تصانیف کا سیٹ عطا فرمایا اور دُعاؤں کی درخواست کی۔

ایک بار آپؒ سفرِ حرمین شریفین پر تھے، کہ مدینہ منوّرہ حاضری کے موقع پر حضرت مولانا عبدالغفور مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری ہوئی، وہاں بنگال کے چالیس علماء تشریف فرما تھے جو رفعِ جسمانی، حیات و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قادیانی شبہات اور آیت: ''اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ'' میں مرزائی تلبیسات کی وجہ سے پریشان تھے، جس کی تشفی کے لئے انہوں نے حضرت مدنیؒ سے درخواست کی تو آپؒ نے حضرت بہلوی قدس سرہٗ سے فرمایا: آپ ان کے اِشکالات کا جواب دیں اور ان کی تشفی کرائیں۔ حسبِ ارشاد حضرت بہلویؒ نے پورا ایک گھنٹہ اس آیت کی تفسیر، مالہٗ اور ماعلیہ بیان فرماکر، قادیانی تلبیسات کے تار و پود بکھیرے، جب ان حضرات کے سامنے حقائق آئے تو عش عش کر اُٹھے، آخر میں ایک ایک سے فرداً فرداً پوچھا کہ: اگر اب بھی کوئی اِشکال رہ گیا ہو تو فرماویں، تاکہ اس کا جواب دیا جائے، چنانچہ ان سب حضرات نے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حضرتؒ کو خوب خوب دُعاؤں سے نوازا۔

کرامات:

کرامت، خرقِ عادت کو کہتے ہیں، یہ درحقیقت فعلِ الٰہی ہوتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے ہاتھ پر ظاہر فرماتے ہیں، سلوک واحسان کی لائن میں کشف و کرامات کو معیارِ مقبولیت نہیں سمجھتا جاتا، اس لئے اکابر حتی الامکان اپنے کشوف و کرامات کو چھپاتے ہیں، البتہ گاہ بگاہ بے اختیار ایسے اُمور ظاہر ہوجاتے ہیں جن کو بعض خدام محفوظ کرلیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہمارے حضرتؒ کا ذوق بھی تھا، حضرتؒ پر اخفا کا حد درجہ غلبہ تھا، جس کی وجہ سے حضرتؒ کی کرامات کا صحیح معنی میں کسی کو علم نہیں ہوسکا، تاہم جناب ماسٹر محمد عمر صاحب نے ''انوارِ بہلویہ'' میں ایسے متعدّد

واقعات نقل فرمائے ہیں، ذیل میں ان میں سے چند ایک نقل کئے جاتے ہیں:

موتیا دُور ہو گیا:

بندہ احسان الحق بودلہ کو آنکھوں میں سیاہ موتیا کے آثار شروع ہوئے، مگر میں آپریشن سے گریزاں تھا، رحمتِ رَبی کہ جس قدر آپریشن سے متنفر تھا، اسی قدر، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ مرشد جی کی دُعاؤں کا معتقد اور معتمد تھا۔ بھائی بہنوں کو میرے مرض سیاہ موتیا کا علم ہوا، سب منّت سماجت کرتے رہے، مگر میرا سب کی خدمت میں اکثر یہی جواب ہوتا کہ: میرے اس مرض کا علاج حضرت جی کی دُعا ہے، بلکہ کبھی یہ بھی کہہ دیتا کہ: میں قبلہ حضرت جی سے آپریشن کراؤں گا۔ حتیٰ کہ کنبہ بلکہ اقارب میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ پیر کا اندھا مقلد عنقریب اندھا بن بیٹھے گا۔ اسی اثنا میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مذکورہ حال سنایا۔ آپؒ نے فرمایا کہ: ڈاکٹر صاحب کو دِکھاؤ! میں نے آپؒ کے خادم مولوی غلام مصطفیٰ کو ساتھ لیا اور ڈاکٹر محمد صدیق صاحب ایم بی بی ایس خاص کر ماہرِ اَمراضِ چشم جن کا قبلہ حضرت جیؒ کے مہمان خانے سے ایک ایکڑ کے فاصلے پر ہسپتال تھا، دونوں حاضر ہوئے، معائنہ کرایا، انہوں نے فرمایا کہ: کالا موتیا اُتر رہا ہے، آج ہی آپریشن کراؤ! لیکن میں ان سے آنکھ چرا کر چپکے سے نکل آیا۔ قبلہ حضرت جی قدس سرہٗ کی خدمت میں حال عرض کیا، خاموش ہوگئے، ہفتے کے بعد پھر فرمایا کہ: بہاولپور ڈاکٹر برق صاحب کے پاس جاؤ! بندہ دُوسرے دن بہاولپور گیا، ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کیا اور فرمایا کہ: موتیا سیاہ اُتر رہا ہے، ایک ہفتہ دوائی ڈالو اور ہسپتال میں داخل رہو، اگر ضرورت ہوئی تو آپریشن کروں گا۔ ہفتے کے بعد دُوسری دوائی دے کر تاکیداً فرمایا کہ یہ دوائی روزانہ ڈالتے رہنا اور ہر دو ماہ بعد دِکھاتے رہنا، ورنہ بصورتِ ناغہ بینائی سے بہت جلد محروم

ہوجاؤ گے۔ بندہ سخت پریشان واپس آکر قبلہ حضرت جی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؒ نے فرمایا کہ: بہاولپور نہیں گیا تھا؟ سارا حال عرض کیا، اللہ جل شانہ کے فضل سے قبلہ حضرت جیؒ کی دُعاؤں اور توجہ سے موتیا کا نام تک نہ رہا، بلکہ کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر برق صاحب سے معائنہ کرایا تو انہوں نے رپورٹ لکھ دی کہ: احسان الحق کو نہ موتیا ہے اور نہ آئندہ اس کو موتیا ہوسکتا ہے۔

کھانے میں برکت:

صوفی منظور احمد حجام جو کہ تقریباً پینتیس سال قبلہ حضرت جی قدس سرہٗ کا حجام رہا، گویا کہ آپؒ کی شجاع آباد حبیب آباد کی ساری زندگی خدمت انجام دیتا رہا۔ حضرت قدس سرہٗ کی شجاع آباد آمد کے چند برس بعد اس کو دعوت کا شوق ہوا، کئی دن منّت سماجت کے بعد آپؒ نے اس کی دعوت قبول فرمائی، لیکن بوجہ حجام صاحب کی غربت کے تاریخ معین نہ ہو پائی، چنانچہ ایک دن صوفی منظور احمد گھر میں مشورہ اور دعوت کی تیاری کر کے حاضر ہوا اور عرض کیا: حضرت! ہم نے آج تیاری کرلی ہے، براہِ کرم مدرسہ کے تینوں اساتذہ سمیت تشریف لاویں۔ حضرت جی قدس سرہٗ نے تمام طلباء اور مہمانوں کو حکم فرمایا کہ صوفی منظور احمد حجام کی دعوت ہے، سب چلو! تقریباً ساٹھ آدمی روانہ ہوئے۔ صوفی منظور احمد پہلے گھر پہنچا، بتایا کہ حضرت جی تو تمام طلباء اور مہمان تقریباً ساٹھ آدمیوں سمیت تشریف لارہے ہیں۔ میاں، بیوی حیران سوچ رہے تھے کہ طعام تو تین، چار آدمیوں کا ہے اور مہمان ساٹھ؟ اتنے میں قبلہ حضرت جی بمع جمیع مہمانان پہنچ گئے، منظور احمد کو بلایا، وہ گھر لے گیا، قبلہ حضرت جی قدس سرہٗ نے آٹے اور ہانڈی میں قدرے لعاب ڈالا اور فرمایا کہ اب پکاؤ اور روٹی چلادو۔ صوفی منظور احمد کا کہنا ہے کہ ہماری عورتیں پکاتی اور دیتی رہیں، سب مہمان سیر ہوکر

فارغ ہوگئے، مگر سالن اتنا باقی تھا جتنا ہم پہلے سے تیار کر رہے تھے اور آٹا اتنا باقی تھا جتنا عورتوں نے گوندھا تھا، جو کہ بحمداللہ! گھر کے کنبہ اور مہمانوں کو کافی ہوا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر راقم غلام مصطفیٰ کے گھر کا واقعہ ہے کہ: بندہ انتہائی غریب تھا، حکمتِ رَبی خاص کر پیسہ کی اشد قلت تھی، لیکن قبلہ حضرت جی کی دعوت ضرور کرتا۔ آپؒ کو گھر میں لے آتا، باقی مہمانوں کا کھانا ملک صاحبان رحمہم اللہ کے سپرد تھا۔ قبلہ حضرت جیؒ کو فقط تنہا کھانا گھر میں کھلا کر ترغیب ذکر، نصیحت کرا کے درس میں واپس پہنچا دیتا۔ ایک مرتبہ سب مہمانوں کو دعوت دینے کا شوق ہوا، گھر میں دُودھ چاول کی کھیر پکوائی، اتفاقاً اعلم پور وغیرہ سے مہمان دو سو گنا اللہ تعالیٰ نے بھیج دیئے۔ دِل میں تو اخیر تک تشویش رہی کہ موقع پر مہمان کم تھے، انتظام بھی اتنا ہی کم تھا، لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اتنی برکت نازل فرمائی کہ مہمان سب کے سب سیر ہوئے اور اپنے دونوں کنبے بھی، بلکہ گھر میں پڑھنے والے بعض بچوں کو بھی تبرک تقسیم کیا گیا۔

اسی رات شادی ہوگئی:

حضرتِ اقدسؒ ایک مستجاب الدعوات بزرگ تھے، آپؒ کی مجلسِ مبارک میں عرض کیا جاتا: حضرت! دُعا فرمادیں، آپؒ فوراً دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے اور بڑی اِلحاح وزاری سے دُعا فرماتے۔ عرض کیا جاتا: حضرت! آج کل نمازِ تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، دُعا کریں، آپؒ فوراً دُعا کے لئے ہاتھ کھڑے کردیتے۔ ملک کے دُور دراز علاقوں سے لوگ زیارت یا دُعا کے لئے حاضرِ خدمت ہوتے، دُعا کی درخواست کرتے، آپؒ اکثر فرماتے: بھائی! دُعا کے لئے ہی تو بیٹھا ہوں۔

اسی طرح میرے ایک دوست ماسٹر اللہ دتہ صاحب جن کا خاندان تقسیمِ ملک کے بعد مسلمان ہوا، ان کی شادی نہیں ہوتی تھی، ایک دفعہ میرے ساتھ حضرتِ اقدسؒ

کی زیارت کے لئے شجاع آباد حاضر ہوئے، اثنائے سفر انہوں نے مجھ سے کہا کہ: میری شادی کے لئے حضرتؒ سے دُعا کروانا۔ بندہ حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں مہمان خانے کے بالائی حصے پر حاضرِ خدمت ہوا، اور عرض کیا: حضرت! یہ ہمارے پیر بھائی ہیں، ان کی شادی کی دُعا فرمادیں۔ آپؒ نے لیٹتے ہوئے فرمایا: اچھا بھائی! میں دُعا کروں گا۔ دس میل کی پیدل مسافت طے کرکے دریائے چناب کو کشتی سے عبور کرکے واپس شام کو گھر آئے، حضرتِ اقدسؒ کی دُعائے مستجاب نے ایسا فوری اثر دِکھایا کہ اسی رات شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔

رشتہ طے ہوگیا:

صوفی محمد یامین صاحب ایک جسیم آدمی تھے، ان کی شادی محض فربہ ہونے کی وجہ سے نہ ہوتی تھی۔ اس نے مجھے شجاع آباد حضرتؒ کی خدمت دُعا اور تعویذ کے لئے بھیجا، حضرتؒ کو عرض کیا گیا کہ: ہمارا ایک دوست ہے، اس کی شادی نہیں ہوتی، دُعا بھی کریں اور تعویذ بھی مرحمت فرمادیں۔ پہلے تو آپؒ ناراض ہوئے کہ وہ خود کیوں نہیں آیا؟ عرض کیا: وہ گاڑی پر سوار نہیں ہوسکتا، معذور ہے! پھر آپؒ نے دُعا فرمائی اور تعویذ بھی عنایت فرمایا، الحمدللہ! اسی ماہ شادی ہوگئی۔

بدکاری سے حفاظت:

سردار احمد خان صاحب سندھ کے بہت بڑے زمیندار اور اپنے قبیلے کے سردار ہیں، وہ حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں بیعت ہوگئے، وہ فرماتے ہیں کہ: بیعت کے بعد وہ کراچی کے ایک ہوٹل میں مقیم تھے، وہاں ایک آوارہ عورت خان صاحب کے پاس آئی۔ اچانک خان صاحب نے دیکھا کہ حضرت شیخ مرشدؒ آگئے ہیں، بہت ڈرا، غلط کاری سے باز آیا، آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنا حال سنایا، آپؒ نے

فرمایا: خداوند تعالیٰ جب کسی بندے کی رہنمائی کرتے ہیں تو اپنی رحمت کو لطیفۂ شیخ کی شکل میں بھیج دیتے ہیں، وگرنہ مشائخ حاضر و ناظر نہیں ہوتے۔ یہ واقعہ حضرتؒ نے ایک دفعہ خود سنایا۔

حضرتؒ کی بے ادبی کا وبال:

حضرتِ اقدسؒ جماعت خان گڑھ کی دعوت پر اگست ۱۹۶۸ء میں تشریف لائے، محمد حیات خان صاحب کی بیٹھک میں قیام تھا، دوپہر کے وقت حضرتِ اقدسؒ قیلولے کے لئے لیٹ گئے۔ بندہ محمد عمر اور محمد حیات خان صاحب آپؒ کی مٹھیاں بھرنے لگے، آپؒ ابھی نیم غنودگی کے عالم میں تھے کہ قریب ہی حافظ گل محمد صاحب کا لڑکا غلام شبیر ریڈیو چلا رہا تھا۔ ریڈیو کی اُونچی آواز سے حضرتِ اقدسؒ نے کروٹ بدلی، محمد حیات خان صاحب نے غلام شبیر کو بلایا، اس سے بڑی نیاز مندی سے ریڈیو کی آواز کو آہستہ کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ: ''ہمارے حضرت صاحب تشریف فرما ہیں، ریڈیو کو بند کردیں۔'' غلام شبیر نے بطورِ اہانت بڑبڑاتے ہوئے کہا: ''تمہارے حضرت روز روز آئے کھڑے ہیں!'' خان صاحب مایوس ہوکر واپس آگئے، موصوف نے آواز بند نہ کی، تقریباً ایک ہی گھنٹہ گزرا تھا کہ مکان کا برآمدہ بڑے دھماکے سے زمین بوس ہوگیا، غلام شبیر سمجھ گیا کہ یہ میری بدکلامی کا نتیجہ ہے۔ ظہر کی نماز حضرتِ اقدسؒ نے مسجد نواباں میں ادا کی، ظہر کے بعد آپؒ درسِ حدیث دے رہے تھے کہ دورانِ درس غلام شبیر نے حضرتِ اقدسؒ کے پاؤں پکڑ لئے، رو رو کر معافی کا خواست گار ہوا، اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرتِ اقدسؒ نے بیعت فرمالیا۔

ڈاکو کا توبہ کرنا:

شاہ جمال ضلع مظفر گڑھ کے ایک حافظ صاحب نے مجھے سنایا کہ: میں بڑا

ڈاکو اور چور تھا، نقب زنی میرا پیشہ تھا، تھانیدار مجھ سے تنگ آ گیا، تقسیم سے قبل ایک دین دار تھانیدار نے جو حضرتؒ کے مرید تھے، حضرتؒ کو دعوت دی، حضرتِ اقدسؒ تشریف لائے، رات کو تھانیدار نے مجھے دعوت دی کہ آپ مراقبہ وحلقۂ ذکر میں شامل ہوں، میں آپؒ کے حلقۂ مراقبہ میں شامل ہوا۔ آپؒ کی توجہ مبارک سے مجھے وجد آ گیا، بعد میں حضرتِ شیخؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوگیا، اور آئندہ پچھلی زندگی سے تائب ہوگیا، آج کل وہ سبزی فروش اور متبعِ سنت ہے۔

تمام لطائف جاری ہو گئے:

حضرتِ اقدس نوّر اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ حضرت قاری شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ سناتے تھے کہ: حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں بہلی شریف حاضر ہوا، شجاع آباد سے تانگہ پر سوار ہوا تو راستے میں تانگے والے کو ایک سرکاری آفیسر تحصیل دار نے روک دیا، مجھے اُتار دیا گیا، میں بہلی شریف پیدل پچیّس میل طویل مسافت طے کر کے حاضر ہوا، حضرتِ اقدسؒ نے معانقہ فرمایا، آپؒ نے ایک آم کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا کہ: قاری صاحب! اس درخت کے نیچے جاؤ، بیٹھ کر ذکر کرو۔ میں آپؒ کے ارشاد پر وہاں جاکر ذکر کرنے لگ گیا، آپؒ نے ایک شخص کو اپنی قمیص دے کر بھیجا کہ قاری صاحب سے کہو کہ اپنے کپڑے اُتار کر، اس قمیص اور چادر کو پہن لیں، آپ کے کپڑے میلے ہو چکے ہیں، گھر بھیج کر دُھلوا دیتے ہیں۔ قاری صاحب فرماتے تھے: جب میں نے اپنی قمیص اُتار کر حضرت اقدسؒ کی قمیص پہنی، تو مجھے معاً بجلی کے کرنٹ کی طرح ایک جھٹکا لگا اور میرے بال بال سے اور تمام لطائف سے اللہ، اللہ جاری ہوگیا، سلطان الاذکار تک تمام اسباق جاری ہو گئے۔

دُشمنوں سے حفاظت:

پیر بھاون شاہ صاحب مدظلہ حضرتِ اقدسؒ کے بہت پرانے متوسلین میں سے ہیں، اور خلافت سے سرفراز ہیں، آپؒ نے سنایا: جب میرے رافضی رشتہ داروں نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تو میں شدید زخمی اور قریب المرگ ہوگیا، حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ بستی کھوکھر تشریف لائے، کافی لوگ اکٹھے ہوگئے۔

حضرتِ اقدسؒ نے اظہارِ تعجب فرمایا کہ: تمہارے اندر کوئی ایسا آدمی نہیں تھا، جو حضرت شاہ صاحب کے ظلم کا بدلہ لیتا؟ ایک شخص اُٹھا، اس نے جا کر پیر بھاون شاہ صاحب کے دُشمن کو قتل کر دیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: میں نقل مکانی کر کے قصبہ لاڑ چلا گیا، پولیس گرفتار کرنے کے لئے میرے تعاقب میں آئی، میں حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں بہلی حاضر ہوا، حقیقتِ حال عرض کی، آپؒ نے اپنے خادم کو اشارہ فرمایا کہ: غلام مصطفیٰ! تعویذات کی ٹوکری لاؤ۔ چنانچہ تعویذ کی ٹوکری لائی گئی، آپؒ نے مجھے تعویذ دیا اور دُعا بھی فرمائی۔

نیز فرمایا: شاہ صاحب! یہ تعویذ آپ اپنے پاس رکھیں، انشاء اللہ پولیس کا کوئی سپاہی بھی آپ کو نہ پوچھے گا۔ الحمدللہ! صحیح سلامت دُشمنانِ صحابہ وحکومت کے شر سے محفوظ رہا، اور مجھے کسی نے نہ بلوایا۔

ازواج:

آپؒ کے تین نکاح ہوئے، پہلی زوجہ مکرّمہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور ان کا جلد انتقال ہوگیا، حضرتؒ فرماتے تھے: مرحومہ بہت ہی نیک صالحہ خاتون تھیں، نہایت عابدہ، ذاکرہ، متقیہ، پابندِ صوم وصلوٰۃ اور تہجد گزار تھیں۔ حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ سے بیعت تھیں، ذکر سے قلب اس قدر جاری تھا کہ بعدِ وفات بھی دِل حرکت

کرتا محسوس ہوتا تھا، آپ بہت ہی مہمان نواز اور مسکین پرور خاتون تھیں۔

دُوسرا نکاح حضرت مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہٗ کی والدہ ماجدہ سے ہوا، مگر ایک عرصہ تک نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ حضرت مولانا محمد عمر چشمویؒ سے نرینہ اولاد کی دُعا کی درخواست کی، تو حضرتؒ نے فرمایا: ایک اور نکاح کرو! اللہ تعالیٰ نرینہ اولاد عطا فرمادیں گے، اور اس کا نام میرے بیٹے کے نام پر عبدالحی رکھنا۔ چنانچہ پہلی اہلیہ مرحومہ کی ہمشیرہ اور مولانا عبدالحیؒ کی والدہ ماجدہ سے تیسرا نکاح ہوا، اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا تو اس کا نام عبدالحی رکھا گیا، اس کے بعد دُوسرے صاحبزادے ہوئے جن کا نام محمد ہاشم رکھا گیا۔ قدرت کا کرشمہ کہ ایک مدّت کے بعد دُوسری اہلیہ سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا جن کا نام عزیز احمد تجویز ہوا۔

حضرتؒ، اپنی ازواجِ مکرّماتؒ کی مہمان داری اور خانقاہ کی خدمت و ایثار کے جذبہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے:

> ''جس طرح میں بوڑھا ہوں، ایسے ہی عزیز احمد کی والدہ بھی بوڑھی اور ضعیف ہیں، مگر دُور ونزدیک کے مہمانوں اور لنگر کے کھانے کا سارا نظام روٹی سالن پکانا اس کے پاس ہے۔ وہ جس قدر لنگر کی خدمت کرتی ہے میں حیران رہ جاتا ہوں، باوجود ضعف اور بڑھاپے کے شب و روز ساٹھ، ستر مہمانوں کے کھانے کا انتظام وہ خود اکیلے کرتی ہیں۔ گھر میں کوئی نوکرانی وغیرہ نہیں ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مہمانوں کو کھانا کھلا کر اپنا کھانا کھانے بیٹھتی ہے کہ باہر سے پیغام آجاتا ہے کہ ایک مہمان کا مزید کھانا چاہئے، تو وہ اپنا کھانا اُٹھا کر مہمان کو بھیج دیتی ہیں۔ میں کبھی اس پر ناراض بھی ہوتا ہوں کہ

بھلا یہ بھی کوئی آنے کا وقت تھا؟ مگر موصوفہ کہتیں کہ: آپ کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہمانوں ہی کے طفیل رزق اور عزّت دی ہوئی ہے، جب اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اور ہم پکاتے ہیں تو آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں؟

ان کا شوق و ذوق، جذبۂ ایثار اور قربانی دیکھ کر میں بے حد خوش ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے گھر والوں کو ذاکرین و شاغلین اور مہمانانِ رسول کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔"

اولاد:

آپؒ کے تین صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں تھیں، تینوں بیٹے عالم فاضل اور متبعِ سنت تھے، جن میں سے دو حضرات تو آپؒ کے مجازِ بیعت ہوئے، جبکہ مولانا محمد ہاشم صاحب کو اجازت و خلافت کا شرف عطا نہیں ہوا۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالحیؒ تھے، جو آپؒ کے علاوہ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی قدس سرہٗ سے بھی مجاز ہوئے۔ "انوارِ بہلویہ" میں حضرتؒ کی اولاد کی تفصیل اور ان کے احوال اس طرح درج ہیں:

مولانا عبدالحی قدس سرہٗ:

حضرت مولانا عبدالحیؒ، حضرتؒ کے بڑے صاحبزادے تھے، جو حد درجہ خلیق، متواضع اور منکسر المزاج تھے، اور صحیح معنی میں حضرتؒ کی عادات و خصائل کے

مثیل تھے، مدرسہ مخزن العلوم عیدگاہ خانپور کے فارغ التحصیل تھے، ذاکرین و شاغلین کے ساتھ بڑی ملاطفت اور شفقت سے پیش آتے، حضرتؒ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ، قادریہ اور سہروردیہ کی اجازت تھی، ۱۹۷۸ء کے سفرِ حج میں مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوریؒ نے مدینہ منورہ میں سلسلۂ چشتیہ کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

جھنگ کے ماسٹر غوث محمد صاحب، جو حضرتؒ کے پرانے مرید ہیں، اور بڑے ذاکر ہیں، انہوں نے خواب دیکھا کہ: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دائیں طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بائیں طرف سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور پھر ان کے ساتھ حضرت شیخ بہلویؒ کھڑے ہیں، ان کے پیچھے مولانا عبدالحی صاحبؒ بیٹھے ہیں۔ ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوکر فرماتے ہیں: ''ماسٹر صاحب! آپ ''نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ'' کا مراقبہ کیا کریں۔'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس مراقبہ کے کیا معنی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''مولوی عبدالحی صاحب سے پوچھ لینا!'' ماسٹر صاحب فرماتے ہیں: پھر میں نیند سے بیدار ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخؒ کے سلسلۂ عالیہ کو دُنیا کے اندر عام تام فرما کر خلقِ خدا کی ہدایتِ کاملہ کا ذریعہ بنائے، اور صاحبزادگان کو حضرت والدؒ کے نقشِ قدم پر چلائے تاکہ یہ چشمۂ رُوحانی اُمتِ محمدیہ کی ہدایتِ عامہ کے لئے حضرتؒ کی باقیات الصالحات کا ذریعہ بنے۔

آپؒ نے حضرتؒ کی وفات کے بعد جامعہ بہلویہ قائم کیا، اور ساتھ ہی خانقاہ بھی، آپؒ سے کثیر تعداد میں خلقِ خدا نے فیض اُٹھایا، تین سال قبل آپؒ بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے، اور خانقاہِ بہلویہ میں آپؒ کی تدفین ہوئی۔

مولانا محمد ہاشم صاحبؒ:

آپؒ،حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کے چھوٹے بھائی تھے،بہلی شریف کا مدرسہ آپؒ کی نگرانی میں چلتا تھا، حضرتؒ کی وفات حسرت آیات کے تین ماہ بعد سرطان کے موذی مرض سے وفات ہوئی، پسماندگان میں چھ لڑکے، چار لڑکیاں اور دو بیوائیں ہیں۔ بڑے خلیق اور متواضع تھے،تقریباً پینتالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہٗ:

حضرتؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، آپ مدرسہ اشرف العلوم کے مہتمم ہیں، اور حضرت بہلویؒ کی خانقاہ کی خدمت بھی اب انہیں کے سپرد ہے،آپ مدرسہ خیرالمدارس ملتان کے فارغ التحصیل ہیں، مدرسہ اشرف العلوم میں مدرّس کی حیثیت سے پڑھاتے بھی ہیں۔

آپؒ کو حضرتؒ نے ۱۹۷۶ء میں خلافت کی دستار پہناتے ہوئے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا: تکمیل تو آپ نیک لوگوں کی دُعاؤں سے ہوگی، اگر آپ نے میرے بچے کے لئے دُعا نہ کی تو پھر میری بدقسمتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ موصوف کو حضرتؒ کا صحیح جانشین بنائے۔

صاحبزادیاں:

حضرت والاؒ کی کل چھ صاحبزادیاں تھیں، سب کو قرآن حکیم، ابتدائی دینی کتب اور ترجمہ قرآن پڑھایا، سب بچوں، بچیوں کو قرآن پڑھاتی ہیں اور خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔

وصایا:

حضراتِ اکابر جس طرح اپنی زندگی میں متعلقین و خدام، نسبی و رُوحانی اولاد کو جادۂ حق پر قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح وہ دُنیا سے جاتے وقت بھی ان کو ایسے راہ نما اُصول دے جاتے ہیں جن کو اپنا کر ان کے لئے منزلِ مقصود تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔ حضرت بہلویؒ نے بھی اپنی اولاد اور متعلقین کو وصایا اور ہدایات سے نوازا، مناسب معلوم ہوتا ہے، انہیں قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے۔

اولاد کو وصیت:

آپؒ نے اپنی اولاد کے لئے درج ذیل وصیت فرمائی:

۱:... وراثت حسبِ شریعت تقسیم کریں اور اس میں کسی قسم کی فروگزاشت نہ کریں، قلیل کثیر میں ورثاء کا حصہ وحق واجب ہے۔

۲:... بدعات، رُسومات مثلاً: جمعراتیں اور مروّجہ قل خوانی سے بچیں اور دُوسروں کو بھی بچائیں۔

۳:... راگ باجے سننے سے محبت بڑھانے کا طریقہ مسنون نہیں، مذموم ہے۔

۴:... عرس کرنا یعنی مروّجہ سالانہ خیرات بھی بدعت ہے۔

۵:... ستائیس رجب کو خیرات کا التزام کرنا اور ثواب سمجھنا بھی سنت میں وارد نہیں۔

۶:... اسی طرح عاشورہ کے دن روزہ رکھنا تو مسنون ہے، مگر اس دن کھانا نہ کھانے کو ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

۷:... عاشورہ کی گیارہویں تاریخ کو خیرات کرنا، بہو، بیٹی کو عمدہ کھانے

پہنچانا اور جس سے دُنیوی نزاع ہو، اس دن اس کو معاف کرنا اور کرانا، جس کو عرفِ عام میں بخشوانا کہا جاتا ہے، اس کو ثواب سمجھنا بدعت ہے۔

۸:...درس و تدریس، خصوصاً حدیث شریف کی تدریس میں سعیٔ تمام کریں۔

۹:...اپنی جائیداد فروخت کر کے بھی اگر تعلیم دلانی پڑے تو دریغ نہ کریں، سب رحمتیں ہوتی جائیں گی۔

۱۰:... اِخلاص کا اہتمام کریں کہ اِخلاص ہر کام میں ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرماویں۔

۱۱:...بڑوں کی عزّت و حرمت کو ضروری سمجھیں۔

۱۲:...مدرسہ اشرف العلوم کو اراکینِ شوریٰ کے ماتحت چلائیں۔

۱۳:...اراکین کی عزّت کریں، ان کے مشورے پر چلنے کی سعی و کوشش کریں، اپنی رائے کو مستقل نہ کریں، بندہ نے اپنے بچوں کو حتی الوسع دینی کام میں لگایا ہے، دین کا علم پڑھایا ہے، نہ انگریزی تعلیم دی ہے اور نہ کسی کسبِ معاش، مثلاً: طب و ہنر سکھلانے میں توجہ دی ہے، نہ لوگوں کی ملازمت کی اور کرائی ہے، بلکہ اپنی وسعت کے مطابق ان کی ہر اعتبار سے خدمت کی ہے، ان کے خوش رکھنے کی سعی کی ہے۔ اپنے خیال میں یہ اس لئے کیا ہے کہ یہ پڑھیں پڑھائیں، دین کی خدمت کریں، ان کی روزی کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ اب تک یہ بچے پڑھ، پڑھا رہے ہیں، اب بھی ان کو یہی وصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی دین کی تعلیم و تعلّم اور قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف میں ہی بسر کریں، روزی کا غم نہ رکھیں، اس لئے کہ ارشادِ الٰہی ہے:

”وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا“

(ہود:٦)

اگر اس کام کو رضائے الٰہی، اِخلاص سے کرتے رہے، تو انشاء اللہ تنگی سے بچتے رہیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

"وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا. وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ." (الطّلاق:۲،۳)

مسجد کو نہ چھوڑیں، قرآن وحدیث، مہمان نوازی اور خدمتِ خلق کو خلوص سے کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ کے مہمان بن کر رہیں، واللہ خیر الرازقین، وخیر المنزلین۔

حضرت عمران علیہ السلام نے منّت مانی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے لڑکا دیا تو میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردوں گا، لیکن قدرت خدا کی کہ لڑکی (حضرت مریم علیہا السلام) پیدا ہوئی، آپ نے منّت کے مطابق بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردیا، وہیں رہتی تھیں، اور حضرت زکریا علیہ السلام ان کی پرورش کرتے تھے، جب آپؑ ان سے ملنے کے لئے آتے تو بی بی مریم کے پاس بے موسم کے میوے موجود پاکر حیران ہوجاتے، آپؑ ان سے پوچھتے: یہ میوے کہاں سے آئے ہیں؟ تو جواب دیتیں: یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں! مقصد یہ تھا کہ جو خدا تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرتا ہے، اس کی روزی کا سامان اللہ تعالیٰ بنادیتے ہیں۔

مسجدیں کعبہ شریف کے نمونے ہیں، جو مسجد کی خدمت کرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا غیب سے سامان پیدا فرمادے گا۔

متعلقین کو وصیت:

کبھی اپنی ریاضت پر مغرور نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اگر کوئی کافر بھی ریاضت کرے تو اس کو بھی انوار نظر آسکتے ہیں، اور وہ بھی اپنے مقصد تک پہنچ سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ محض وصول مقصود نہیں، بلکہ مقصود، قبول ہے۔ اسمِ "مـــضـــل" کا مظہر جہنم

ہے، کافر کی رسائی وہاں ہوگی، اور مظہرِ اسم "ھــادی" کا جنت ہے، مؤمن کی رسائی یہاں ہوگی۔

جہلاء کو اشغال نہ بتلانا چاہئے، کیونکہ اس سے کبھی کشف ہونے لگتا ہے اور وہ اس کی تأویل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے، کیونکہ کشف اکثر کسی نہ کسی صورتِ مثالی میں ہوتا ہے، جومحتاجِ تأویل ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ ان کو صرف ذکر ہی تعلیم کیا جائے۔

طالبِ حق کو چاہئے کہ اوّل مسائل وعقائد اہلِ سنت والجماعت کے حاصل کرے، پھر رذائل حرص، اَمل، غضب، کبر، ریا وغیرہ سے تزکیہ کرے، اور اخلاقِ حمیدہ صبر، شکر، اِخلاص وغیرہ سے منوّر ہو، گناہ ہوجانے پر توبہ کرے، نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کرے، خلافِ شرع فقراء کی صحبت سے بچے، لوگوں سے بقدرِ ضرورت تعلق رکھے، تشویش کو دِل میں نہ آنے دے، خورد ونوش اور باقی کام دُنیوی و دِینی مجاہدہ وغیرہ میں اعتدال رکھے، حق تعالیٰ کی طلب میں بے چین رہے، غرباء اور مسافروں پر مہربان رہے، کم ہنسے، زیادہ روئے، موت کا ہر وقت خیال رکھے، کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکوکار، باوقار، بُردبار رہے، رُسومِ جہل سے بچے، مرشد کا تمام درجہ ادب کرے، اور ہمیشہ استقامت کی اِلتجا کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ ہی پر ہر کام میں بھروسا کرے۔

خلفائے کرام:

حضرت بہلویؒ نے سلسلے کو جاری رکھنے اور افادۂ خلق کی غرض سے اپنے بعض متعلقین ومسترشدین کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپؒ کے خلفاء کی صحیح تعداد تو شاید کسی کو بھی معلوم نہ ہو کہ آپؒ کے ہاں باقاعدہ مجازین اور خلفاء کی فہرست جاری کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا، تاہم جن حضرات کے نام دستیاب ہوسکے یا جن کی خلافت کا کسی تقریر وتحریر میں اعلان ہوا، خدام نے ان کے نام درج کردیئے ہیں، ان

میں سے بیشتر اس دُنیا سے جاچکے ہیں، اور چند ایک بقیدِ حیات ہیں۔ خلافت شیخ کی طرف سے اعتماد کی ایک سند ہوتی ہے، اگر عند اللہ وہ شخص مقبول ہوتو چاہے اس کا نام فہرست میں درج نہ بھی ہو، اس کے مرتبے و مقام میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اور اگر خدانخواستہ کسی کو اپنے شیخ سے خلافت و اجازت نہیں، تو چاہے لاکھ بار اس کا نام شائع ہو، اس سے ان کا عند اللہ درجہ بڑھ نہیں جائے گا۔ اس لئے اگر کسی کا نام رہ جائے تو اسے خدام کی لاعلمی سمجھا جائے۔

اسمائے گرامی خلفائے کرام:

ہمارے ناقص علم کے مطابق، وہ خلفائے کرام جو اس وقت حیات ہیں، درج ذیل ہیں:

۱:... صاحبزادہ حضرت مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ حضرت بہلوی شجاع آباد۔

۲:... حضرت حاجی محمد حسین صاحب، ککرے والہ شجاع آباد۔

۳:... حضرت مولانا عبدالکریم صاحب، روڈو سلطان جھنگ۔

۴:... حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، اٹھارہ ہزاری۔

۵:... حضرت صوفی عبدالرحمٰن صاحب، سرگودھا۔

۶:... حضرت سید بھاون شاہ صاحب، بستی کھوکھر شجاع آباد۔

۷:... حضرت احسان الحق صاحب، بودلہ شجاع آباد۔

۸:... حضرت مولانا محمد عابد صاحب، ملتان۔

نوٹ:... مولانا موصوف کا نام حضرت کے خلفاء میں اس لئے شامل کیا گیا کہ تفسیرِ بہلوی اور انوارِ بہلویہ میں حضرت کے خلفاء میں درج تھا، اس سلسلے میں کچھ

حضرات نے کچھ تحفظات کا اظہار کیا، تو راقم نے براہ راست ان سے بھی اس سلسلے میں بات کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نے ان کو تلقینِ ذکر کی اجازت دی تھی، اور صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالحی قدس سرہٗ نے اُسے ایک گونہ خلافت کا نام دے کر اور حضرت کی طرف سے اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، اس لئے کم از کم باجازت خلفاء کے درجہ میں اجازت حاصل ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ خلفاء شام اور بنگلہ دیش میں بھی ہیں، افسوس کہ ان کے نام معلوم نہ ہوسکے، اسی طرح بہت ممکن ہے کہ ہند و پاک کے بعض حضرات کے نام بھی ہمیں معلوم نہ ہوں۔

وہ خلفائے کرام جو اس دُنیا سے رحلت فرماگئے:

* صاحبزادہ حضرت اقدس مولانا عبدالحی شجاع آباد قدس سرہٗ۔
* حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل جلال پوری قدس سرہٗ۔
* ولیٔ کامل شیخ المشائخ حضرتِ اقدس مولانا علی المرتضی صاحبؒ گدائی شریف ڈیرہ غازی خان۔

مؤخر الذکر حضرتؒ بہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے پیر بھائی تھے، آپؒ کو حضرت مولانا فضل علی قریشی شاہ صاحبؒ سے بھی خلافت حاصل تھی، بعد میں آپؒ نے حضرت بہلوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی طرف رُجوع فرمایا، تو حضرت بہلویؒ نے بھی آپؒ کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

* حضرتِ اقدس جام شوق محمد قدس سرہٗ شوق آباد، جلال پور پیروالا۔
* حضرت قاری شیر محمد رحمۃ اللہ علیہ، پڈعیدن۔
* حضرت مولانا غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ، منسے والے۔
* حضرت حافظ دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ، روڈو سلطان جھنگ۔

* حضرت مولانا شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ، ابدالی مسجد ملتان۔
* حضرت مولانا بشیر احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ، لودھراں۔
* حضرت مولانا حکیم غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ، گڑھ مہاراجہ۔
* حضرت مولانا حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مانکوٹ۔
* حضرت مولانا محمد عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ، نور پور۔
* حضرت مولانا محمد نواز رحمۃ اللہ علیہ، ڈیرہ اسماعیل خان۔
* حضرت مولانا کلیم اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مسکین پوری۔
* حضرت مولانا عبیدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، ملتان۔
* حضرت مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، چوک شہیداں ملتان۔
* حضرت مولانا حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ، کبیر والا۔
* حضرت مولانا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ، پڈعیدن۔
* حضرت مولانا دولت خان رحمۃ اللہ علیہ، بلوچستان۔
* حضرت مولانا قاری شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ، سرگودھا۔

وفات:

خالقِ کائنات کا دستور ہے کہ بڑی مدّت کے بعد کسی انسان کو کامل بناتے ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا!

ہمارے حضرتؒ بھی انہیں نفوسِ قدسیہ میں سے تھے، آپؒ زندگی کے آخری لمحات میں گویا کہ اپنے متعلقین کو زبانِ حال سے پکار پکار کر فرما رہے تھے:

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
گرچہ بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے!

آپؒ فرماتے تھے: اللہ والے دُنیا سے رُخصت ہوجاتے ہیں، اپنا مثل چھوڑ کرنہیں جاتے، جوکچھ حاصل کرنا ہے کرلو، پھرافسوس کروگے:

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکوگے!

آپؒ پر زندگی کے آخری ایام میں کئی امراض کا حملہ ہوا، یوں تو حضرتؒ کو شوگر کے مرض نے ہی نڈھال کردیا تھا، لیکن آخر میں تو گردے بھی جواب دے گئے تھے، بالآخر وہ دن بھی آگیا جس دن ہر شخص کو اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رُخصت ہونا ہے۔ مرض الوفات سے چند دن پیشتر آواز بھی تقریباً بند ہوگئی تھی اور غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، جب حضرتؒ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کرنے لگی تو زمزم پلایا گیا، جس سے قلبِ اطہر سے اللہ، اللہ کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔ وفات کے بعد آپؒ کے چہرۂ انور پر انوار کی ایک خاص کیفیت تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپؒ لقاءِ محبوب کے اشتیاق میں مسکرا رہے ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

نشان مرد مؤمن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

۲۲محرّم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۷۸ء، سوا نو بجے رات کو جان جان آفریں کے سپرد فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون!

صبح کی نماز کے بعد ہزاروں افراد، حضرتؒ کے آخری دیدار کے لئے پہنچ چکے تھے، پنجاب کے اکثر مدارسِ عربیہ میں عام تعطیل کا اعلان کردیا گیا، عیدگاہ مخزن

العلوم خانپور، دارالعلوم کبیر والا، قاسم العلوم ملتان، مدرسہ خیرالمدارس ملتان، عیدگاہ احیاء العلوم مظفرگڑھ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے تمام طلباء و مدرّسین آگئے، غسل وکفن دے کر جنازہ مہمان خانے میں رکھا گیا تو حضرتؒ کے آخری دیدار کے وقت لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور پروانوں کی ایک لمبی قطار تھی۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ نے حضرتؒ کے جنازے میں ہزاروں علماء، صوفیا، متعلقین و معتقدین کی موجودگی میں تقریر فرمائی، اور حضرتؒ کے مشن کو جاری رکھنے کا عہد لیا، وہ منظر قابلِ دید تھا، جب آپؒ فرما رہے تھے کہ: مجھے حضرت شیخ بنوریؒ کی وفات کے بعد یہ دُوسرا بڑا شدید صدمہ ہوا ہے۔ جنازہ ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک بڑے میدان میں پڑھایا گیا، حضرت درخواستیؒ نے خود جنازہ پڑھایا، تقریباً چالیس ہزار عشاق نے جنازے میں شرکت کی۔

حضرت حکیم الاُمت مجدّد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے: ایک کفن چور، کفن چوری کرنے کے لئے ایک عورت کی قبر میں داخل ہوا، قبر سے اس عورت کی آواز آئی: ''تعجب ہے! بخشا ہوا، بخشے ہوئے کے کفن کی چوری کر رہا ہے''، کفن چور ڈر گیا، اور پوچھا: یہ ماجرا کیا ہے؟ میں تو گناہگار ہوں، اندر سے آواز آئی: ''جب میرا جنازہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خاص مہربانی کرتے ہوئے میرا جنازہ پڑھنے والوں کو بخش دیا، تم بھی جنازے میں شامل تھے۔'' اس پر کفن چور بڑا نادم ہوا، آئندہ سے اس گناہ کی روزی سے توبہ کرلی۔

شجاع آباد کی تاریخ میں آپؒ کے جنازے سے بڑھ کر کوئی جنازہ نہیں دیکھا گیا:

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اسی دن مغرب کے قریب جامع مسجد مدرسہ اشرف العلوم کی بائیں جانب اکابر کی اس مقدس امانت کو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ دفن کردیا گیا، اور:

اِک آسرا تھا دید کا باقی، سو مٹ گیا!

مکتوبات:

اب آخر میں حضرتِ اقدس قدس سرہٗ کے چند اصلاحی مکتوبات درج کئے جاتے ہیں، جن کے مطالعے سے جہاں تصوف اور سلوک و احسان کے بہت سے عقدے حل ہوں گے، وہاں حضرتؒ کے اندازِ تربیت کا بھی اندازہ ہوگا۔ یہ تمام مکتوبات ایک ہی شخصیت حضرتِ اقدس جناب قاری شیر محمدؒ ساکن پڈعیدن کے نام ہیں، جو حضرتِ اقدس کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ کسی مکتوب میں تو حضرت قاری صاحبؒ کا سوالیہ مکتوب بھی ہمراہ ہے، جسے ''حال'' کا عنوان دے کر، حضرتؒ کے جواب کو ''ارشاد'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور کہیں حضرت قاری صاحبؒ کا مکتوب ساتھ نہیں تھا، اس لئے وہاں صرف حضرتؒ کا جواب ہی درج کردیا گیا ہے۔ حضرتؒ کے جواب سے حضرت قاری صاحبؒ کے مکتوب کا حاصل بھی سمجھ آجاتا ہے۔ یہ تمام مکاتیب راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں اور برادرم مولانا محمد عابد مدرّس خیرالمدارس مدظلہٗ نے ان کو الگ پچاس مکتوبات کے عنوان سے ایک رسالے کی شکل میں بھی شائع کردیا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء!

ا:... السلام علیکم! محبت نامہ ملا، حال معلوم ہوا، عیوب نفسی کی تقریر بعد مغرب والی آپ کو گراں نظر آئی۔ بھائی! تصفیہ نعمت ہے، اِستغراق، انوار، سکر، صحو وغیرہ یہ نعمتیں ہیں، مگر مقاصدِ اعلیٰ اور ہیں، وہ تزکیہ ہے، جس کو قرآن مجید:

"وَيُزَكِّيهِمْ" اور: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" سے تعبیر فرماتا ہے، جس کو فرضِ منصبی رسالت کے ارکان میں سے ایک رُکن قرار دیا ہے۔ اسی کے متعلق بندہ کی اکثر تقریر، ترغیب، ترہیب، تمہید ہوا کرتی ہے، جس سے انسان بینا و صاحبِ بصیرت ہوتا ہے، سعی کرتا ہے، جدوجہد کرتا ہے۔ عُجب، کبر سے بَری ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ خودی دُور ہوتی ہے، دُوئی سے بھاگتا ہے، توکل آتا ہے، تفویض پر کامیاب ہوتا ہے، شکر کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے، غفلت، غرور، ضلال (گمراہی) دفع کرتا ہے، باہمت ہوتا ہے، مراقبات کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے، مصداق مراقبات کو حاصل کرتا ہے، مقامات، مدارج، منازل سے روشناس ہوتا ہے۔ علاجات امراض کی تشخیص آتی ہے، وغیر ذالک۔ ایسی چیزوں کو دانشمند سالک و عارف تلاش کرتے ہیں۔ "کَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ" (دانشمندی کی بات مؤمن کی گمشدہ چیز ہے)، آپ اس کو سخت سمجھیں یا نرم..... احباب کو سلام وعرض دُعا، جوابی لفافہ ساتھ ہونا چاہئے۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۱۸ر صفر ۷۷ ۱۳ھ

۲:... السلام علیکم! قبل ازیں جواب محبت نامے کا تحریر کرچکا ہوں۔ بھائی! تصفیہ آسان ہے، چلہ کشی وخلوت وترکِ کلام وکثرت (ذکر) سے اکثر ہوجاتا ہے۔ مگر تزکیہ اعلیٰ وافضل واکمل وبرتر ہے، ہرکس کو نہیں دیتے اور نہ ہرکس تزکیہ کراسکتا ہے۔

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

گر بہ ہر زخمے تو پرکینہ شوی

پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

جب اپنے عیوب واغلاط وامراض سننے کی طاقت وتحمل نہیں تو ان کے دفع

کرنے کا کب حوصلہ ہوگا؟ شیرینی ہر کس چاہتا ہے، مگر تلخ دوا پینا دُشوار ہے۔ قربِ مرشد اور بُعد میں ہزارہا فرق ہے۔ آنکھ بچہ میں نور اور کان میں سنانا، زبان میں گفتار اور دماغ میں قوت و عقل اور بدن میں صحت اگرچہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے، مگر واسطہ ماں کا دُودھ ہے۔ اسی طور کمالات وتزکیہ اور عیوب بینی و تحصیلِ اخلاقِ حمیدہ عطا اللہ تعالیٰ کی ہے، مگر واسطہ شیخ و مرشد ہے، اور اتباعِ سنت و ترکِ بدعت ہے۔ جتنی شیخ سے محبت زائد، اسی قدر فیض زائد، اگرچہ دُور ہووے، اور جس قدر محبت کم اتنا ہی فیض کم، اگرچہ نزدیک ہووے۔ (صحبت) مرشد مثل مقناطیسِ رُوحانی کے ہے کہ (اس سے) سب میل کچیل بھی دُور ہوتی ہے اور رُوحانیت کی کشش سے، رغبت، عبادت و طاعت (پیدا ہوتی ہے اور) دفعِ (غفلت) کسل بھی ہوتا ہے۔ خطوط لکھا کریں اور جواب کو چند بار بڑے تأمل (غور) سے پڑھ کر عمل کیا کریں۔ ذکر کی محویت اور رونا آنا اور بازار میں بھی ذکر وفکر رہنا مبارک درجہ ہے، اللہ تعالیٰ ترقی عطا فرماوے، آمین! مراقبہ جماعتی کیا کریں، احباب کو سلام۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

از بہلی ۲۶ صفر ۱۳۷۷ھ

۳:... مکرّم عزیز سلامت باشید، السلام علیکم! محبت نامہ ملا، حال معلوم ہوا، محبت شیخ و مرشد، سعادت کی کلید ہے۔ اسی طور فرمایا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ہمارا کام زیادہ تزکیہ کا ہے، تصفیہ کا کم ہے، اسی لئے ہم سے محبت کم ہوتی ہے۔ ہاں! جس کو تزکیہ کی شان ملحوظ ہے، اس کو محبت غالب ہوجاتی ہے۔ نیز سچ پوچھو تو بندہ اس لائق بھی نہیں۔ امراض (محض) کثرتِ ذکر سے مستور ہوجاتے ہیں، پھر وقت پر ظاہر ہوجاتے ہیں (اور یہ حقیقت بھی سمجھ لینی چاہئے کہ) تزکیہ اصل ہے اور تصفیہ (بھی) گو نعمت ہے، مگر (تزکیہ سے تو) ہزار درجے کم ہے۔ آپ ہمت کریں، اپنا

کام، ذکر، مراقبہ، تلقین، تبلیغ، مراقبہ جماعتی، احباب کو بلاکر، یا جا کر ضرور کریں، اور جو کچھ ریا ونمود کے خیال آویں ان پر اِستغفار کریں اور کام نہ چھوڑیں، ریا ایک دن اِخلاص ہوجاوے گا، انشاء اللہ، اور خط ایک صفحے کا جلدی جلدی لکھا کریں۔ اپنے کان اپنے دِل پر رکھیں۔ جنگل، پہاڑ میں نکل جانا رَہبانیت ہے، یہ اسلام میں پسندیدہ نہیں، اسلام میں (تو پسندیدہ یہ ہے کہ) مجلس میں یکتائی ہووے، جلوت میں خلوت ہووے۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۴:...حال: حضرت! جس وقت آپ زبان مبارک سے سبق تلقین فرماتے ہیں، دِل و دِماغ میں پیوست ہوجاتا ہے، دن رات اسی سبق پر خیال رہتا ہے، رات کو نیند نہیں آتی، بہت کم آتی ہے، لیکن نوافل پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، مگر نیند نہ آنے سے جو دماغ میں کوفت ہوتی ہے وہ نہیں، احسانات پر نظر رہتی ہے، عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ (کبھی کبھی بے خود ہوکر) چلتے چلتے مٹی اور گرد وغبار پر سجدہ کرتا ہوں، لیکن اتنا ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے، ریا نہ ہوجائے، سجدے کے بعد کچھ تسکین ہوجاتی ہے، بے ساختہ ایسے الفاظ نکلتے ہیں: میرے پیارے، میرے محبوب! قربان جاؤں، پھر خیال آتا ہے میری کیا چیز ہے جو قربان کروں؟ پھر اپنی کوتاہیوں پر نظر جاتی ہے تو ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے......''

ارشاد: بھائی مکرم، سلامت باشید، السلام علیکم!

عاشقاں را نصیب از معشوق
جز خرابی و جاں گدازی نیست

بگریستین، بگریستن، خندیدن، حیران شدن، ومنتظر شدن، عاشقوں کا کام

ہے، اپنے خط کے لفظوں پر (جن پر لکیر کھینچ دی گئی ہے)، سوچیں کہ کیا ہی رحمت و نعمت کے عجیب حالات ہیں، یہ وہ انوار ہیں کہ کسی کسی کو نصیب ہوتے ہیں۔ اگر عیوب بینی بھی ساتھ مل جاوے اور عیوب بینی کے سبب اپنے ہوش و حواس (کے تمام حالات مثلاً:) کاروبار، گفتار، آمد و رفت میں اپنے (احوال و کیفیات) پر سے نظر اُٹھ جاوے (تو پھر یہ) کیا ہی عجب ہے:

ہر کہ او بر عیب خود بینا شود
روح اورا قوتے پیدا شود
پڑی اپنے گناہوں پر جب نظر
تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

اسی کا نام تزکیہ ہے، خوب سمجھ لے، اپنی اغلاط پر نظر، پھر اس کی تشخیص، پھر اس کا علاج (جیسے مرشد فرمائیں، کرے)، پھر شفا، اس کا نام سلوک ہے۔

عبداللہ عفی عنہ

یکم ربیع الاوّل ۱۳۷۷ھ۔"

۵:... السلام علیکم! کارڈ جوابی میں تحریر کر چکا ہوں کہ اصل مقصد سلوک (کا یہ ہے کہ) رَبّ تعالیٰ کی محبتِ صحیحہ، دائمہ، کاملہ نصیب ہوجاوے۔ مرشد کی بیعت، مراقبہ، ذکر، سب اس کا وسیلہ وسبب ہیں۔ آپ کو اب اللہ تعالیٰ کی محبتِ غالب نصیب ہونے لگی ہے، خدا تعالیٰ کرے کہ غالب و کامل و دائم ہوجاوے، اور ہمیں بھی نصیب فرماوے، آمین! (آپ اس نعمت کے حاصل ہونے پر) شکر کریں، شکر کریں، شکر کریں، اس سے دوئی مٹنے لگے گی۔ "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اور "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ" کا پَرتو پڑے گا، پھر مرشد سے محبت، اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگی، بلکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعتِ مطہرہ سے (محبت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی)

اور پھر مخلوق سے محبت یا عداوت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ ربّ تعالیٰ اپنی حقیقی تعریف و ثنا خود فرماوے یا پھر اس کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، ہم لوگ کیا کرسکیں؟

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۶:... حال: حضرت! ذکر و عبادت میں لذّت نہیں آتی، حصولِ معاش کا فکر اس لئے دامن گیر رہتا ہے کہ بیوی، بچوں کے بھی آخر حقوق ہیں، علاج تجویز فرمائیں، نیز میرے لئے کون سی کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا؟

ارشاد: السلام علیکم! محبت نامہ آیا، حال معلوم ہوا۔ لذّت آوے یا نہ آوے، ہمت کریں، خود ذکر میں کوشش کریں اور کرائیں، عبادت غلامی کا نام ہے، لذّت کا ہونا اس میں ضروری نہیں۔ اسی طرح ذکر (کے حال) کو سمجھ لو، ہر کس اپنے پرائے کو ربّ تعالیٰ کی محبت و ذکر کی تبلیغ کرو، اس میں وقت دو، معاش کو ربّ تعالیٰ کے سپرد کرو، کتب مطالعے کے لئے اپنے مرشد کی کافی ہیں اور (کتب) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اور (مطالعہ) مکتوبات امامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی) رحمۃ اللہ علیہ کا بس (آپ کے لئے کافی ہے)، احباب کو سلام وعرضِ دُعا۔ والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۷:... مکرم عزیز، سلامت باشید، السلام علیکم!

بے شک دُرست ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی موت و حیات اور نفع وضرر کا مالک نہیں ہے، جب کسی کو اللہ تعالیٰ نفع دینا چاہتا ہے تو (مخلوق میں سے) کسی کے ہاتھوں سے دِلاتا ہے، ظاہر میں یہ وہ (سبب) فائدہ ونقصان دے رہا ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے بس۔ ..... بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کچھ نہ کچھ (اختیار

و) طاقت بخشی ہے، جس سے وہ اپنا فائدہ ونقصان اور طاعت ومعصیت کرتے ہیں اور جزا وسزا کے مستحق ہوتے ہیں، پھر بعض کام وہ ہیں جن کا انسان کو اختیار ہے، جیسے لوہار، مستری، درزی وغیرہ کو ہے، اور بعض وہ ہیں جن کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جیسے بچہ دینا یا شفا بخشنا، مارنا، جلانا، عزّت وذلت بخشنا، پیدا کرنا وغیرہ۔ یہ سب کام مافوق الاسباب ہیں، اور ان میں انسان غیرمختار ہے، اور ماتحت الاسباب میں انسان کسی قدر مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ مافوق الاسباب میں فرماتا ہے کسی کے اختیار میں نہیں، اور ماتحت الاسباب میں فرماتا ہے: ”تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى“ ایک دُوسرے کی اچھے کام میں مدد کرو اور بُرے میں نہ کرو، اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو تکالیف دینا جرم کی سزا نہیں، (بلکہ درجات بلند کرنے کے لئے ہے)، اور ہم جیسوں کو سبق ہمت کی بلندی کا دینا ہوتا ہے، جب تشریف لاؤ گے تو تفصیل سے سمجھادوں گا، احباب کو بعد سلام عرضِ دُعا۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۸:... حال: الحمدللہ! گھر میں خیریت ہے، جناب کی خیریت معلوم ہونے سے از حد خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے، آمین۔ حضرت! میرے لئے ایمانِ کامل اور محبتِ شدید کی دُعا کریں، فقیری نہ کسی نے دینی ہے، نہ اب ملنے کی اُمید ہے، اب تھک گیا ہوں۔

ارشاد: مکرم قاری صاحب، سلامت باشید، السلام علیکم!

آپ نے غلطی سے فقیری کا مطلب سمجھا نہیں، فقیری ”فنا فی اللہ“ کا یا ”بقا باللہ“ کا نام ہے۔ کیا اس کے آثار آپ پر نمودار نہیں ہیں؟ نعمت، شکر سے زیادہ ہوا کرتی ہے، یہ تو ناشکری ہے۔ خبردار باش!..... بال بچوں واحباب کو سلام وتاکیدِ ذکر،

جو حکم آپ پر ذکر و مراقبہ کا کیا ہے، وہ پورا کرو، تمہیں غیر سے کیا ہے؟

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۹:... السلام علیکم! الحمدللہ تعالیٰ کہ بات سمجھ میں آگئی، بھائی! اصلاحِ قلب کے لئے مدّت درکار ہے، اصلاح آپ لوگوں نے واہ، واہ، ہا، ہو، شہرت، ناموری وغیرہ میں سمجھی ہے، ہائے افسوس! ..... (حالانکہ اس کی حقیقت میں تو) خودی (عجب) کا دفعیہ، اپنے حالات (ومواجید کے مشہور ہونے کی خواہش) کی نفی، ومع ہذا (یعنی اس کے ساتھ) رَبّ تعالیٰ کا شکر کہ نیک کام کرا رہا ہے، ہر نعمت دِینی و دُنیوی (خواہ) چھوٹی سے چھوٹی ہو، مگر شان والی نظر آوے، اپنے کو حقیقتاً ناقص سمجھے۔ ریا، خودی، عجب، کبر، گم یا کم ہوجاویں، اِخلاص آجاوے وغیر ذالک:

تو در وگم شو وصال ایں است و بس
تو مباش اصلاً کمال ایں است و بس

''گم شو'' اور ''مباش'' کا مطلب یہ نہیں کہ بے ہوش ہوجاوے، بلکہ اس کا ارادہ، ارادۂ محبوب میں گم ہوجاوے۔

احباب کو بعد سلام عرض دعا تاکید ذکر و مراقبہ جماعتی۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۲۲/ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ

۱۰:... السلام علیکم! محبت نامہ ملا، حال معلوم ہوا، آپ کیوں اتنے ملال میں ہیں؟ فوج کی نوکری وغیرہ چھوڑ کر بزرگوں کی خدمت میں پہنچے۔ (اب تک) جو کچھ آپ کو ملا تصفیہ کی چیزیں تھیں، جذبہ، لذّت، اِستغراق، بے خودی وغیرہ۔ ان سب

میں انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ حاصل ہوا اور اتنا فائدہ ہوا، اب اس درجے پر ہوں، توجہ دی، لوگ لوٹ پوٹ ہوئے، ہائے ہو مچ گئی، جماعت دُگنی ہوگئی، شہرت کافی ہوئی، مرید زیادہ ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان حالتوں کے بجائے تزکیہ کی چیزیں رَبّ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، اپنے عیب نظر آنے لگے۔ پہلے ہستی وخودی تھی، اب نیستی و ناکسی و ناقصی کی جھلک پڑی، عبادت بھی ناقص نظر آئی، گناہ (کی قباحت) دِل و دِماغ کے سامنے ہے، پہلے دعویٰ تھا کہ میں یہ ہوں، وہ ہوں، اب دعویٰ ٹوٹنے لگا:

نہ تھی اپنے گناہوں کی جب تک خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پر جب سے نظر
تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا!

بس اپنے آپ کو "کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" دیکھنے لگا، یہ وہ لفظ ہے کہ اگر اپنی حقیقت پر ہے تو حقیقت کے سمندر کا موتی ہے، بیش قیمت ہے، آپ اس کی قیمت کیسے ادا کرسکیں۔ (چونکہ اس طرف توجہ نہیں) اسی لئے تو اپنے پر اور مرشد پر ناراض ہیں کہ کچھ نہیں ہوا، بے شک اگر صحیح طور پر ایسے الفاظ (جو خط میں اپنی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھے ہیں) اصلیت پر ہوئے تو شاید اصل کمال (عبدیت) سے ..... "مشت نمونہ خروار" آجاوے، احباب کو سلام۔

والسلام
عبداللہ
۱۸ر ستمبر ۱۹۵۹ء

۱۱:...مکرّم ومحترم المقام عزیز قاری شیر محمد صاحب، سلامت باشید۔

السلام علیکم! محبت نامہ، دردنامہ، خیریت نامہ نے پہنچ کر ما فیہا سے آگاہی

بخشی، بھائی! ایک حال ایسا سالک پر آتا ہے کہ اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھنے لگتا ہے۔ اسی (حالت کے بیان) پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک سالک (بوجہ عظمتِ الٰہی کے) اپنے آپ کو فرنگِ کافر سے بدتر نہ سمجھے گا (اس پر معرفت حرام ہے، یعنی) کوچۂ تصوف تک نہیں پہنچ سکتا۔ (سالک پر جب یہ حال آتا ہے تو) اس وقت اپنے آپ کو (حالاً) سب چیز سے بُرا سمجھتا ہے۔ حضرت شاہ احمد سعید رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے سنا کہ کسی کو گدھا کہہ رہا ہے، فرمانے لگے: دُنیا میں تو گدھا میں ہی تھا، شاید کوئی اور بھی ہوگا۔ اس وقت ان پر اپنی عدمیت (نیستی) کی جھلک وارد ہوا کرتی ہے۔ (واضح رہے کہ) انسان کی عدمیت اصلی اور ذاتی ہے، اور وجود و خیر (جو ہے وہ) محض عطا ہے، پس (جب سالک پر یہ حقیقت وارد ہوتی ہے تو اس وقت وہ) اپنے آپ کو شر ہی شر سمجھنے لگتا ہے، اس وقت جو چیز (نعمت) اس کو جسمانی یا رُوحانی مل رہی ہوتی ہے، مثلاً: کھانا، پینا، نماز پڑھنا، شکلِ انسانی کا نہ بدلنا، لوگوں میں بدنام نہ ہونا، خوار نہ ہونا، عیب پر پردہ پڑنا وغیرہ وغیرہ، سب کو محض فضل اللہ تعالیٰ کا سمجھتا ہے، اور تعجب کرتا ہے کہ کیا ہی فضل والا، کرم والا ہے اور ستار ہے کہ مجھ جیسے کو دُنیا میں نہ زمین میں دھنساتا ہے، نہ پتھر برسا کر ختم کرتا ہے، نہ بدنام کرتا ہے، مجھے جیسے کو مسجد میں نماز بھی پڑھوا دیتا ہے، ایمان بھی نہیں چھینتا، نہ ذکر چھین لیتا ہے وغیر ذالک۔ اگر آپ پر وہی حالت ہے تو شاید وہی (انکشاف عدمیت کا) اثر نمودار ہونے لگا ہو، گھبراتے کیوں ہیں؟

مرغ زیرک چوں بدام افتد اتحمل بایدش

اس (حالت کے آثار) سے انانیت "استحقاقِ انعام کا دعویٰ" کسی کی تعریف پر اِترانا، لوگوں سے کسی چیز کا طالب ہونا و خواہش مند ہونا وغیرہ وغیرہ (سب) ختم ہوجاتا ہے، (کیفیت یہ ہوتی ہے کہ) اگر کسی کو ذکر بتلایا، فائدہ ہوگیا (تو

اس کو) اپنے سے نہیں سمجھتا، اور (اگر) فائدہ نہ ہوا، تو غم نہیں کرتا (اور سمجھتا ہے کہ اللہ پاک کو یونہی منظور تھا، نیز ہر وقت) حیرت میں رہتا ہے اور فضل و ستاری پر تعجب کرتا ہے۔ یقین رَبّ تعالیٰ پر بڑھاتا ہے کہ غریب نوازی اور ایسی غریب نوازی، سبحان اللہ! (اس جملہ کا لطف اہلِ ذوق سے پوچھیں) حوصلہ کریں۔ احباب کو بعد سلام عرضِ دُعا، اصل خط اور جواب دونوں محفوظ ہوجاویں تو بہتر ہے۔ والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۱۲:...مکرّم و محترم خلیفہ قاری شیر محمد صاحب و تمام احبابِ کرام، سلامت باشید۔

السلام علیکم! احباب سے شرفِ رُخصت لے کر (بحری جہاز میں) سوار ہوا، جگہ بفضلہٖ تعالیٰ اچھی مل گئی تھی، تمام جہاز اس سال بے مثال رہا کہ کسی کو ایسا چکر نہ آیا کہ جس سے بے خود ہوجاوے، کسی کو ایک دن، کسی کو دو دن رہا، بندہ کو ایک دو دن رہا، وہ بھی کم درجے کا، یہ سب آپ لوگوں کی دُعا ہے، وگرنہ میرے بڑے گناہ ہیں۔ سبحان اللہ! ایسے غلط کار کو حاضری میں بلاتا ہے، ایسے بدکار سے لبیک کہلائی جارہی ہے:

اجازت ہوتو آکر میں بھی ان میں شامل ہوجاؤں
سنا ہے کل ترے دَر پہ ہجومِ عاشقاں ہوگا
کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی!

مکہ مکرّمہ حاضری کے بعد پھر عریضہ لکھا جاوے گا، انشاء اللہ، تمام احباب کو اور گھر والی و بچہ اطال اللہ تعالیٰ عمرہٗ کو اور جماعت کو بعد سلام عرضِ دُعا۔ مراقبہ جماعتی

ہمیشہ کیا کریں، ہمت روزافزوں ہووے اور تبلیغ میں وقت دیا جاوے، والسلام!

عبداللہ عفی عنہ
از جدہ شریف
۲۹/اپریل ۱۹۶۱ء

۱۳:... حال: حضرتِ اقدس! اہلیہ سلام عرض کرتی ہے اور کہتی ہے ایک ماہ کے لئے آپ کے لنگر کی روٹی کھانا چاہتی ہوں، اگر یہ شرف بخش دیں تو زہے قسمت، بندہ بھی حاضر ہوگا، جیسے حکم ہو ارشاد فرماویں، آپ کو تکلیف نہ ہو۔

ارشاد: مکرّم محترم قاری صاحب، سلامت باشید السلام علیکم!

بھائی! مرشد کی خدمت میں چند دن رہنے کے لئے شرطیں ہیں:

۱:... رہنے والے کو مرشد سے کام ہووے، بس (ایک اللہ ہی کا) دھیان ہووے، انتظارِ فیض ہووے، فارغ وقت میں مجاہدہ ہو، مراقبہ ہووے، خدمت ہو، ادب ہو، غیر سے الگ ہو کر ایک کا ہو جاوے، نہ کسی کی تعریف، نہ شکایت، نہ گلہ، نہ عیب جوئی، نہ عیب شنوی اور نہ ''اشتغال غیر'' ہووے۔

۲:... مرشد کے گھر، بال بچوں کے (مزاج کے خلاف) الفاظ اور بے خدمتی اور بے توجہی اس کے لئے حجاب نہ بنے، اور بے محبتی کا موجب نہ ہووے۔

۳:... ساگ، دال پر اکتفا اور بھوک کو نعمت اور زمین پر سونا احسانِ خداوندی جانے کہ مجھے توفیق دے دی، وغیر ذالک۔ والسلام

۴:... جو سائیں دیوے تڑپ تپش ہو یا سکون و اطمینان، جو دیوے اس کی مہربانی ہے، اس کی مہربانی ہے، سالک بہرحال راضی برضائے یار رہے بس، ہمت

عالی رکھیں، مجاہدہ و تبلیغ حسبِ وسعت ہووے ضرور ضرور، سب کو بعد سلام عرضِ دُعا و ذکر۔

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۱۴:...حال: قبلہ! آٹھ سال کی عمر سے اس فقیری کے پیچھے لگا ہوں، آج تک اللہ کے فضل سے قدم نہ رُکا، نہ ہٹا، لیکن جو چاہتا ہوں وہ ملتا نہیں۔ (جس کی وضاحت کچھ یوں ہے) ایک تو رَبّ تعالیٰ کا تعلق میرے ساتھ عالمِ خالق کے ذریعے سے ہے، یعنی گندم، پانی، سورج، زمین، آسمان، سونا، جاگنا، رات اور دن وغیرہ کے ذریعہ سے۔ دُوسرا تعلق ہے خفی (بے کیف) جیسے رُوح اور جسم کے درمیان ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرا تعلق ان کے ساتھ ایسا ہوجائے (جیسے وہ چاہتا ہے)، اور ایک ایسا لگاؤ ہوجائے جو پختہ اور پکا ہو، مگر جو چاہتا ہوں وہ تحریر نہیں کرسکتا (میرا یقین ہے) اگر باری تعالیٰ ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی مجھے بھول جائیں یا چھوڑ دیں تو میرا وجود ختم ہوجائے، اور (چاہتا ہوں کہ) اِخلاص ایسا آئے جیسے رَبّ کی رُبوبیت میں کوئی شریک نہیں، خالق کی خالقیت میں بھی کوئی شریک نہیں، کن فیکون میں کوئی شریک نہیں، (ایسے ہی) میرے خیال و وہم و گمان میں بھی کوئی شریک نہ ہو، (بس ہر وقت اسی کا خیال رہے)، "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن" کا سا اِخلاص عطا فرماویں، آمین ثم آمین۔ باقی رہی دُنیوی تکلیف، یہ بھی نعمت ہے۔ باپ اپنے بیٹے کو کلفت میں دیکھنا نہیں چاہتا اور دوا پلاتا ہے، تو کیا میرا رَبّ محسن، ارحم الراحمین مجھے تکلیف دے کر راضی ہے؟ نہیں، نہیں! یہ جو کچھ ہے میرے فائدے میں ہے، میں ہندکا رہنے والا ہوں، دُکھ درد کا سہنے والا ہوں۔

ارشاد: مکرّم محترم قاری صاحب، سلامت باشید، السلام علیکم!

محبت نامہ پُر درد ملا، حال معلوم ہوا۔ بھائی! شکر کریں کہ پہلے اخلاقِ رذیلہ و

حمیدہ (جیسے) حسد و کبر اور شکر و اِخلاص وغیرہ کا پتا تک نہ تھا، مستی ہی مستی تھی، وہ بھی دماغ میں ابخرہ ذکر کا چڑھا ہوا تھا (گویا کہ) جنگلوں اور پہاڑوں میں سرگردانی تھی، کچھ تصفیہ تھا، تزکیہ کا نام بھی نہ تھا، لذّت تھی، وہ بھی جسمانی حظوظ سے بھری ہوئی، رُوحانیت کم تھی، اب: ۱: تزکیہ ہے، ۲: رُوحانیت ہے، ۳: عیوب بینی ہے، ۴: خودی کی کمی ہے، ۵: ہزار (ذکر و) مراقبہ (کے باوجود بھی) اپنے نفس (یعنی ذات) وعبادت و کمال پر نظر نہیں، ۶: لذّت کی خواہش نہیں، ۷: انوار کی طلب نہیں، ۸: اِخلاص کی طلب ہے، ۹: اخلاقِ رذیلہ کے دفعیہ کی فکر ہے، ۱۰: اور صحیح کمالات کا تقاضا ہے، کیا خودی و نفسانیت کا مٹنا مٹانا، اپنے حالات پر (اصلاح کے لئے) نظر ہونا، محض اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا اضطراب وقلق ہونا، آپ کی نظر و خیال میں کم درجہ ہے؟ ہوش کریں اور شکر کریں اور اللہ تعالیٰ کے آگے گڑ گڑائیں، ہر وقت طلب مزید کریں۔ ایسے حالات (نصیب ہونے) سے اللہ تعالیٰ سے تمام محبت بڑھے اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت بڑھے، اور پھر شریعت سے ۱: محبت، ۲: اعتقاد عمل بڑھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقلید سے تحقیق عطا فرمائے، آمین!

والسلام

عبداللہ عفی عنہ

۲۱ / جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

اشاعت التوحید

حصہ اول

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

رَبِّ يَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَيۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى، اَمَّا بَعۡدُ!

یہ مختصر رسالہ بچوں کے پڑھنے پڑھانے کے لئے ہے، انشاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گا، چھوٹے چھوٹے لڑکے لڑکیاں اپنی استعداد کے موافق اور بڑے اپنی سمجھ کے مطابق فائدہ لیں گے، وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡ اِلَّا بِاللّٰهِ!

سوال:...تم کو کس نے پیدا کیا؟

جواب:...ہمیں، ہمارے ماں باپ، آسمانوں، زمینوں اور تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

سوال:... ہم سب مخلوق کو پیدا کر کے زندگی میں کھانے، پینے اور جیتے رہنے کے سامان کون دیتا ہے؟

جواب:... جیتے رہنے کے یہ سب سامان، کھانا، پینا، کپڑے، دولت، غربت، بیماری، شفا، اور سب کچھ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔

سوال:...ہم مر کر کہاں جاتے ہیں؟

جواب:...اللہ تعالیٰ کے ہاں جاتے ہیں، جس کو ''عالَمِ برزخ'' کہتے ہیں، اور ''عالَمِ قبر'' بھی کہتے ہیں۔

سوال:... جب ہماری ابتدا، بقا اور انتہا اللہ تعالیٰ سے ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کو کس طور مانیں اور کیا اعتقاد رکھیں؟

جواب:... یہ اعتقاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ ایک ہے، خدا تعالیٰ ہی عبادت و بندگی کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں، وہ ہر بات کو جانتا ہے، کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں، بڑی طاقت و قدرت والا ہے، اُسی نے زمین، آسمان، سورج، چاند، فرشتے، آدمی، جن، غرضیکہ سب چیز کو پیدا کیا ہے، وہی تمام جہان کا مالک ہے، وہی مارتا اور جِلاتا ہے، یعنی مخلوق کی زندگی اور موت اُسی کے حکم سے ہوتی ہے، وہی تمام مخلوق کو روزی دیتا ہے، وہ نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ سوتا ہے، وہ خود بخود ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اُس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، نہ اُس کا باپ ہے، نہ بیٹا، نہ بیوی، اُس کا کسی سے رشتہ ناتا نہیں، وہ ان تمام تعلقات سے پاک ہے، سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، اُس کو کسی چیز کی حاجت نہیں، وہ بے مثل ہے، کوئی چیز اُس کے مشابہ نہیں (یعنی اُس جیسی نہیں)، وہ تمام عیوب سے پاک ہے، وہ مخلوق جیسے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، اور شکل، صورت سے پاک ہے، اُس نے فرشتوں کو پیدا کر کے دُنیا کے انتظامات اور خاص خاص کاموں پر مقرّر فرمایا ہے، اُس نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے تا کہ لوگوں کو سچا مذہب و طریقہ سکھلائیں، اور بُری باتوں سے بچائیں۔

سوال:... پیغمبر کون تھے؟

جواب:... پیغمبر اللہ تعالیٰ کے بندے اور انسان ہوتے ہیں، خدا تعالیٰ انہیں اپنے بندوں تک احکام پہنچانے کے لئے مقرّر فرماتا ہے، وہ سچے ہوتے ہیں، کبھی جھوٹ نہیں بولتے، گناہ نہیں کرتے، خدا تعالیٰ کا پیغام پورا پورا پہنچاتے ہیں، اس میں کمی، بیشی نہیں کرتے، نہ کسی پیغام کو چھپاتے ہیں، ان پیغمبروں کو رسول و نبی بھی کہتے

ہیں، اور اُن پر نازل شدہ فرامینِ خداوندی کو صحیفے، کتابیں اور قرآن کہتے ہیں۔

سوال:... کیا ہر شخص پیغمبر اور رسول بن سکتا ہے؟

جواب:... نہیں! بلکہ جسے خدا تعالیٰ بنائے، وہی بنتا ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی اور رسول بننے میں آدمی کی کوشش اور ارادے کو دخل نہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مرتبہ عطا کیا جاتا ہے۔

سوال:... حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر آئے گا یا نہیں؟

جواب:... نہیں! کیونکہ پیغمبری اور نبوّت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے، آپ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، آپ کے بعد جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے!

سوال:... پیغمبر اور رسول سب سے پہلے کس چیز کی تبلیغ کرتے ہیں؟

جواب:... سب سے پہلے توحید، رسالت اور قیامت کی تبلیغ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ، جمالیہ، انعامات، احساناتِ الٰہیہ اور نہ ماننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے قہر کا بیان فرماتے ہیں، پھر رسالت و قیامت کے متعلق بیان فرماتے ہیں، ان کو اُصولِ دین کی تبلیغ کہتے ہیں۔

سوال:... توحید کے کیا معنی ہیں؟

جواب:... دِل سے اللہ کو ایک یعنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک سمجھنے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کو توحید کہتے ہیں۔

سوال:... خدا تعالیٰ کے ایک ہونے کا علم مخلوق کو کیسے ہوا؟

جواب:... اوّل تو انسانی عقل، بشرطیکہ صحیح ہو، خدا تعالیٰ کے موجود ہونے اور اُس کے ایک ہونے کا یقین رکھتی ہے، اسی وجہ سے دُنیا میں جو بڑے

بڑے عقل مند، حکیم اور فلسفی ہوئے ہیں، وہ سب خدا تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں۔

دُوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں نے بالاتفاق مخلوق کو توحید کی تعلیم دی، اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس جیسا دُوسرا کوئی نہیں، اُس کی ذات وصفات میں کوئی شریک ہے، اور نہ اس کے افعال یعنی کاموں میں کوئی شریک ہے۔

سوال:... ذات، صفات اور افعال کس کو کہتے ہیں؟

جواب:... ذات اُس کے وجود کو جس میں صفات کا لحاظ نہ ہو، جیسے زید ایک شخص کا نام ہے، جو کہ صرف اُس کی ذات کے لحاظ سے پہچان کے لئے رکھا گیا ہے، اس میں کسی صفت کا لحاظ نہیں، لیکن اُس نے علم بھی سیکھا ہے، لکھنا بھی جانتا ہے، قرآن مجید بھی یاد ہے، اس لئے ان صفات کے لحاظ سے اُسے عالم، منشی، حافظ بھی کہتے ہیں، پھر اُس کے عالم، منشی، حافظ ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے، بلکہ محض اُس کے وجود کا لحاظ ہو تو یہ ذات ہے، اور اُس کے وجود کو صفات کے لحاظ سے دیکھا جائے کہ عالم، منشی اور حافظ ہے، تو یہ عالم، منشی اور حافظ ہونا اس کی صفات ہیں، اور جب عالم ہے تو علم پڑھے اور پڑھائے گا، منشی ہونے کے اعتبار سے لکھے گا، اور حافظ ہونے کے اعتبار سے یاد سے سنائے گا، یہ اس کے افعال ہوئے، پس لفظ ''اللہ'' خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، اور خالق، عالم، قادر، رازق وغیرہ ہونا اُس کی صفات ہیں، پیدا کرنا اور سب کو روزی پہنچانا اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔

(یہاں تک اکثر چیزیں تعلیم الاسلام سے منقول ہیں)

سوال:... کیا ان تین چیزوں توحید، رسالت اور قیامت کا یقین کر لینے سے اسلامی نظام کی تکمیل ہوجاتی ہے یا نہیں؟

جواب:... اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، جب تک یہ پانچوں چیزیں پوری نہ ہوں، تکمیل نہیں ہوتی:

۱:...کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت کے مطلب کو دِل سے ماننا، اور زبان سے اس کا اقرار کرنا۔

۲:...نماز پڑھنا۔

۳:...زکوٰۃ دینا۔

۴:...رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

۵:...حج کرنا۔

سوال:...کلمہ طیبہ کیا ہے؟ اور اُس کے کیا معنی ہیں؟

جواب:...کلمہ طیبہ یہ ہے: "لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

سوال:...کیا معنی اور مطلب سمجھے بغیر صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے آدمی مسلمان ہوجاتا ہے؟

جواب:...نہیں! بلکہ معنی سمجھ کر دِل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے، اور دِل سے یقین کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کو "ایمان" کہتے ہیں۔

(اسی طرح تعلیم الاسلام میں ہے)

سوال:...کیا "ایمان" کلمہ طیبہ کے معنی کا یقین کرنے اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے؟ یا ایمان کے لئے کچھ دُوسری چیزوں کا ماننا اور اقرار کرنا بھی ضروری ہے؟

جواب:..."ایمان" اُسے کہتے ہیں کہ آدمی خدا تعالیٰ، اس کی تمام صفات، فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، قیامت یعنی مرنے کے بعد جی اُٹھنے اور حساب کتاب دینے کی دِل سے تصدیق کرے اور زبان سے اس کا اقرار کرے، اور یہ بھی کہ

اچھی بُری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور جو باتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، ان سب کو سچ سمجھے اور زبان سے ان تمام باتوں کا اقرار کرے، یہی تصدیق اور زبان سے اس کا اقرار ایمان کی حقیقت ہے، لیکن زبان سے اقرار کسی ضرورت یا مجبوری کے وقت ساقط ہوجاتا ہے، جیسے گونگے آدمی کا ایمان زبان کے اقرار کے بغیر بھی معتبر ہے۔

سوال:... ان چیزوں میں سے اگر کسی کو نہ مانے یا مان کر زبان سے اقرار نہ کرے، تو اُسے کیا کہتے ہیں؟

جواب:... اُسے ''کافر'' کہتے ہیں، مثلاً: کوئی شخص خدا تعالیٰ کو نہ مانے، یا خدا تعالیٰ کی صفات کا انکار کرے، یا دو، تین خدا مانے، یا فرشتوں کا انکار کرے، یا خدا تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا انکار کرے، یا کسی پیغمبر کو نہ مانے، یا تقدیر کا منکر ہو، یا قیامت کے دن کو نہ مانے، یا خدا تعالیٰ کے قطعی اَحکام میں سے کسی حکم کا انکار کرے، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی کسی خبر کو جھوٹا سمجھے، تو ان تمام صورتوں میں کافر ہوجائے گا۔

سوال:... جو شخص خدا تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت، مثلاً: علمِ غیب یا نافع وضار وغیرہ، کو دُوسرے کے لئے بھی ثابت کرتا ہے، اُسے کیا کہتے ہیں؟

جواب:... اُسے ''شرک'' کہتے ہیں اور دُوسروں میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے کسی صفت کو ثابت کرنے والے کو ''مشرک'' کہتے ہیں، پس شرک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی دُوسرے کو شریک کرے۔

سوال:... خدا تعالیٰ کی ذات میں شریک کرنے کا کیا معنی ہے؟

جواب:... ذات میں شریک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دو، تین خدا مانے، جیسے عیسائی، جو تین خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہیں، اور وہ خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک

لئے نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہیں، اور آتش پرست دو خدا ماننے کی وجہ سے مشرک ہوئے، اور خدا تعالیٰ کے انکار سے کافر ہوئے، اور جیسے ہندو بہت سے خدا مان کر مشرک ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے انکار سے کافر ہوئے۔

سوال:...صفات میں شریک کرنے کے کیا معنی ہیں؟

جواب:...خدا تعالیٰ کی صفات کی طرح کسی دُوسرے کے لئے کوئی صفت ثابت کرنا شرک ہے، کیونکہ کسی مخلوق میں، خواہ وہ فرشتہ ہو، یا نبی، ولی، شہید، پیر، یا اِمام، ان میں خدا تعالیٰ کی صفات کی طرح کوئی صفت نہیں ہوسکتی۔

سوال:...کیا شرک اور کفر بخشا جائے گا یا نہیں؟

جواب:...زندگی میں شرک اور کفر سے توبہ کرلے، تو قبول ہوجائے گی، اور اگر کفر و شرک کی حالت ہی میں خاتمہ ہوا، تو ہرگز ہرگز نہ بخشا جائے گا۔

سوال:...کیا شرک اور کفر، پیغمبروں اور ولیوں کی شفاعت سے بھی بخشش میں نہ آئے گا؟

جواب:...شرک اور کفر وہ گناہ ہیں کہ ان کے لئے شفاعت اور سفارش نہیں ہوگی، کوئی پیغمبر، رسول، صدیق یا اولیاء کسی کافر و مشرک کے لئے گناہ کے بخشنے اور دوزخ سے نکلنے کے لئے شفاعت نہ کریں گے، اور بالکل نہ کریں گے۔

سوال:...کیا دُوسرے گناہوں کی معافی کے لئے شفاعت کریں گے؟ اور شفاعت سے معافی مل جائے گی؟

جواب:...ہاں! اگر گناہِ کبیرہ ہو، مگر شرک و کفر نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ بغیر سزا دیئے بخشنا چاہے، تو اپنی رحمت اور شفاعت سے بخش دے، تو اس کی مہربانی سے سب کچھ ہوسکتا ہے، یا گناہ پر گرفت کرے تو اس کی مرضی۔

اللّٰھم اغفر لنا برحمتک

وبشفاعة نبیک صلی اللہ علیه وسلم

''لفظ''اللہ'' خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام ہے، خالق، عالم، قادر، رزاق وغیرہ ہونا اُس کی صفات ہیں، اور پیدا کرنا اور سب کو روزی پہنچانا اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔''

اشاعت التوحید

حصہ دوم

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ

اَجۡمَعِیۡنَ، اَمَّا بَعۡدُ!

اس دُوسرے حصے میں پہلے حصے کے مضامین کی کسی قدر تفصیل کی گئی ہے، اور کچھ دُوسرے فوائد بھی ہیں۔

سوال:... شرک فی الصفات کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب:... بہت سی قسمیں ہیں، یہاں پر ہم چند قسموں کا ذکر کر دیتے ہیں:

ا:... شرک فی القدرت:

خدا تعالیٰ کی طرح صفتِ قدرت کسی دُوسرے کے لئے ثابت کرنا، مثلاً: یہ سمجھنا کہ فلاں پیغمبر، ولی یا شہید وغیرہ، پانی برسا سکتے ہیں، یا مارنا جِلانا اُن کے قبضے میں ہے، یا کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں، یہ تمام باتیں شرک فی القدرت ہیں۔

۲:...شرک فی العلم:

خدا تعالیٰ کی طرح کسی دُوسرے کے لئے صفتِ علم ثابت کرنا، مثلاً: یوں سمجھنا کہ خدا تعالیٰ کی طرح فلاں پیغمبر یا ولی علمِ غیب جانتے ہیں، یا خدا تعالیٰ کی طرح ذرّہ ذرّہ چیزوں کی خبر رکھتے ہیں، یہ سب شرک فی العلم ہے۔

۳:...شرک فی السمع والبصر:

خدا تعالیٰ کی صفتِ سمع و بصر میں کسی دُوسرے کو شریک کرنا، مثلاً: یہ اعتقاد کرنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دُور و نزدیک سے سن لیتے ہیں، یا ہمارے تمام کاموں کو، ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں، یہ سب شرک فی السمع والبصر ہے۔

۴:...شرک فی الحکم:

خدا تعالیٰ کی طرح کسی اور کو حاکم سمجھنا اور اُس کے حکم کو خدا تعالیٰ کے حکم کی طرح ماننا، مثلاً: پیر صاحب نے حکم دیا کہ یہ وظیفہ نمازِ عصر سے پہلے پڑھا کرو، تو اس حکم کی تعمیل اس طرح ضروری سمجھنا کہ وظیفہ پورا کرنے کی وجہ سے عصر کا وقت مکروہ ہوجانے یا جماعت ترک کرنے کی پروا بھی نہ کرے، یہ شرک فی الحکم ہے۔

۵:...شرک فی العبادت:

خدا تعالیٰ کی طرح کسی دُوسرے کو عبادت کا مستحق سمجھنا، مثلاً کسی قبر یا پیر وغیرہ کو سجدہ کرنا، یا کسی کے لئے رُکوع کرنا، یا کسی پیر، پیغمبر، ولی اور اِمام کے نام کا روزہ رکھنا، یا ان میں سے کسی کے نام کی نذر اور منّت ماننا، یا کسی قبر یا گھر کا خانۂ کعبہ کی طرح طواف کرنا وغیرہ، یہ سب شرک فی العبادت ہے۔

سوال:... اِن باتوں کے علاوہ اور بھی افعالِ شرکیہ ہیں یا نہیں؟

جواب:... ہاں! بہت سے افعال ایسے ہیں کہ ان میں شرک کی ملاوٹ ہے، اُن تمام کاموں سے پرہیز کرنا لازم ہے، وہ کام یہ ہیں: مثلاً نجومیوں سے غیب کی خبریں پوچھنا، پنڈت کو ہاتھ دِکھلانا، کسی سے فال کھلوانا، چیچک یا کسی اور بیماری کی چھوت، چھات کا قائل ہونا، یعنی یہ سمجھنا کہ ایک کی بیماری دُوسرے کو لگ جاتی ہے، ہاں! اگر یہ سمجھے کہ دُوسرے کو بیماری لگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اور یہ بیماری مرض لگ جانے کا سبب ہے، تو پھر اس میں شرک کا شائبہ نہ ہوگا، تعزیہ بنانا، اور اس کو معظم بالشان جاننا، علَم چڑھانا، قبروں پر چڑھاوا چڑھانا، نذر نیاز گزارنا، اِس اعتقاد پر کہ وہ نفع ونقصان کے مالک ہیں، ہاں! اگر بزرگوں کی رُوح کو ثواب پہنچائے تو دُرست ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کے نام کی قسم کھانا، رُوح دار چیزوں کی تصویریں بنانا، تصویروں کی تعظیم کرنا، کسی پیر یا ولی وغیرہ کو حاجت روا، مشکل کشا کہہ کر پکارنا، کسی پیر کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا، یا محرَّم میں اِماموں کے نام کا فقیر بنانا اور قبروں پر میلہ لگانا، وغیر ذالک۔ (کذا فی تعلیم الاسلام وغیرہ)

سوال:... حضور پُرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا عقیدے رکھنے چاہئیں؟

جواب:... آپ خدا تعالیٰ کے بندے اور افضل واکمل انسان تھے۔

۲:... خدا تعالیٰ کے بعد آپ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

۳:... آپ گناہوں سے معصوم ہیں۔

۴:... آپ پر خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل فرمایا۔

۵:... آپ کو شبِ معراج میں خدا تعالیٰ نے آسمانوں پر بلایا اور جنت و دوزخ وغیرہ کی سیر کرائی۔

۶:... آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے بہت سے معجزے دِکھلائے۔

۷:...آپ خدا تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت اور بندگی کرتے تھے۔

۸:...آپ کے اخلاق و عادات نہایت اعلیٰ درجہ کے حمیدہ تھے۔

۹:...آپ کو خدا تعالیٰ نے بہت سی گزشتہ اور آئندہ باتوں کا علم عطا فرمایا تھا، جن کی آپ نے اپنی اُمت کو خبر دی۔

۱۰:...آپ کو خدا تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ شرائع کا علم عطا فرمایا تھا، لیکن آپ عالم الغیب نہیں تھے، کیونکہ عالم الغیب ہونا صرف خدا تعالیٰ کی شان اور اُسی کی خاص صفت ہے۔

۱۱:...آپ خاتم النبیّین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا، ہاں! صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جو پہلے زمانے کے پیغمبر ہیں، آسمان سے اُتریں گے، اور اسلامی شریعت کی پیروی کریں گے۔

۱۲:...آپ انسانوں اور جنات سب کے لئے رسول ہیں۔

۱۳:...آپ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کی اجازت سے گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''شفیع المذنبین'' کہتے ہیں، اور خدا تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کو قبول بھی فرمائے گا۔

۱۴:...آپ نے جن باتوں کا حکم کیا ہے، ان پر عمل کرنا، اور جن سے منع کیا ہے، اُن سے باز رہنا اور ان پر یقین کرنا اُمت پر ضروری ہے۔

۱۵:...آپ کے ساتھ محبت کرنا اور آپ کی تعظیم و تکریم کرنا ہر اُمتی کے اُوپر لازم ہے، لیکن تعظیم سے وہی تعظیم مراد ہے جو شرعی قاعدے کے مطابق ہو، اور خلافِ شرع باتوں کو تعظیم یا محبت سمجھنا نادانی ہے۔

سوال:...معصوم ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب:...معصوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی

صغیرہ یا کبیرہ گناہ قصداً یا سہواً واقع نہیں ہوا، تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی ہے یا رُوحانی؟ یعنی آپ کو معراج جسمِ اطہر کے ساتھ جاگتے ہوئے ہوئی تھی یا نیند میں صرف رُوح کو ہوئی تھی؟

جواب:... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسمِ مبارک کے ساتھ معراج کی رات بیداری کی حالت میں ساتوں آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے، اس لئے آپ کی معراج جسمانی تھی، ہاں! اس جسمانی معراج کے علاوہ چند مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بھی معراج ہوئی ہے، وہ رُوحانی معراجیں کہلاتی ہیں، کیونکہ منام خواب کو کہتے ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، ان میں غلطی اور خطا کا شبہ نہیں ہوسکتا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک معراج تو جسمانی معراج تھی اور چار یا پانچ معراجیں منامی تھیں یعنی نیند میں تھیں۔

سوال:... شفاعت سے کیا مراد ہے؟

جواب:... شفاعت، سفارش کو کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم گنہگار بندوں کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے سفارش کریں گے، حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فضیلت عطا ہوچکی ہے، لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ کے جلال و جبروت کے ادب سے آپ اجازت ضرور مانگیں گے، جب اجازت ملے گی تو شفاعت فرمائیں گے۔

اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، اولیاء اور شہداء وغیرہم بھی شفاعت کریں گے، لیکن بلا اجازت کوئی شخص بھی شفاعت نہ کرسکے گا۔

سوال:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منوّرہ کیوں چلے

گئے تھے؟

جواب:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ کے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی توحید کی تعلیم دی اور اُن سے فرمایا کہ بت پرستی چھوڑ دو، اور ایک خدا تعالیٰ پر ایمان لاؤ، تو وہ لوگ آپ کے دُشمن ہوگئے، کیونکہ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے، اور اُن کو معبود سمجھتے تھے، کفارِ مکہ نے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، پتھر برسا کر لہولہان کیا، حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں کنبہ سمیت محبوس کیا گیا، پوری قوم نے بائیکاٹ کردیا، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، اسی طرح آپ کے جاں نثاروں پر جاں گداز واقعات گزرے، جن کو پڑھ کر دِل کانپ جاتا ہے۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے برچھی مار کر شہید کردیا۔

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کافروں کے ہاتھ سے اذیت اُٹھاتے اُٹھاتے شہید ہوگئے۔

حضرت ابو فکیھہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں رسّی باندھ کر گھسیٹا گیا، توحید کے بے لاگ جرم میں سینکڑوں جوان اور عورتیں شہید ہوئیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تپتی دُھوپ میں ریت اور پتھروں پر لٹایا گیا، سینہ پر وزنی پتھر کی چٹان رکھی گئی۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر ان کی چھاتی پر پاؤں رکھے گئے تاکہ ہل جل نہ سکیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کعبہ میں مارتے مارتے لٹادیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چچا نے رسّی سے باندھ کر مارا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی سخت مارا پیٹا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

مگر جب اُن کی دُشمنی کی کوئی حد نہ رہی اور سب نے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کر دینے کا ارادہ کرلیا تو حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پیارے وطن مکہ مکرّمہ کو چھوڑ کر مدینہ منوّرہ چلے گئے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے بعض حضرات نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور پھر مدینہ منوّرہ آ گئے، اور بعض نے سیدھے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کی، اور بعض کمزور وضعیف مکہ مکرّمہ ہی میں بند رہے۔

سوال:... آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٔ نبوّت واشاعتِ توحید سے پہلے عرب کے لوگ آپ کو کیا سمجھتے تھے؟

جواب:... اعلانِ نبوّت سے پہلے تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت سچا، پاک باز اور امانت دار شخص سمجھتے تھے، ''محمدؐ امین'' کہہ کر پکارتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُن کے نزدیک نہایت درجے کے معتبر اور سچے انسان تھے، اور تمام لوگ آپ کی بہت عزّت وتوقیر کرتے تھے، اور صداقت، امانت، عدالت، عفت، سخاوت، صلۂ رحمی، مہمان نوازی، غریب پروری، ہمدردی اور وعدہ وفائی وغیرہ میں آپ کو عدیم المثل سمجھتے تھے، چنانچہ غیر اسلامی تواریخ بھی اِس بات کی حرف بہ حرف تصدیق کرتی ہیں۔

سوال:... ایسی تکلیفیں کیوں دی گئیں؟ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، مشرکین سے خدا تعالیٰ کی ہستی منوانا چاہتے تھے، جس کا وہ پہلے انکار کرتے ہوں؟

جواب:... ہرگز نہیں! بلکہ تمام مشرکینِ عرب، خدا تعالیٰ کو آسمان اور زمین کا خالق، رازق، مدبر فی الأُمور اور صاحبِ قضا وقدر جانتے تھے، سورۂ یونس رُکوع نمبر:۴ میں ہے:

''قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ

یَـمْـلِکُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُـخْـرِجُ الْـمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ، فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ۔" (یونس:۳۱)

ترجمہ:... "تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے؟ اور کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ تو وہ بول اُٹھیں گے کہ: اللہ تعالیٰ ہے!"

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکینِ عرب، اللہ تعالیٰ کے قائل تھے اور خالق، رازق، مدبرِ اُمور اور بااختیار اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے تھے۔

سوال:... کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو غیرمشروع کام، مثلاً: شراب، متعہ، بے پردگی وغیرہ سے روکتے تھے، اسی لئے وہ دُشمن ہوگئے تھے؟

جواب:... نہیں! کیونکہ نواہی وغیرہ بہت عرصے کے بعد نازل ہوئے تھے، دُشمنی کی وجہ یہ بھی نہ تھی۔

سوال:... کیا کوئی جھوٹ، افتراء اور بہتان حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنتے تھے، جس سے دُشمن ہوکر مصائب کا طوفان برپا کردیا؟

جواب:... یہ بھی نہیں، بلکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق، امین، باوفا، خیرخواہ، عفیف اور پارسا جانتے تھے، کوہِ صفا پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکرِ جرّار اس پہاڑی کے پیچھے کھڑا ہوا ہے اور آپ لوگوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے، تو کیا میری تصدیق کروگے؟ اُنہوں نے: "مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ اِلَّا صِدْقًا" کہا، اور انہوں نے کہا کہ ضرور! ہم نے آپ سے سچ ہی سنا ہے۔ (بخاری ج:۲ ص:۷۰۳، مسلم ج:۱ ص:۱۱۴)

سوال:... کیا اِن تکلیفوں کا سبب نبوّت اور آسمانی کتابوں کا اِنکار تھا، چونکہ مشرکین، نبوّت اور آسمانی کتابوں کو نہ مانتے تھے، اس لئے تکلیف دیتے تھے؟

جواب:... یہ سبب بھی نہیں تھا، اس لئے کہ ان مشرکین میں سے یہود و نصاریٰ نبوّت کے قائل تھے، اور توراۃ و اِنجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتابیں تسلیم کرتے تھے، نیز اکثر مشرکینِ مکہ حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے، وہ نبوّت کا انکار کیسے کرسکتے تھے؟ انہوں نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار صرف اس لئے کیا کہ چونکہ منصبِ رسالت اعلیٰ و برتر ہے اور اس منصب کے لئے امتیازی شان ضروری ہے، جیسے گورنر اور وزیر کے لئے کوئی امتیازی شان ضروری ہوتی ہے، جس سے عام و خاص اُس کی وزارت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اِس لئے وہ کہتے تھے کہ کوئی ایسا فرشتہ نازل ہوتا جس کو ہم دیکھتے: "لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ" (الفرقان:۷) کیوں نہیں نازل ہوتا اس پر فرشتہ (یعنی جس کو ہم دیکھتے)، وگرنہ فرشتہ تو نازل ہوا کرتا تھا، یا اس کے باغ و نہریں ہوتیں: "اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ" (بنی اسرائیل:۹۱) (یا تیرے لئے ہوتا باغ، کھجوروں اور انگوروں کا)، یا اس کا گھر سونے کا ہوتا: "اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ" (بنی اسرائیل:۹۳) (یا تیرے لئے ہوتا گھر سونے کا)، اور اگر یہ چیزیں نہیں کرسکتا تو کم از کم ہم پر اِنکار کے سبب پتھر برسا دے یا اور عذاب لادے: "اَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ" (الانفال:۳۲) (ہم پر پتھر برسا آسمان سے یا اور کوئی عذاب دردناک لے آ)، آپس میں ایک دُوسرے کو یہ کہتے کہ: جب اس سے ان باتوں کے متعلق نہیں ہوسکتا، تو کچھ بھی ہم سے بڑھ کر کچھ بھی تمغۂ امتیاز اِس کے پاس نہیں، تو رسول بھی نہیں ہوسکتا، کیا ہم آپ جیسے آدمی کے تابع ہوجائیں جس کا نہ حشم ہے، نہ خدم: "اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُہٗ" (القمر:۲۴) (کیا آپ جیسے آدمی کے تابع

ہو جائیں) یہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔ حاصل یہ ہے کہ مشرکینِ مکہ نفسِ رسالت کے منکر نہ تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار ان وجوہات کے سبب کیا، جن کا جواب جابجا قرآن مجید میں صاف اور واضح طور سے دیا گیا ہے۔

سوال:...کہیں قیامت کے انکار کے باعث تو وہ لوگ دُشمن نہیں ہوگئے تھے؟

جواب:...نہیں! بلکہ اُن میں سے بعض، مثلاً: زبیر ابی سلمہ، عامر بن مطرب اور عبداللہ بن وبرہ بن قضا وغیرہ قیامت کے قائل تھے۔

(حاشیہ حجۃ اللہ البالغہ ج:۱ ص:۱۳۱ مطبع بریلی)

اور بعض اہلِ جاہلیت میں قبروں پر جانور ذبح کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جس نے ذبح کیا، وہ قیامت کے دن سوار ہوگا۔

(سبل السلام ج:۲ ص:۱۶۷ وبذل المجہود شرح ابی داؤد ج:۴ ص:۲۱۱)

اگر یہ وجہ ہوتی تو اُن لوگوں پر بھی تکلیفیں ڈالتے، پھر قیامت کا منوانا بھی عقلاً اُن چیزوں میں سے نہیں ہے، جس سے چھوٹے بڑے، اپنے پرائے، عورتیں مرد، دیہاتی شہری اور دُور قریب کے لوگ آگ کی مانند بھڑک اُٹھیں۔

سوال:...تو پھر کیا وجہ تھی کہ عام و خاص سب ہی دُشمن ہوگئے اور جان تک کے درپے ہوگئے؟

جواب:... یہ سب تکلیفیں اور مصیبتیں مسئلۂ توحید کے بیان کرنے سے پیش آئیں، چونکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی تبلیغ کی، اور یہ چیز تمام مشرک اقوام کے معتقدات کے خلاف تھی، اسی لئے انہوں نے اس کے انکار کرنے پر سردھڑ کی بازی لگادی۔

سوال:...کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' مشرکین کے معتقدات کے خلاف کیسے تھا؟ حالانکہ مشرک تو اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو خالق اور مدبر بااختیار بھی مانتے

تھے، ''لا الٰہ الا اللہ'' اُن کے معتقدات کے خلاف کیسے تھا؟

جواب:... پہلے مشرکین کے معتقدات سنیں، پھر ''لا الٰہ الا اللہ'' کے معنی سمجھیں، اس کے بعد سوچیں کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' اُن کے اعتقاد و یقین کے کس قدر خلاف ہے۔ مشرکین کے معتقدات کے متعلق عرض یہ ہے کہ: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' صفحہ:۶۱ میں فرماتے ہیں کہ: مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ:

''اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّیِّدُ وَھُوَ الْمُدَبِّرُ لٰکِنَّہٗ قَدْ یَخْلَعُ عَلٰی بَعْضِ عَبِیْدِہٖ لِبَاسَ الشَّرَفِ وَالتَّأَلُّہِ وَیَجْعَلُ مُتَصَرِّفًا فِیْ بَعْضِ الْاُمُوْرِ الْخَاصَّۃِ وَیَقْبَلُ شَفَاعَتَہٗ فِیْ عِبَادِہٖ بِمَنْزِلَۃِ مَلِکِ الْمُلُوْکِ یَبْعَثُ عَلٰی کُلِّ قُطْرٍ وَّیُقَلِّدُہٗ تَدْبِیْرَ تِلْکَ الْمَمْلَکَۃِ فِیْ مَا عَدَا الْاُمُوْرِ الْعِظَامِ.''

ترجمہ:... ''بے شک آقا تو خدا ہی ہے اور وہی مدبر بھی ہے، لیکن کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں پر تصرف کرنے کا اختیار دے دیتا ہے، اور اپنے بندوں کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول کرتا ہے، جیسے شہنشاہ بڑے بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرّر کرتا ہے اور اس صوبے کے اختیارات ان کے سپرد کرتا ہے۔''

اسی طرح یہی مضمون اپنی کتاب ''بدور بازغہ'' صفحہ:۱۲۳ میں فرماتے ہیں:

''وَالْغُلَاۃُ مِنْ مُنَافِقِیْ دِیْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ یَوْمِنَا ھٰذَا.''

ترجمہ:... ''حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

دِین کا نام لینے والے اور حد سے بڑھنے والے منافقوں کا آج بھی یہی عقیدہ ہے۔“

سوال:... شفاعت کے قائل اور معتقد تو مسلمان بھی ہیں؟

جواب:... شفاعت دو قسم ہے: ایک شفاعت بالاِذن، دُوسری شفاعت بغیر اِذن۔ پھر یہ ہر دو قسم یا دُنیا میں ہوں گی یا آخرت میں، چنانچہ یہ کل چار قسمیں ہوگئیں:

۱:... شفاعت بالاِذن دُنیا میں۔

۲:... شفاعت بغیر اِذن دُنیا میں۔

۳:... شفاعت بالاِذن آخرت میں۔

۴:... شفاعت بغیر اِذن آخرت میں۔

قسمِ اوّل و دوم: تو ایک شخص دُوسرے کے لئے دُنیا میں اِذن (اِجازت) و بغیر اِذن یعنی بلا اِجازت دُعا و درخواست کرسکتا ہے، ”یٰـمُوْسَی ادْعُ لَنَا رَبَّکَ“ وغیرہ آیات و احادیث اس کے جواز پر شاہد ہیں۔

قسمِ سوم یعنی شفاعت بالاِذن آخرت میں: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظامؒ اجازت سے آخرت میں مؤمن کے گناہوں کی معافی اور رفعِ درجات کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

قسمِ چہارم، شفاعت بغیر اِذن آخرت میں: قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے منع ہے۔

پھر شفاعت کا قبول ہونا دو قسم پر ہے:

ایک:... یہ کہ شفاعت قبول کرنے والا شفاعت کرنے والے کے ڈَر یا محبت میں مغلوب ہونے کے باعث، یا اس وجہ سے کہ مجھے بھی اس سے کام پڑنا ہے، شفاعت مان لیتا ہے، اس کو شفاعتِ غالبہ کہتے ہیں، اس شفاعت کا اللہ تعالیٰ کے ہاں

اعتقاد کرنا سخت منع ہے، اسی کی نفی قرآن مجید میں جا بجا ہے: ''لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ'' قرآن مجید میں جہاں کہیں شفاعت کی نفی وارد ہوئی ہے، وہاں اس سے شفاعتِ غالبہ کی نفی مراد ہے، نہ کہ مطلق شفاعت کی، خوب سمجھ لیں!

قسمِ دوم:... یہ کہ شفاعت قبول کرنے والا مہربانی اور غریب پروری سے کسی کی شفاعت و درخواست قبول فرمالیتا ہے، یہی قسم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوتی ہے، بس۔ پس مشرک لوگ اس کے قائل تھے کہ جب بھی مقبول بندہ کسی کے لئے دُعا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ماننا پڑتا ہے، مقبول را ردّ نباشد سخن، اور اپنے بتوں کو محض پتھر یا لکڑی نہ سمجھتے تھے، بلکہ سننے، جاننے والا، حاجت روا، مشکل کشا اور: ''هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ'' کے قائل و معتقد تھے۔

پتھر یا لکڑی کے بت کو کون پکارتا ہے؟ کون اس کو سفارشی مانتا ہے؟ بلکہ یہ لوگ اس بت والے کو، جس کی یہ صورت تھی، سفارشی مانتے تھے، اُسی کو غائبانہ پکارتے تھے، اسی کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے تھے، اس بت کے آگے جھکنا، اس کی نذر و نیاز کرنا، دراصل بت والے کی نیاز تھی، نہ کہ محض بت کی، جیسے قبر کی پوجا، قبر پر غلاف چڑھانا، قبر کی طرف سجدہ کرنا، اور قبر سے درخواست کرنا، دراصل قبر والے سے ہے، نہ کہ محض قبر سے۔

ہاں! بے شک بڑے بڑے اُمور جیسے: آسمان و زمین کا پیدا کرنا، بارش برسانا، روزی دینا، اور آنکھ، کان دینا وغیرہ اللہ تعالیٰ سے سمجھتے تھے، اور چھوٹے چھوٹے اُمور جیسے: نرینہ اولاد مل جائے، عمر دراز ہو، غربت سے امیری آجائے، بیماری دُور ہوجائے اور دُشمن دفع ہوں وغیرہ، وغیرہ، یہ اپنے خداؤں سے سمجھتے تھے کہ خود دیتے ہیں، یا دِلا دیتے ہیں، گو ربّ تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے، پس مسلمان شفاعتِ غالبہ اور شفاعت بالجبر کے قائل نہیں، بلکہ اس کو شرک یا گناہِ کبیرہ جانتے ہیں، اور مشرک

اس کے قائل و معتقد تھے۔ (کذا فی فوز الکبیر وحجۃ اللہ البالغۃ)

مشرکین کا دُوسرا اعتقاد:

مشرکین اس کے بھی معتقد تھے کہ نیک لوگوں کو اگر دُور سے اور غائبانہ پکارا جائے، تو وہ سن لیتے ہیں، خواہ بزرگ زندہ ہو یا فوت شدہ ہو، جہاں کہیں ہو، معتقد و مرید کی پکار سن لیتا ہے، اور اس کی فریاد رَسی کرتا ہے، اور اس سننے کے بھی اس طور پر قائل تھے کہ ہر وقت، ہر جگہ سے سنتا ہے، اور شفاعت کر کے یا خود بخود پکارنے والے کی پکار سن کر حاجت روائی، مشکل کشائی کرتا اور کراتا ہے، اس اعتقاد کا خلاصہ تین چیزیں ہیں:

۱:...ایک یہ کہ وہ لوگ دُور سے ہر وقت سنتے ہیں، اور اگر مردہ بزرگ کو پکارا جائے، تو دُوسرے جہان یعنی عالمِ برزخ اور علیین میں یا جہاں اس کی رُوحِ مبارک کا مسکن ہے، وہاں رہ کر ہر وقت سنتے ہیں، یا وہ حضرات جیسے وہاں تشریف فرما ہیں، ویسے ہی ہمارے ساتھ اور ہمارے گھروں میں بھی ہیں، تب ہی تو پکارنے والا اُن کا نام مبارک جپتا اور پکارتا ہے، اگر وہ یہ سمجھتا کہ نہیں سنتے یا کبھی سنتے ہیں اور کبھی نہیں سنتے، تو نہ پکارتا، اور نہ منہ سے نکالتا۔

۲:... یہ کہ سن کر کام خود کریں گے یا سفارش و شفاعت کر کے کام کرادیں گے اور یقیناً کرادیں گے، کیونکہ اگر یہ سمجھتا کہ سنتے تو ہیں مگر کام نہ کراسکیں گے، یا نہیں کریں گے، یا شفاعت نہ کریں گے، تب بھی نہ پکارتا۔

۳:... یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کی درخواست، دُعا اور سفارش کو ضرور قبول فرمائیں گے، اگر یہ سمجھتا کہ درخواست کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کہ اُن کی سنے یا نہ سنے، قبول کرے یا نہ کرے، تو بھی نہ پکارتا اور منہ سے نہ نکالتا، شکی چیز کو کون

اختیار کرتا ہے؟ الحاصل! دُنیا میں ہوتے ہوئے دُور سے یا عالَمِ برزخ میں ہوتے ہوئے دُور وقریب سے اور ہر وقت سنتے ہیں، اگر اُن کا علم عام اور تام مان لیا تو شرک فی العلم ہوا، اور اگر یہ سمجھا کہ وہ حضرات اپنے مسکن پر بھی ہیں اور ہمارے ساتھ بھی ہیں، تو حاضر ناظر سمجھا، "وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" کی صفت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، اس صفت میں اُن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا، اور جب یہ اعتقاد کیا کہ خود کام کردیں گے اور ہر وقت کر سکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیر اور وکیل میں شریک کردیا، اور جب یہ اعتقاد کیا کہ کام کراسکتے ہیں، خواہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو یا نہ ہو، تو دُوسرے کو بھی جلال والا مانا کہ اللہ تعالیٰ اس کا لحاظ کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی صفت "ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" میں شریک کردیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ جیسے ذات میں لا شریک ہیں، ویسے ہی صفات میں بھی لاشریک ہیں، باقی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، مثلاً: رؤف ورحیم کا، یا مطلق انسان پر جہاں سمیع وبصیر کا اطلاق ہوا ہے، وہ بطور مجاز کے ہے، خلاصہ یہ کہ علمِ کامل، قدرتِ کاملہ اور رحمتِ کاملہ اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے، دُوسرے میں سمجھنا غلط بات ہے۔

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا معنیٰ!

چونکہ یہ رسالہ بچوں کے لئے ہے، اس لئے مختصر طور پر یہ ہے کہ:

۱:... مشرکین کے غلط خیالات کے رَدّ اور اس کے جواب میں جن، جن صفات کو قرآن مجید میں لایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہ صفات بطورِ حصر کے بیان فرمائی گئی ہیں، اُن کو دُوسرے میں ماننا ناجائز، حرام اور شرک ہے۔

مثلاً: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ" اللہ تعالیٰ یگانہ ہے، صمد ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، ہر شخص اُس کا محتاج ہے، احد، صمد بس وہی ذات ہے، دُوسرا کوئی نہیں

ہوسکتا، "لَمۡ یَلِدۡ" اس کی اولاد نہیں، بس وہی ذات ہے، "وَلَمۡ یُوۡلَدۡ" اس کے ماں باپ نہیں، بس وہی ذات ہے، "وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ" اس کے برابر کوئی نہیں، بس وہی ذات ہے، "وَسِعَ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا" اس کا علم ہر چیز پر وسیع و محیط ہے، بس وہی ذات ہے، "وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" ہر شے پر قدرت رکھنے والا وہی ہے، بس وہی ذات ہے، "خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ" ہر شے کو پیدا کرنے والا بس وہی ہے، "رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ" جہانوں کا پالنے والا، بس وہی ذات ہے، "لَا تَعۡبُدُوۡا اِلَّا اللّٰهَ" اللہ ہی کی بندگی کرو، بندگی کی مستحق وہی ذات ہے، بس!

علیٰ ہذا القیاس، اب "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا معنیٰ صاف ہوگیا، اس لئے کہ اب معنی یہ ہے:

"لَا اَحَدَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا صَمَدَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا قَدِیۡرَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا عَلِیۡمَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا مَعۡبُوۡدَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا رَبَّ اِلَّا اللّٰهُ."

اسی طرح "اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ"، "لَا حَیَّ اِلَّا اللّٰهُ لَا قَیُّوۡمَ اِلَّا اللّٰهُ"۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا احد، صمد وغیرہ دُوسرے کو سمجھے، اور ماں باپ اور اولاد والے کو اور اپنی جنس والے کو، یا کسی دُوسرے میں ان خدائی صفات کو سمجھے، اور اُن صفات کا اس پر اطلاق کرے، مثلاً کسی کو قیوم کہے، یا عالم الغیب کہے، یا "سمیع بصیر لکل شیٔ" کہے، وغیر ذالک، یا خالق، مصوّر، معبود، نافع اور ضار، اللہ کے سوا کسی دُوسرے کو سمجھے، تو اُس نے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو نہیں سمجھا۔

مشرکینِ مکہ، وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی بجائے دُوسروں کو دُور سے پکارتے اور انہیں نافع، ضار اور مافوق الاسباب سمجھتے تھے، اپنے مطالب اُن کے پاس پیش کرتے تھے، ان کی نذر و نیاز مانتے تھے، اُن پر چڑھاوے چڑھاتے تھے: "فَظَلَّ لَهَا

عٰکِفِیْنَ"، پھر جب "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" سنا، چونکہ زبان دان تھے، سنتے ہی بول اُٹھے: "اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ" (صٓ:۵) کیا بہت سے معبودوں کو، جن سے ہم مطالب پورے کراتے تھے، نقصان رفع کراتے تھے، اُن سب کو ایک معبود میں بند کردیا، یہ چیز سخت تعجب خیز ہے۔ "وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ" (الصافات:۳۵) جب اُن کو کہا جاتا ہے "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ"، تو تکبر کرنے لگتے ہیں، یعنی نہیں مانتے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کو خالقِ ارض و سماء بھی مانتے تھے، رزق دینے والا، آسمان سے بارش برسانے والا، زمین سے غلہ وغیرہ پیدا کرنے والا اور مالکِ سمع و بصر "اَمَّنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ .... الخ" (یونس:۳۱) وغیرہ مان کر دُوسرے بزرگوں، بعض جنوں اور بعض فرشتوں وغیرہ کو بھی حاجت روا، مشکل کشا مانتے، اور ان کی نذر و نیاز چڑھاتے تھے، تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہمارے مطالب پورے کرادیں: "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی" (الزمر:۳) (ہم ان کی پوجا و عبادت اس لئے کرتے ہیں، تاکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا مقرّب بنادیں)۔

وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ شہنشاہ، مالک الملک ہے، ہم گناہ گاروں کی کم سنتا ہے، مگر ان حضرات کی سنتا اور ضرور مانتا ہے، بالکل رَدّ نہیں کرتا، یا رَدّ کر نہیں سکتا، لہٰذا ہم ان کی عبادت، سجدہ، طواف، اعتکاف، نذر و نیاز، دُور سے پکارنا، اُن سے اُمیدیں وابستہ کرنا، ان کی مخالفت سے کانپنا اور ڈرنا اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو مقرّب بنادیں، مطالب پورے کرادیں اور مشکل کشائی کرادیں، اسی کو اللہ تعالیٰ نے شرک فرمایا اور: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ" (النساء:۴۸) کا حکم بطور قانونِ کلی کے فرمادیا۔

پس "لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا کلمہ یہ چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کو مافوق

الاسباب میں نافع، ضار سمجھے، نہ "عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" جانے، نہ کسی کی نذر و نیاز کرے، نہ نافع، ضار سمجھ کر اُن چیزوں میں جومخلوق کے اختیار و قدرت سے بالاتر ہیں پکارے، (یہی معنی مافوق الاسباب کا ہے) اور نہ قانونِ خدائی میں کسی کو شریک کرے، کیونکہ: "وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِهٖ اَحَدًا" (الکہف:۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے قانون وحکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا، اس لئے: "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم و قانون ہے، وغیر ذالک۔

پس جب مشرکین نے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو اپنے مذہب، اعتقاد، یقین اور اپنی آبائی و اجدادی رُسوم کے خلاف سمجھا اور مذہب کی تبدیلی کو بری بلا سمجھا، تو اپنے پرائے سب دُشمن ہوگئے اور سردھڑ کی بازی لگادی، مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالا، اور اپنے مذہب و خیال کو باقی رکھنے اور اپنے خداؤں کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہزاروں تکلیفیں انہیں دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلوۃ والسلام علی افضل الخلق سید البشر خاتم الرسل محمد

وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، آمین!

اشاعت التوحید

حصہ سوم

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ کَمَا ھُوَ شَأْنُہٗ،

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ خَاتَمِ الرُّسُلِ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ کَمَا یُحِبُّہٗ وَیَرْضَاہُ، اَمَّا بَعْدُ!

عرض پرداز ہوں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت، امانت، عدالت، عفت، سخاوت، صلہ رحمی، مہمان نوازی، ہمدردی اور وعدہ وفائی میں بچپن سے نبوّت تک شہرت ہونے کے باوجود جب انہوں نے توحید کی نشر واشاعت کی تو اُن پر اپنوں اور پرایوں کی جانب سے مصائب کے سیلاب وطوفان آنے لگے، دُشمنوں نے پتھر برسا کر لہولہان کیا، شعبِ ابی طالب میں کنبہ سمیت محبوس کیا، تمام قوم نے بائیکاٹ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، اسی طرح آپ کے جاں نثاروں پر جو جاں گداز واقعات گزرے، ان کو پڑھ کر دِل کانپ جاتا ہے، حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے برچھی مار کر شہید کیا، حضرت یاسرؓ کافروں کے ہاتھوں سے اذیت اُٹھاتے اُٹھاتے شہید ہوگئے، حضرت ابوفکیہہؓ کے پاؤں میں رسّی باندھ کر ان کو گھسیٹا گیا، توحید کے جرم میں سینکڑوں جوان اور عورتیں شہید ہوئیں۔ حضرت بلالؓ کو کڑکتی دُھوپ میں ریت پر لٹایا گیا، سینہ پر پتھر کی وزنی چٹان رکھی گئی، حضرت خبابؓ

کو جلتے کوئلوں پر لٹا کر ان کی چھاتی پر پاؤں رکھے گئے تا کہ کروٹ نہ بدل سکیں، حضرت ابوذرؓ کو کعبہ میں مارتے مارتے لٹادیا گیا، حضرت عثمانؓ کو چچا نے رسّی سے باندھ کر مارا، حضرت ابوبکرؓ کو سخت مارا گیا وغیرہ وغیرہ۔

ایسی تکلیفیں کیوں دی گئیں؟

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم، مشرکین کو خدا تعالیٰ کی ہستی منوانا چاہتے تھے اور وہ اس کا انکار کرتے تھے؟ ہرگز نہیں! بلکہ تمام مشرکینِ عرب خدا تعالیٰ کو آسمان و زمین کا خالق، رازق، مدبِر اور بااختیار جانتے تھے، سورہ یونس میں ہے:

"قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصٰرَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ، فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ." (یونس:۳۱)

ترجمہ:... "تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے؟ کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا؟ کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ وہ بول اُٹھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہے!"

کیا یہ لوگ ناجائز کام، مثلاً: شراب، نکاحِ متعہ، بے پردگی وغیرہ سے روکنے کی وجہ سے دُشمن ہوگئے تھے؟ نہیں! کیونکہ نواہی وغیرہ بہت عرصے کے بعد نازل ہوئے۔ کیا خدانخواستہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی جھوٹ سنے تھے، جس سے مصائب کا طوفان برپا کردیا؟ نہیں، ہرگز نہیں! کیونکہ کوہِ صفا کی دعوت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ:

''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکرِ جرار اُس پہاڑی کے پیچھے کھڑا تم لوگوں پر حملہ کے لئے تیار ہے، تو کیا میری تصدیق کروگے؟ ''قالوا: ما جربنا علیک الا صدقا!'' انہوں نے کہا کہ: ضرور! ہم نے آپ سے سچ ہی سنا ہے۔''

(بخاری ج:۲ ص:۷۰۳، مسلم ج:۱ ص:۱۰۴)

کیا ان تکلیفوں کا سبب نبوّت اور آسمانی کتابوں کا انکار تھا؟ نہیں! اُن میں سے یہود و نصاریٰ نبوّت کے قائل تھے اور توراۃ و انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتابیں تسلیم کرتے تھے، اور اکثر مشرکینِ مکہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے، وہ نبوّت کا انکار کیسے کرسکتے تھے؟

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت کا انکار اس لئے کرتے تھے کہ رسالت کا منصب اعلیٰ و برتر ہے، اور منصبِ رسالت کے لئے امتیازی شان ضروری ہے، جیسے وزیر و گورنر کے لئے کوئی امتیازی شان ہوتی ہے، جس سے عوام و خواص اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، اس لئے ان کا کہنا تھا کہ ان پر کوئی فرشتہ نازل ہوتا جس کو ہم دیکھتے: ''لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ'' (الفرقان:۸)، یا اس کے باغ اور نہریں ہوتیں: ''اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ'' (بنی اسرائیل:۹۱)، یا اس کا گھر سونے کا ہوتا: ''اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ'' (بنی اسرائیل:۹۳) اور کم از کم ہم پر انکار کے سبب پتھر برسائے یا کوئی دُوسرا عذاب لائے: ''اَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ'' (الانفال:۳۲) پس جب امتیازی نشان نہیں تو یہ رسول نہیں، کیا ہم آپ جیسے کو رسول مان کر تابعداری کریں: ''اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُہٗ'' (القمر:۲۴) ہم آپ جیسے آدمی، جس کے نہ حشم ہیں، نہ خدم، کے تابع ہوجائیں؟ تو مشرکینِ مکہ دراصل رسالت کے منکر کم تھے، ہاں! البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

رسالت کی ان وجوہ کے منکر تھے، جن کا جواب جابجا قرآن مجید میں صاف اور واضح طور سے دیا گیا ہے۔

کیا قیامت کے انکار کے باعث وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن ہوگئے تھے؟ نہیں! بلکہ بعض جیسے: زہیر بن ابی سلمیٰ، عامر بن مطرب اور عبداللہ بن وبرہ بن قصاعہ وغیرہ قیامت کے قائل تھے۔ (حاشیہ حجۃ اللہ البالغہ ص:۱۳۱، طبع بریلی)

اور بعض اہلِ جاہلیت قبروں پر جانور ذبح کرتے اور کہتے: جس نے جانور ذبح کیا وہ قیامت کے دن سوار ہوگا، ورنہ پیدل۔

(سبل السلام ج:۳ ص:۱۷۶، وبذل المجھود ج:۴ ص:۲۲۱)

اگر یہی وجہ ہوتی تو مشرکین ان پر بھی تکلیفیں ڈالتے۔ پھر قیامت کا منوانا ان چیزوں سے بھی عقلاً دُرست نہیں، جن سے چھوٹے بڑے، عورت، مرد، جوان، بوڑھے، دیہاتی، شہری اور دُور، قریب والوں میں آگ بھڑک اُٹھے۔

مسئلہ توحید بیان کرنے سے ہی سب بگڑ گئے:

دراصل جب حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی تبلیغ کی اور یہ چیز تمام مشرک اقوام کے معتقدات کے خلاف تھی، اس لئے انہوں نے اس پر سر دھڑ کی بازی لگادی، مذہب کی تبدیلی معمولی چیز نہیں، خصوصاً جبکہ ان کے معبودوں کو بے قدرت، بے قوّت، نہ سننے، نہ دیکھنے والے، عاجز حتیٰ کہ مکھی اور مچھر کو بھی پیدا نہ کرسکیں، اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے تو اس سے لے بھی نہیں سکتے، نہ پکارنے والوں کو نفع دے سکیں، نہ انکار کرنے والوں کو نقصان پہنچاسکیں، خود دُوسروں کے محتاج، نہ موت کے مالک، نہ حیات کے، نہ علم تام اور کامل رکھتے ہیں، (ثابت کیا جائے، اور یہ کہ) ان میں سے جن، فرشتہ، انسان، ولی، بزرگ کو ہر ہر ذرّہ، دُور و

قریب اور ہر وقت کا علم نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ خداداد ہے اور علم تام بھی نہیں۔

کیونکہ فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا تھا:

"لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا" (البقرۃ)

ترجمہ:..."ہمیں وہی علم ہے جو آپ نے ہمیں سکھایا، اس سے زیادہ نہیں۔"

جنوں کے متعلق سورۂ سبا میں ہے:

"لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ."

ترجمہ:..."اگر جن خبر رکھتے ہوتے غیب کی، تو نہ رہتے ذِلت کی تکلیف میں۔"

انسانوں میں سب سے بڑے انبیاء و پیغمبر ہیں، ان کو خلافِ اَوْلیٰ پر جو جو تنبیہیں آتی ہیں، (جیسے: نوح علیہ السلام وغیرہ) وہ اگر علمِ غیب رکھتے تو یہ تنبیہ بھی نہ آتی۔

سورۂ صافات میں کفار کی مخالفت کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

"اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ." (الصّٰفّٰت:۳۵)

ترجمہ:..."وہ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو غرور (اور انکار) کرتے ہیں۔"

بلکہ اس کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے اور کہتے:

"اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ." (صٓ:۵)

ترجمہ:... ”کیا اس نے کردی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی، یہ بھی بڑے تعجب کی بات ہے!“

یعنی جتنے خداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آئی تھی، وہ سب یک قلم موقوف کردی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوق ذوالمجاز میں ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

”یَا اَیُّھَا النَّاسُ! قُوْلُوْا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْنَ.“

ترجمہ:... ”اے لوگو! ”لا الٰہ الا اللہ“ کہو، کامیاب ہوجاؤگے۔“

ابولہب نے کہا:

”اِنَّـہٗ صَابِیٌٔ کَاذِبٌ.“ (مستدرک ج:۱ ص:۱۵)

ترجمہ:... ”وہ بے شک بے دِین جھوٹا ہے۔“

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوق ذوالمجاز میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں گھس کر فرمایا: کہو ”لا الٰہ الا اللہ“۔ ابوجہل نے آپؐ پر خاک پھینکی اور لوگوں سے کہا: خبردار! اس کے فریب میں نہ آنا۔

(مسندِ احمد ج:۴ ص:۶۳)

یہ تمام تکالیف صرف خدا تعالیٰ کی اُلوہیت اور توحید سنانے کی وجہ سے پیش آئیں، اور حقیقی توحید کا لطف ہی جب آتا ہے کہ صاف اور کھلے لفظوں میں بیان کرکے ایک خدا تعالیٰ کو راضی رکھا جائے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے!

مشرکین کو جو اختلاف تھا وہ اِلٰہ ہی میں تھا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ.''

(النحل:۵۱)

ترجمہ:...''تم دو اِلٰہ نہ بناؤ، الٰہ تو صرف ایک ہی ہے۔''

''اِلٰہ'' کے معنیٰ:

''اِلٰہ'' کا معنیٰ، جس میں مشرکین کو بڑا اختلاف تھا، قرآن اور حدیث کے بیان کے مطابق پیشِ خدمت ہے، جس میں زمانۂ سابق و حال کے مشرک اور زمانۂ قدیم و جدید کے جاہل مبتلا رہے اور تکلیف کے وقت غیراللہ کو اِلٰہ سمجھتے رہے، اور اب بھی سمجھتے ہیں، اور دُکھ کے وقت انہیں دُور سے ان اُمور میں جو انسانی اختیار سے باہر ہیں، پکارتے ہیں، یہ ہے:

''اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ، مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا، ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ، بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ. اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا، ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ، بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ، ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ، ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ، تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ.'' (النمل:۶۰ تا ۶۳)

ترجمہ:...''بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین؟ اور

اُتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی؟ پھر اُگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے، تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے ان کے درخت، اب کوئی اِلٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ (کوئی نہیں) وہ لوگ اللہ کے ساتھ برابر کرتے ہیں دُوسروں کو۔ بھلا کس نے بنائی زمین میں ٹھہرانے کی جگہ؟ اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ اور رکھا دو دریا میں پردہ؟ اب کوئی اِلٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ (کوئی نہیں) بہتوں کو اس میں سمجھ نہیں۔ بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دُور کرتا ہے سختی اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر؟ اب کوئی اِلٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔ بھلا کون راہ بتلاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل اور دریا کی؟ اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری دینے والی اس کی رحمت سے پہلے؟ اب کوئی اِلٰہ ہے اللہ کے ساتھ؟ بہت بلند ہے اس سے جس کو تم شریک بتلاتے ہو۔"

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا، اور آسمانوں سے پانی برساتا ہے جس سے باغ رونق دار اُگاتا ہے، زمین کو آرام گاہ اسی نے بنایا اور نہروں کو اسی نے جاری کیا، اور دریا شور و میٹھا کے درمیان حاجز (پردہ) رکھا اور دُکھی کی پکار سننا، دُکھ دُور کرنا، اور جانشین زمین پر بنانا وغیرہ اسی کا کام ہے، اس میں کوئی دُوسرا شریک نہیں، پس اللہ کا معنی معلوم ہوگیا، شرعی حیثیت سے جو یہ کام نہیں کرسکتا وہ اللہ نہیں ہے، اب "لا اِلٰہ اِلا اللہ" کا معنی یہ ہے کہ خالق اور بارش برسانے والا، باغ رونق دار اُگانے والا، زمین کو آرام کی جگہ بنانے والا اور

دُکھی کی فریاد سننے والا..... الخ، اللہ کے سوا کوئی نہیں، اگر کسی دُوسرے کو دُور سے پکارتا ہے اور اپنے اس نفع ونقصان کا، جو انسانی اختیار سے بالاتر ہے، کسی کو مستقل یا عطائی، مالک ومختار مانتا ہے، تو اس نے دُوسرے کو خواہ بزرگ ہو یا فرشتہ، مؤکل ہو یا جن، نبی ہو یا رسول، اس نے اس کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔

انسانی اختیار سے بالاتر ہونے کی یہ قید، اس لئے ہے کہ جو کام انسانی اختیار میں ہوں، بحکمِ الٰہی اس میں مدد وتعاون جائز ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ." (المائدہ:۲)

ترجمہ:... "ایک دُوسرے کی نیکی اور پرہیزگاری پر مدد کرو، اور گناہ وظلم پر مدد نہ کرو۔"

خلاصہ یہ کہ انسانی اختیار کے اُمور میں ایک دُوسرے کے پاس جانا، فائدہ لینا دینا، پڑھنا پڑھانا جیسا کہ دُنیوی ودینی کام ایک دُوسرے سے کر رہے یا کرا رہے ہیں، یہ جائز ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانے اور اس کے سابق ولاحق میں کوئی بھی اس کو شرک نہ کہتا تھا، نہ اس سے ممانعت کی گئی ہے اور نہ ہی مشرکین کا اس میں کوئی اختلاف تھا۔

وہ چیزیں جن کو مشرکین کرتے تھے مگر اسلام، قرآن اور انبیاء علیہم السلام نے ان سے روکا، وہ وہی چیزیں تھیں جو انسانی اختیار سے اُونچی تھیں، جیسے مریض کو شفا بخشنا، غریب کو امیر کرنا، دُکھ درد دُور کرنا، دُشمن کا رَدّ کرنا، بچہ دینا، عمر لمبی کرنا، دُور سے پکار سننا، ایمان پر خاتمہ کرنا، قبر کا عذاب دُور کرنا، آخرت کی راحت بخشنا اور دوزخ سے بچانا وغیرہ ان جیسے اُمور میں اگر غیراللہ کی طرف رُجوع کرے، خواہ زندہ کی طرف یا مردہ کی طرف، جن کی طرف یا فرشتہ ومؤکل کی طرف، دُور سے پکارے یا

قریب ہے، اوراس کو مختار عطائی یا مستقل سمجھے، یا ایسی شفاعت کا اس کے متعلق اعتقاد رکھے کہ اس کی شفاعت بالکل رَدّ نہ ہوگی کہ ''مقبول را رَدّ نباشد سخن'' تو بحکمِ قرآن مجید و حدیث شریف اس نے شرک کیا۔

اگر کوئی شخص کسی زندہ بزرگ سے کسی اختیاری یا غیراختیاری کام کے لئے دُعا کرائے اور سمجھے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے چاہے گا، تو منظور فرمائے گا، اور اس میں اُمید بڑھائے تو جائز، مستحسن، مسنون، عمدہ اور افضل ہے، اور کسی مردہ بزرگ سے کہنا کہ کردے یا کرادے، دونوں خلافِ سنت ہیں، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور مجتہدینؒ سے صحیح سند سے منقول نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' صفحہ:۶۱ میں فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا:

''ان اللہ ھو السید وھو المدبر لٰکنہ قد یخلع علی بعض عُبیدہ لباس الشرف والتألّہ ویجعلہ متصرفا فی بعض الأمور الخاصۃ ویقبل شفاعتہ فی عبادہ بمنزلۃ ملک الملوک یبعث علی کل قطر ویقلدہ تدبیر تلک المملکۃ فیما عدا امور العظام۔''

ترجمہ:... ''آقا تو خدا ہی ہے اور وہی مدبر بھی ہے، لیکن کبھی اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور اُلوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے، اور ان کو بعض خاص کاموں میں تصرف کرنے کا اختیار دے دیتا ہے، اور اپنے بندوں کے حق میں ان کی شفاعت قبول کرتا ہے، جیسے شہنشاہ بڑے بڑے کاموں کے علاوہ خاص خاص صوبوں میں اپنے نائب مقرّر کرتا ہے اور اس صوبے کے کچھ

اختیارات ان کے سپرد کرتا ہے۔''

اسی طرح یہی مضمون اپنی کتاب ''بدور بازغہ'' صفحہ:۱۲۳ میں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں:

''والغلاة من منافقي دين محمد صلى الله عليه وسلم في يومنا هذا.'' (بدور بازغہ ص:۱۲۴)

ترجمہ:...''حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا نام لینے والے اعلیٰ درجے کے منافقوں کا بھی آج یہی عقیدہ ہے۔''

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ احبار، رُہبان، انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو ذاتی اور مستقل طور پر یہ اختیارات حاصل تھے، بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ عطائی اور غیر مستقل طور پر ان کو یہ اختیارات حاصل تھے، پھر سارے جہان کے بھی نہیں، بلکہ بعض خطوں کے، اور ان میں بھی سب اختیار نہیں، بلکہ اُمورِ عظام (اہم اُمور) کے علاوہ چھوٹے چھوٹے اُمور میں انہیں تصرف کا اختیار تھا، مگر باوجود اس عقیدہ کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کافر اور مشرک کہا۔ اور قرآن مجید کے پارہ ۲۳ اور سورۂ زمر میں فرمایا:

''وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ، مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى.'' (الزمر:۳)

ترجمہ:...''اور جنہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے حمایتی (کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کو پکارتے ہیں اس واسطے کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچادیں۔''

''وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا عِنْدَ اللهِ.'' (یونس:۱۸)

ترجمہ:... ''اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو اور نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے یا ان کو پکارتے تھے، ان کو نہ تو مستقل سمجھتے تھے اور نہ خدا، بلکہ ان کو خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور واسطہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام، ہماری حاجتیں اور ضرورتیں پیش کرتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں۔

سوال:... ان دونوں آیات میں عبادت کا لفظ تو موجود ہے، لیکن پکارنے کا لفظ موجود نہیں؟

جواب:... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ'' یعنی پکارنا عبادت ہے۔ (مسندِ احمد، نسائی، مشکوٰۃ ص:۱۹۴، مسندِ طیالسی ص:۱۰۸، ابنِ ماجہ ص:۳۸، ترمذی ج:۲ ص:۱۷۳، ابوداؤد ص:۲۰۸، مستدرک ج:۱ ص:۴۹۱)

امام حاکمؒ اور فنِ رجال کے ناقد علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مافوق الاسباب یعنی انسانی اختیار سے بالاتر چیز میں کسی کو پکارنا عبادت ہے، اور عبادت کا ایک معنی یہ ہے کہ کسی کی منّت اور نذر مانی جائے، چنانچہ فقہائے حنفیہ نے فرمایا ہے کہ: جو شخص کسی بزرگ اور ولی کے نام پر نذر مانے تو اس کی نذر باطل ہے، اس کے بطلان کی کئی دلیلیں ہیں، ایک یہ ہے کہ:

''اَلنَّذْرُ عِبَادَةٌ، وَالْعِبَادَةُ لَا يَجُوْزُ لِلْمَخْلُوْقِ.''

(البحر الرائق ج:۵ ص:۲۹۸، شامی ج:۳ ص:۱۷۵)

یعنی نذر اور منّت عبادت ہے، اور عبادت مخلوق کے لئے جائز نہیں۔
قرآن مجید سورۂ مؤمن میں ہے:

”اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ.“ (المؤمن:۶۰)

ترجمہ:... ”مجھے پکارو میں ہی قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میرے پکارنے سے بڑائی کرتے ہیں، دوزخ میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے۔“

یہاں علامہ ابنِ جریرؒ نے حدیث مرفوع سے مرفوعاً عبادت کا معنی دُعا کا کیا ہے۔

دفعِ شبہ:

بعض کہتے ہیں کہ شرک یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کی جائے اور چونکہ کوئی کلمہ گو بتوں کی عبادت نہیں کرتا، لہٰذا وہ اگرچہ کچھ بھی کہے یا کرے، مشرک نہ ہوگا۔

جواب:... قومِ نصاریٰ کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا:

”وَاِذْ قَالَ اللہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللہِ، قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ، اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ .....“ (المائدہ:۱۱۶)

ترجمہ:... ”اور جب فرمائے گا اللہ: اے عیسیٰ بن مریم! تو نے کہا تھا لوگوں کو کہ ٹھہراؤ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ؟ عیسیٰ (علیہ السلام) عرض کریں گے: تو پاک ہے! مجھ کو

لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھ کو حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا۔''

اگر شرک محض بتوں کی وجہ سے ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال نہ ہوتا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بت نہ تھے، جس سے واضح ہوگیا کہ پیغمبر اور ان کی والدہ ماجدہ ایسی عابدہ کو بھی اِلٰہ بنانے سے انسان مشرک بن جاتے ہیں، یہود و نصاریٰ جو نہ صرف خدا تعالیٰ کے قائل تھے، بلکہ اپنے خیال کے مطابق موحد بھی تھے، ان کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد ہے:

''اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ، وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ.'' (التوبہ:۳۱)

ترجمہ:... ''ٹھہرا لیا انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رَبّ، اللہ کے سوا، اور مسیح بن مریم کو بھی، اور حالانکہ ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی ایک اِلٰہ کی کریں، اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ علماء و صوفیہ کو انہوں نے رَبّ بنایا اور مشرک ہوئے، حالانکہ نہ مولوی بت تھے، نہ پیر، اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا اختلاف اِلٰہ بنانے میں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: معبود برحق، حیات، موت، مرض، شفا، درد سے پکارنے کا حق ایک ہی کو ہے، نہ دو کو، نہ زیادہ کو، نہ بت، نہ بزرگ وغیرہ کے لئے، اسی طرح فرشتوں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

''وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اَھٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ. قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِھِمْ، بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُھُمْ بِھِمْ مُّؤْمِنُوْنَ.“ (سبا:۴۰، ۴۱)

ترجمہ:... ”اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو، کہے گا فرشتوں سے: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: پاک ہے تیری ذات! تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے علاوہ، بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور یہ اکثر اُن ہی پر اعتقاد رکھتے تھے۔“

غیراللہ، خواہ فرشتہ ہو، یا جن، اس کی عبادت، شرک ہے، پھر عبادت عام ہے:

۱:... خواہ ان کو سجدہ کرے۔

۲:... ثواب کے لئے اپنے مال میں ان کا حصہ یا چہلم وغیرہ مقرّر کرے، جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔

۳:... ان کے تقرّب کے لئے کوئی کھانا پینا یا جماع کرنا چھوڑ دے، جیسے صوم۔

۴:... ان کی قبر وغیرہ کا طواف کرے جیسا کہ حج میں کیا جاتا ہے، یا ان کے نام کی قربانی کرے اور یہ سمجھے اور اعتقاد رکھے کہ اگر نہ دُوں گا تو نقصان پہنچائیں گے، اور اگر قربانی، گیارہویں وغیرہ کروں گا تو یہ بچائیں گے، یا مال، اولاد وغیرہ بڑھادیں گے۔

۵:... ان کو دُور سے پکارے اور سمجھے کہ وہ دُور سے سن لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ہماری حاجت روائی یا مشکل کشائی کروالیتے ہیں۔

۶:... کسی کے قانون رواجی وغیرہ پر زندگی بسر کرنا دُرست سمجھے، حالانکہ زندگی بسر کرنے کا قانون تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، کیونکہ: ”اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ“ (یعنی

قانون جس پر زندگی بسر کرنا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

یہ چھ چیزیں عبادت ہیں اور عبادت محض اللہ تعالیٰ ہی کے لئے روا ہے، نہ غیر کے لئے، اس لئے کہ: "لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللہَ" اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور غیر کی عبادت کرنا جیسا کہ بیان ہوا ہے، اِلٰہ بنانا ہے، اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دُوسروں کو خواہ بزرگ ہو، پیغمبر ہو، فرشتہ ہو، جن ہو، بت ہو، کوئی بھی ہو، اِلٰہ نہ بناؤ، اس کی پوجا نہ کرو، محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور مشرک تقرّب کے لئے ان کی پوجا کرتے تھے، اسی وجہ سے اختلاف اور دُشمنی ہوئی۔

سوال:... قرآن مجید میں جگہ جگہ: "مِنْ دُوْنِ اللہِ" کا جملہ آتا ہے، اس سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مشرکینِ عرب، اللہ تعالیٰ کو بالکل چھوڑ کر "نَسْيًا مَّنْسِيًّا" (بھولا بسرا) سمجھ کر غیروں کو پکارتے اور اُن کے نام پر نذر و نیاز دیتے یا اُن سے استعانت وغیرہ کرتے تھے، اس لئے وہ مشرک تھے۔

جواب:... مشرکین، بندگانِ خدا کو محض سفارشی سمجھتے تھے اور ان کو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ جانتے تھے، جبکہ انتہائی مصیبت میں وہ خدا تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: "دَعَوُا اللہَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے (یعنی انتہائی مصیبت کے وقت)۔

قرآنِ کریم، حدیث، اَشعارِ عرب اور لغت سے "دُوْنَ" کا معنی عرض کیا جاتا ہے، چنانچہ "دُوْنَ" کا معنی: ورے، نیچے اور سامنے کے بھی آتے ہیں، چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے مدین پہنچے اور وہاں کنویں پر تشریف لے گئے:

"وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدَانِ."

(القصص:۲۳)

ترجمہ:... ''پایا ان سے ورے دو عورتیں کہ روکے
ہوئے کھڑی تھیں بکریاں۔''

یہاں دُونَ کا معنی غیر کے نہیں، ورنہ معنی یہ ہوگا کہ: وہاں لوگ نہ تھے، یہ دو بیبیاں ہی تھیں۔ یہ قرآنِ کریم کے مطلب کے خلاف ہے۔

بخاری صفحہ:۵۴۸ اور مسلم صفحہ:۹۱ میں معراج کے قصے میں فرمایا: ''دُوْنَ الْبَغْلِ فَوْقَ الْحِمَارِ'' یعنی اس براق کا قد خچر کے نیچے (یعنی پست) اور گدھے کے اُوپر (یعنی دراز) تھا، اس حدیث میں دُونَ کا تقابل فوق کیا گیا، یعنی نیچے اُوپر، اور ایک شاعر کہتا ہے:

ملکت بها كفّي فانهرت فتقها
يرى قائم من دونها ما ورائها

(حماسہ)

یعنی میں نے نیزہ مضبوط طور پر ہاتھ میں پکڑ کر زخم کو خوب کشادہ کیا، اس زخم سے ورے کھڑے ہونے والے کو پار کی چیزیں نظر آسکتی ہیں۔

اس شعر میں دُونَ کا معنی ورے اور سامنے کا ہے، اور صراح صفحہ:۵۰۲ میں دون کے معنی یہ لکھے ہیں: فرود، جز، نقیض، فوق۔

دُونَ کے اس معنی اور مشرکین کے ذاتِ باری تعالیٰ کے خالق، مالک، مدبرِ اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والے عقیدہ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو ''دُوْنَ اللّٰہِ'' کا معنی یہ ہوگا کہ وہ خدا تعالیٰ کو مانتے ہوئے اس کے نیچے اور اس کے ورے دُوسروں کو پکارا کرتے تھے، اور ان کے ناموں کی نذر و نیاز دیا کرتے تھے، تاکہ وہ راضی ہوکر خدا تعالیٰ سے ان کے کام کرادیں، اور یہی ان کا شرک تھا، لیکن آج کل بعض کلمہ پڑھنے

والے بھی اسی حال کے ہیں۔

فائدہ:... یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مختصر رسالہ ہے، اس میں تمام دلائل کا لانا اختصار کے خلاف ہے، اور فریقِ مخالف ایک ایسی صریح آیت بھی پیش نہیں کر سکتے جس سے واضح طور پر یا ممکن و محتمل طور پر غیراللہ کو غائبانہ پکارنے کا مطلب نکلتا ہو، باقی جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں، وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع، یا پھر ان کا مطلب صاف اور واضح نہیں، اور محتمل مطلب سے اثباتِ عقیدہ کیسے ہو؟ اثباتِ عقیدہ کے لئے قطعی دلیل یعنی قرآنِ کریم اور حدیثِ متواتر صاف مطلب والی ہونی چاہئے، خبرِ واحد اور وہ بھی ضعیف، آیاتِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ کے مقابلے میں کیسے آسکتی ہے؟ نیز اُصولِ موضوعہ حدیث وفقہ کے بھی خلاف ہیں۔

اس سلسلے میں درج ذیل روایت پیش کی جاتی ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سوکھ گیا، کسی نے کہا:

"اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ، فَقَالَ: یَا مُحَمَّدَاہ!" (ابنِ سنی ص:۵۹، ادب المفرد ص:۱۹۳)

ترجمہ:... "ان کو یاد کرو جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، حضرت ابنِ عمرؓ نے کہا: یا محمداہ!"

اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں، نیز ضعیف ہے، اس کی ایک سند میں "شعبہ" نام کا ایک راوی ہے، جسے دارقطنی نے متروک کہا ہے۔ (میزان ج:۳ ص:۳۶۴، لسان ج:۶ ص:۳۹۴)

اور دُوسری سند میں محمد بن مصعب ہے، امام نسائی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب ج:۹ ص:۴۵۹، میزان ج:۳ ص:۱۲۷)

تیسری سند میں زبیر بن معاویہ عن ابی اسحاق .... الخ ہے، زبیر اگرچہ ثقہ ہیں، مگر وہ حدیث جو ابواسحاق کے طریق سے ہوگی وہ ضعیف ہوگی، چنانچہ حافظ ابنِ حجرؒ نے تقریب صفحہ:۱۳۰ میں اور علامہ ذہبیؒ نے میزان ج:۱ صفحہ ۳۵۵ اور امام ابوحاتمؒ نے تہذیب ج:۳ صفحہ:۳۵۲ میں اس کی تصریح کی ہے۔ نیز اس میں "اذکر" کا لفظ ہے، "ادع" کا نہیں، اور حرفِ نداء قریب اور بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

(شرح مائۃ عامل ص:۳۴ وغیرہ)

اور شوق سے یا غم میں پکارنا جبکہ اس کو حاضر ناظر نہ سمجھے اور عالم الغیب اور متصرف فی الاُمور نہ جانے، ممنوع بھی نہیں، جیسے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے منقول ہے: "یا رسول اللہ انظر حالنا"، "کجائی اے پدر آخر کجائی" (یوسف زلیخا) کذافی بلغہ۔

شبہ:... اسی طور پر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے "یا محمدؐ!" کا کہنا کتاب الاذکار میں مذکور ہے۔

جواب:... اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ: متروک ہے۔

(میزان ج:۲ ص:۳۲۳)

اسی طرح ایک حدیث یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کر رہا ہو اور تمہاری سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہئے:

"یَا عِبَادَ اللّٰہِ! اَعِیْنُوْنِیْ. فَاِنَّ لِلّٰہِ فِی الْاَرْضِ حَاضِرًا (وفی روایۃ: عِبَادًا) یَسْتَحْسِبُہٗ."

(مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۱۳۳، ابن السنی ص:۱۶۲، حصن حصین ص:۱۶۳)

ترجمہ:...''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کیونکہ
وہاں زمین میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اس کو روک لیں گے۔''

یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، مگر اس کی سند میں معروف بن حسان ہے، جن کے بارے میں علامہ ہیثمیؒ لکھتے ہیں: ضعیف ہے، (مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۱۳۳)، ابنِ عدیؒ کہتے ہیں: منکر الحدیث ہے (میزان ج:۳ ص:۱۸۳)۔

دُوسری سند حضرت عتبہ بن غروان تک پہنچتی ہے، اس میں بھی علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا: ''عَلٰی ضُعُفٍ فِیْ بَعْضِهِمْ'' نیز یزید بن علی راوی کی عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں، اور نہ اس نے ان کو دیکھا، لہٰذا یہ روایت محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے، جو ضعیف ہوتی ہے۔ (مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۱۳۳)

اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں، جب تمہیں کوئی رُکاوٹ پیدا ہوتو: ''اَعِیْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰهِ'' کہا کرو۔

(مجمع الزوائد ج:۱۰ ص:۱۳۲ وَقَالَ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ)

تو اس روایت کی بنا پر مافوق الاسباب مردوں اور غائبوں سے مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا، بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں، ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔ اسی طرح دُوسری حدیثوں کا حال ہے۔

آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین
من الصلوٰۃ والسلام افضلہا واکملہا وادومہا

خیر الاذکار فی حیاتِ سید الابرار

یعنی

سرورِ دو عالم ﷺ کی حیات کا حسین تذکرہ

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

عارض ہوں کہ جناب سیّد المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ سے عموماً اگرچہ ہر شخص اجمالی طور پر اور کچھ تفصیلی طور پر بہرہ مند ہے، اور اسی بنا پر غائبانہ شائق، عاشق، فدائی، تمام عجز و نیاز سے زیارت فیض بشارت مدینہ منوّرہ (شرفہا اللہ تعالیٰ) کا ملتجی، خواہش مند اور ہر وقت مال و جان فدا کرنے پر تیار ہے، لیکن اکثر دیہاتی نوجوان اور کم علم مرد و زن حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و فضائل سے لاعلم ہونے کے باعث اس فیض سے کم فیض یاب ہیں، اور ایسی مختصر کتاب کہ جس سے کم فہم بھی فائدہ حاصل کرسکیں مروّج و مدوّن نہیں ہے، اسی لئے چند اوراق بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں، تاکہ عورتیں اور بچے بھی یاد کرسکیں، اور اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس ناقابلِ مایہ کو قبول فرمالیا تو زہے نصیب!

شاہاں را چہ عجب گر بنوازند گدارا! وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ،
اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔
اور یہ مختصر رسالہ چند فصول پر مشتمل ہے:

فصلِ اوّل:

حضور شفیع المذنبینؐ کے بعض فضائل:

اس فصل کی احادیث کا مأخذ مشکوٰۃ شریف ہے، جبکہ بعض نشر الطیب اور مواہب میں موجود ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالاتِ جسمانی و رُوحانی اگرچہ حدِ بیان سے باہر ہیں، مگر بطور نمونہ چند پیشِ خدمت ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دُنیا میں جلوہ گر ہونے تک، نسلِ نجیب و اصلابِ پاک میں منتقل ہوتے آئے ہیں، آپؐ سب سے بہتر قوم کے چشم و چراغ تھے، اور آپ کی نبوّت حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے مشہور تھی، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کے مصداق بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں، اور سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو وعدہ پختہ لیا گیا تھا کہ اگر تمہارے زمانے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوں تو سب پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو اور ان پر ایمان لاؤ، سے معلوم ہوتا ہے کہ سب پیغمبر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت میں سے ہیں، اور جب حضور شافع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماں مبارک کے پیٹ سے اس جہانِ فانی کو مشرف فرمایا، یعنی پیدا

ہوئے، تو ان کی مبارک ماں کو ایسا نور نظر آیا جس سے شام کے محل بھی روشن ہوگئے۔

چند اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آپس میں باتیں کر رہے تھے، ان میں سے کسی نے کہا کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے، بعض نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا، بعض نے کہا کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں، اتنے میں حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور فرمایا کہ: میں تمہاری بات کو سن رہا تھا، اور تمہارے تعجب کرنے کو معلوم کر رہا تھا، بے شک ویسا ہی ہے جیسا تم لوگوں نے کہا، پس یہ بھی جان لو کہ: میں حبیب اللہ ہوں ...اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا ...اور قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا، اور آدمؑ اور دُوسرے انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور اوّل شفاعت میں ہی کروں گا، اور میری شفاعت ہی منظور ہوگی، اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور بہشت میں پہلے میں ہی داخل ہوں گا، اور میرے ساتھ غریب مؤمن ہوں گے، اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور میں پہلے پچھلے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تعظیم والا ہوں، اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا، اور سب رسولوں کا پیشوا میں ہی ہوں گا، اور سب نبیوں کی نبوّت میرے اُوپر ختم ہوئی ہے، اور یہ بات بطور فخر کے نہیں کی، اور قبر سے پہلے میں ہی نکلوں گا، اور جب پیغمبروں کو بات کرنے کی قوت نہ ہوگی تو ان کی طرف سے گفتار کرنے والا میں ہی ہوں گا، اور جب پیغمبر حساب کی جگہ بند کئے جائیں گے تو ان کی شفاعت میں ہی کروں گا، اور جب پیغمبروں کو نااُمیدی کی نوبت آنے والی ہوگی تو ان کو خوشخبری دینے والا میں ہی ہوں گا۔

اور ترمذی کی دُوسری روایت میں ہے کہ: قبر سے پہلے میں ہی نکلوں گا، اور مجھے بہشتی پوشاک پہنائی جائے گی، اور عرش کے داہنی طرف سے ایسے مقام میں ہوں گا کہ کسی کو اس مقام میں رہنے کی قوت نہ ہوگی۔

دارمی کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھ کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد لباس پہنایا جائے گا۔ اور اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس پہننا سب سے اوّل معلوم ہوتا ہے، تو رفعِ تعارض اس طرح ہے کہ ایک لباس انشقاقِ ارض کے بعد اور قبر سے نکلنے سے پہلے پہنایا جائے گا، اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مقدّم ہیں، اور ایک لباس بعد میں میدانِ قیامت میں ہوگا، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مقدّم ہوں گے۔ (نشر الطیب صفحہ: ۲۱۵)

حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور مالِ غنیمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے حلال کیا گیا ہے، اور سب زمین کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسجد اور پاک کرنے والا بنایا گیا ہے، حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے تابعدار سب نبیوں کے تابعداروں سے زیادہ ہوں گے۔

حضورؐ وفاتِ ظاہری کے بعد بھی زندہ ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ دُنیا میں زندہ تھے، اس سے زیادہ بہتر صورت میں اپنے دُنیاوی پاک جسم کے ساتھ قبر مبارک میں بھی زندہ ہیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی طرح زندہ ہیں، کھاتے پیتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور طواف کرتے ہیں، وغیر ذالک۔

خواب میں زیارت کرنا:

حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جو شخص خواب میں زیارت کرے، وہ خواب بلاشبہ سچا ہے، خواہ بچپن سے لے کر کہولت تک، جس صورت میں بھی آپؐ کی زیارت نصیب ہو، لیکن اگر کوئی ایسا اَمر دیکھے جو شانِ نبوی کے مناسب نہ ہو، تو وہ دیکھنے والے کی غلطی ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

البتہ کثرتِ دُرود شریف، اتباعِ سنت اور غلبۂ محبت پر اس کا اکثر ترتب ہوجاتا ہے۔ (نشر الطیب)

اگر زیارت کا شرف حاصل کیا، مگر طاعت سے رضا حاصل نہ کی، تو وہ نجات کے لئے کافی نہیں۔ (نشر الطیب ص:۲۵۹)

شفاعت کی اقسام:

قاضی عیاض، علامہ نووی اور حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ: شفاعت چھ قسم ہے:

۱:... ایک یہ کہ لوگ تمام اضطراب میں ہوں گے، کسی کو طاقت نہ ہوگی کہ رَبِّ ذوالجلال والاکرام کے سامنے بات کرسکے، سب حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں جاکر عرض کریں گے کہ ہمارے لئے شفاعت فرمایئے! تاکہ اس جگہ سے (یعنی حساب کی جگہ سے) ہماری خلاصی ہوجائے، وہ جواب میں فرمائیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ کہ وہ اوّل نبی ہیں، وہ بھی یہی جواب فرمائیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سب ایک ہی جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، آخر حضور شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ: یہ میرے لئے ہے، یعنی یہ شفاعت کا کام مجھے ہی کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: پھر میں حضرت جل مجدہٗ وعزّ اسمہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت لوں گا، اور مجھے اجازت دی جائے گی،

جب حضرت تعالیٰ تبارک اسمہٗ کی زیارت کروں گا تو سجدہ میں گرجاؤں گا، ایسی تعریفیں اِلہام ہوں گی کہ مجھے اب یادداشت میں نہیں ہیں، جتنی دیر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا سجدہ میں رہوں گا، پھر فرمان ہوگا کہ: سر اُٹھاؤ اور کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، اور جو سوال کروگے دیا جائے گا، اور شفاعت منظور کی جائے گی، اس پر میں عرض کروں گا: ”یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ!“ فرمایا جائے گا کہ: جس کے دِل میں جَو کی مقدار میں ایمان ہو، اُس کو دوزخ سے نکالو، ایسا ہی کروں گا، اسی طرح دُوسری اور تیسری بار فرمان ہوگا کہ: جس کے دِل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو اس کو نکالو، ایسا ہی کروں گا۔

۲:... دُوسری شفاعت اُن لوگوں کے لئے ہوگی جو حساب کے بعد عذاب کے مستحق ہوگئے تھے، چنانچہ ان کو بھی میری شفاعت سے رہائی مل جائے گی۔

۳:... تیسری شفاعت اس قوم کے لئے ہوگی جو گناہوں کے باعث دوزخ میں داخل ہوگئی تھی۔

۴:... چوتھی شفاعت بہشت میں بلاحساب داخل کرنے کے لئے ہوگی۔

۵:... پانچویں شفاعت درجات بلند کرنے کے لئے ہوگی۔

۶:... چھٹی شفاعت بعض کفار کے لئے عذاب کی کمی کے واسطے ہوگی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ساتویں قسم کی شفاعت بھی بیان فرمائی ہے کہ اپنی اُمت کے لئے فرمائیں گے کہ سب اُمتوں سے پہلے بہشت میں داخل ہو۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے آٹھویں قسم بھی بیان فرمائی ہے، جو اس قوم کے لئے ہوگی جن کی نیکی اور بدی برابر ہوگی، اور وہ شفاعت ان کے بہشت میں داخل ہونے کے لئے کی جائے گی۔

(اس کے مضامین سیرتِ رحمۃ للعالمین سے مأخوذ ہیں، اور کچھ نشر الطیب سے)

یہ بھی حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ: قیامت

کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت فرمائیں گے: پیغمبر، علماء اور شہید۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ چھوٹے بچے ماں باپ کے لئے شفاعت کریں گے۔ (کذا فی المشکوٰۃ)

آپؐ کی ولادت مبارک اور صفاتِ کمال:

آپ کا مشہور نام مبارک ''محمد'' ہے، صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت عبداللہ ہے، اور ان کے والد صاحب کا نام حضرت عبدالمطلب ہے، اور ان کے والد صاحب کا نام حضرت ہاشم ہے، اور ان کے والد صاحب کا نام حضرت عبدمناف ہے، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت آمنہ ہے، اور ان کے والد صاحب کا نام وہب ہے، اور ان کے والد صاحب کا نام حضرت عبد مناف ہے (یہ عبدمناف اور ہیں)، اور ان کے والد کا نام حضرت زہرہ ہے۔ (از بہشتی زیور)

ولادت سے وفات تک آپؐ کے مختصر حالات:

پیر کے دن ربیع الاوّل کے مہینے میں جس سال ایک کافر بادشاہ ہاتھی لے کر کعبہ شریف کے گرانے کے واسطے آیا تھا، آپ پیدا ہوئے۔

موسمِ بہار میں دوشنبہ کے دن ۹/ربیع الاوّل سنہ ایک اور واقعہ اصحاب الفیل کے ۵۵ دن کے بعد مطابق ۲۲/اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ ۶۲۸ بعد از صبحِ صادق قبل از طلوعِ آفتاب اس عالمِ ظلمانی کو پیدا ہوکر روشن فرمایا۔ (سیرت، محمد سلیمان منصور پوری)

دوشنبہ کا دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے، ولادت، نبوّت، ہجرت اور وفات سب ہی اسی دن ہوئے۔ (حاشیہ سیرتِ مذکور)

عبدالمطلب ولادت کی خبر سنتے ہی گھر آئے اور اس مبارک بچے کو خانۂ کعبہ میں لے گئے، اور دُعا مانگ کر واپس آئے، ساتویں دن قربانی کی، اور تمام قریش کو دعوت دی، دعوت کھاکر لوگوں نے پوچھا کہ: آپ نے بچے کا نام کیا رکھا ہے؟

عبدالمطلب نے کہا: محمدؐ! لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروّجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دُنیا بھر کی ستائش اور تعریف کے شایان قرار پائے۔ اور ماں نے خواب میں ایک فرشتہ سے بشارت پا کر احمدؐ نام رکھا، معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حمد سے خاص مناسبت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام محمد و احمد ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ شفاعت کا نام محمود ہے، اُمت محمدیہ کا نام حمادون ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء کا نام لواء الحمد ہے، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا!

(ملتقط من منهية وسیرتِ مذکور نمبر ۵، كذا فی فتح الملهم بشرح صحيح مسلم بتغيير يسير)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال اور دو روز کے تھے کہ اس وقت آپ کی دُودھ پلانے والی نے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچایا۔

عرب کا دستور تھا کہ بچے کو آٹھ دن کے بعد دُودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب و ہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُودھ پلانے والی مکرمہ کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔ (از سیرت)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے ہوگئے، تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ہمراہ لے کر آپ کے ننھیال بنی نجار میں مدینہ تشریف لے گئیں، اور ایک مہینے بعد لوٹتے ہوئے مقامِ ابواء میں انتقال کر گئیں، حضرت اُمِّ ایمن بھی ساتھ تھیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شریف لے آئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حمل میں تھے کہ آپ کے والد صاحب انتقال کر گئے تھے، آپ کی آپ کے دادا عبدالمطلب صاحب نے پرورِش کی، پھر آپ کے دادا صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ برس کی تھی، اور عبدالمطلب نے ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کے چچا صاحب ابوطالب نے ... جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد صاحب کے حقیقی بھائی تھے ... آپ کی پرورِش کی، اور وہ آپ کو شام کی طرف تجارت کے لئے لے چلے تھے، کہ راہ میں بحیرا نے جو نصاریٰ کا عالم اور درویش تھا، آپ کو دیکھا اور آپ کے چچا کو تاکید کی آپ اِن کی حفاظت کریں، یہ نبی ہیں، اور آپ کو مکہ شریف واپس کرادیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت ۱۲ سال کی تھی جب آپؐ چچا صاحب کے ساتھ سفر پر گئے، اور نصاریٰ کے بحیرا راہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ چچا نے واپس کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلالؓ کو بھیجا تھا۔ ابنِ قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صریح غلطی ہے، اوّل تو بلالؓ نہ ابوطالب کے پاس تھے، نہ ابوبکر کے پاس، دُوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اُن دِنوں موجود ہی نہ ہوں۔ زاد المعاد اور سیرت محمد بن سلیمان ص:۲۳ میں ہے کہ راہب کی داستان ناقابلِ اعتبار ہے۔ فقیر عبداللہ عرض کرتا ہے کہ اس قصے کو بعض نے صحیح کہا ہے، مگر بلال کے لفظ کو مدرج کہا ہے، اور اگر بالفرض ناقابلِ اعتبار بھی ہو تو دُشمنوں کی زبان سے فضیلت کے دُوسرے شواہد کوئی کم نہیں ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت لے کر شام کو چلے، راہ میں نسطورا نے جو کہ نصاریٰ کا عالم اور درویش تھا، آپ کے نبی ہونے کی گواہی دی، اور جب آپ لوٹے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہوگئی، اس وقت آپ کی عمر پچّیس برس کی تھی، اور حضرت خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں۔

کیونکہ اس سفر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا، جو سفر میں دیکھی تھیں، ان اوصاف کو سن کر حضرت خدیجہؓ نے خود درخواست کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرلیا، حالانکہ حضرتِ خدیجہؓ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست کو رَدّ کر چکی تھیں۔ (سیرت)

اس شادی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام وقت خدا تعالیٰ کی عبادت اور بنی آدم کی بہبودی اور خیراندیشی میں صرف ہوتا۔ انہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر قبیلوں کے سرداروں سے مل کر قیامِ امن کے لئے ایک انجمن قائم کرادی، جس میں بنو ہاشم، بنو المطلّب، بنو اسد، بن زہرہ شامل تھے، اور ایسے ایسے کاموں سے لوگوں پر یہ اثر پڑا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے بلکہ "اَلصَّادِقُ" یا "اَلاَمِیْنُ" کہہ کر پکارتے تھے۔ (سیرتِ مذکور)

چالیس برس کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت ملی۔ آپ باون یا ترپن برس کے تھے کہ آپ کو معراج ہوئی، نبوّت کے بعد تیرہ برس آپ مکہ شریف میں رہے، پھر جب کافروں نے بہت دِق کیا، تو آخر خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے، اور مدینہ شریف آئے ہوئے دُوسرا سال تھا کہ بدر کی لڑائی ہوئی، پھر دُوسری لڑائیاں ہوئیں، سب چھوٹی بڑی ملا کر پینتیس جنگیں ہوئیں۔

مشہور نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بیبیوں سے ہوئے، دو بیبیاں آپ کے رُوبرو انتقال کر گئیں، اور آپ کی اولاد چار لڑکیاں تھیں، سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، اور ان سے چھوٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، اور ان سے

چھوٹی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، یہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں، اور تین، چار یا پانچ فرزند تھے، حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت طیب اور حضرت طاہر، یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہیں، اور حضرت ابراہیم، یہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے ہیں، اس طرح تو پانچ ہیں، اور بعضوں نے کہا کہ عبداللہ کا نام طیب بھی ہے، تو اس طرح چار ہوئے، اور بعضوں نے کہا کہ طیب، طاہر ان ہی عبداللہ کا نام ہے، تو اس طرح تین ہوئے۔ عبداللہ نبوّت کے بعد ہوئے اور مکہ ہی میں انتقال کر گئے، اور باقی لڑکے نبوّت سے پہلے پیدا ہوئے، اور نبوت سے پہلے ہی انتقال کر گئے البتہ حضرت ابراہیمؓ مدینہ منوّرہ میں پیدا ہوئے، اور وہیں انتقال فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس تک مدینہ شریف میں رہے، پھر بدھ کے روز صفر کے مہینے کے دو دن باقی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، اور ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ، پیر کے روز، چاشت کے وقت، تریسٹھ سال کی عمر میں وفات فرما گئے، (هُوَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ) اور منگل کے دن دوپہر ڈھلے دفن ہوئے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ منگل کا دن گزر کر رات آ گئی۔ تدفین میں دیر اس لئے ہوئی کہ صحابہؓ غم و صدمے سے ایسے پریشان تھے کہ کسی کا ہوش دُرست نہیں تھا۔

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے حضرت زینبؓ کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام حضرت علیؓ تھا، اور ایک لڑکی جن کا نام حضرت امامہ تھا، ان دونوں کی نسل نہیں چلی، حضرت رقیہؓ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا، جو چھ سال کا ہو کر انتقال کر گیا، اور حضرت اُمِّ کلثومؓ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور حضرت فاطمہؓ کے

بیٹے اِمام حسن اور اِمام حسین رضی اللہ عنہما تھے، ان کی اولاد بکثرت پھیلی۔

يَـا رَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِـمًـا اَبَـدًا

عَـلٰـی حَبِیْبِکَ خَیْـرِ الْـخَـلْقِ کُلِّهِمِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَیْضًا

بعثت سے سات برس پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی، اس میں کوئی صورت اور آواز نہ ہوتی تھی، بعدۂ خلوت گزینی محبوب ہوئی تا آنکہ غارِ حرا میں اکیلے رہنے لگے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے لگے، جب قمری اعتبار سے چالیس سال پر ایک دن زائد ہوا تو ۹ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن سنہ ۴۱ میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو رُوح الامین یعنی جبریل علیہ السلام خدا تعالیٰ کا حکمِ نبوّت لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تھے، اس واقعہ کے بعد فوراً دولت خانہ میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: مجھ پر کپڑا ڈال! پھر طبیعت کو جب سکون ہوا تو فرمایا کہ: میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے جان کا ڈر ہے! حضرت خدیجہؓ اس پر ہمدردی کے الفاظ عرض کرکے آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، الغرض ورقہ جھٹ بول اُٹھا کہ وہ ناموس (جبریل) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا، کچھ دنوں بعد فرشتہ آیا، خدا تعالیٰ کا کلامِ پاک یعنی سورۂ علق کی ابتدائی آیتیں سکھلائیں، اور حضورؐ کے سامنے وضو کیا، اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی، رُوح الامین نے نماز پڑھائی، پھر دولت خانہ پہنچ کر تبلیغ شروع کردی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی دن مسلمان ہوگئے، پھر چند ہی روز بعد حضرت بلال، عمرو بن

عنبسہ اور خالد بن سعد بن عاص مسلمان ہوگئے، اسی طرح اور بھی کچھ کچھ مسلمان ہوتے گئے، ان دنوں پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے، اور چپکے چپکے سمجھایا کرتے تھے، پھر سورۂ مدثر کی چند آیات نازل ہوئیں، اور آیت: ''وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ'' بھی قریب قریب نازل ہوئی، جس سے علانیہ تبلیغ رشتہ دار، احباب، شہر کے لوگ، اطراف کے، جملہ حصصِ عرب اور دُنیا کی متمدن اقوام کی طرف آہستہ آہستہ وسعت پکڑتی گئی۔

تمام عالم کی حالت پر تاریکی کا غلبہ تھا، بنی اسرائیل میں مسیحؑ کی لعنت سے ظاہری شکل کے سوا آدمیت نام کی کوئی شے باقی نہ تھی، بلکہ ان پر ہمسایہ قوموں کی بت پرستی کا اثر بھی آچکا تھا، یورپ اور انگلستان میں جہالت و وحشت کا دور دورہ تھا، اسی طرح فرانس میں پادریوں کے ایما سے بیہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں، سیکسن قوم سے ۷۸۲ء تک لڑائی جاری رہی، ایران پر مزدکیہ کا زور تھا، جنھوں نے زَن، زَر، زَمین کے وقف عام کردینے سے اخلاق اور انسانی ترقیات کو ملیامیٹ کردیا تھا، ہندوستان میں بھی مندروں میں مرد و زَن کی برہنگی کی تمثالیں بنا کر رکھی جاتی تھیں، چین میں بھی ہر کام کا بت جدا جدا مقرّر تھا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک کی تھی جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیرِ اثر تھے، اور علم اور تہذیب کے دعویٰ دار تھے، عرب کو بھی ان ممالک پر قیاس کرلیجئے، اور یہ بھی کہ صدیوں سے کسی بادشاہ کا تسلط نہ تھا، کسی قانون کا اثر تھا اور نہ کسی ہدایت کا اثر تھا، اس بدترین حالت پر ارحم الراحمین نے اصلاحِ عالم کا آغاز اسی جگہ سے کرنا پسند فرمایا۔ پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنبے میں تبلیغ فرمائی، پھر وعظ میں سب مکہ والوں کو دعوتِ عام دی، جس پر ابولہب نے اپنی حماقت ظاہر کی، پھر منڈیوں اور میلوں میں تبلیغ فرمائی، اس پر قریش نے سخت مخالفتیں شروع کردیں، ایذارسانی کے

لئے باقاعدہ کمیٹیاں مقرر کی گئیں، جب بے حد ستانا شروع کیا، اس پر جان و ایمان کے بچانے کے لئے صحابہؓ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی، قریش نے صحابہؓ کا حبشہ تک تعاقب کیا، مگر ناکام ہوئے، نبوّت کے چھٹے برس حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، اس کے تین دن بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، پہلے مسلمان گھروں میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے، اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے، ماہِ محرم سنہ ۷ نبوّت میں بنو ہاشم کے قبیلے کے ساتھ بیع وشراء، رشتہ ناتا چھوڑنے کا معاہدہ ہوا۔

(زادالمعاد)

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قبیلے کے ساتھ محصور ومحبوس ہوکر ایک پہاڑ کی گھاٹی میں رہنے لگے، تین سال بعد پھر دولت خانے پر تشریف فرما ہوکر سلسلۂ تبلیغ شروع فرمایا، سنہ ۱۰ نبوّت میں ابوطالب صاحب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اس کے چند ایام بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے، واپسی کے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطنِ نخلہ پر پہنچے، جو مکہ مکرّمہ سے ایک دن کی مسافت پر ہے، تو رات کو نماز میں قرآن مجید پڑھا، تو نِینوا ...جو موصل کے قریب ہے... کے سات یا نو جن، قرآن مجید سن کر مسلمان ہوئے اور اپنی قوم کو جاکر اسلام کی دعوت دی۔ سورۂ احقاف میں ان کا قصہ مذکور ہے۔ پھر مکہ میں واپس آکر مختلف قبیلوں میں جا، جاکر دورہ کیا، انہی ایام میں ضمادؓ، ایاسؓ بن معاذ اور سویدؓ بن صامت مسلمان ہوئے۔ ۲۷؍رجب سنہ ۱۰ نبوی کو معراج ہوئی، یہ معراج جسم مع رُوح کے تھی، پہلے دو نمازیں تھیں، پھر پانچ نمازیں فرض ہوئیں، سنہ ۱۱ نبوّت میں موسمِ حج میں مقام عقبہ پر مدینہ کے چھ آدمی مسلمان ہوئے، سنہ ۱۲ نبوّت میں مدینہ کے بارہ آدمی مسلمان ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے لئے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ کر دیا، اُن کے وعظ سے تمام

قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔

مدینہ مبارک کے راست بازوں کا گروہ، ایسے متبرک مقام پر جہاں دو سال سے حاضر ہوا کرتا تھا، دوبارہ حاضر ہوا، خدا کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا عباس کو ساتھ لئے ہوئے وہاں جا پہنچے، ان اہلِ ایمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جینے اور وفات کا، جو کہ وہ بھی عینِ حیات ہے، ان سے عہد کیا اور ان کی جانب سے پوری امداد کے عہد پر ان کے ہاں تشریف لے جانے کی خوشخبری دی اور انصار آپ سے مبارک باد حاصل کر کے مدینہ واپس گئے، اس عقبۂ ثانیہ کی بیعت و معاہدہ کے بعد مکہ شریف کے ایمان والوں کو مدینہ شریف کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت فرمادی، چنانچہ حضرت صہیبؓ تمام مال چھوڑ کر، ابوسلمہؓ اور عمرؓ وغیرہ سب ہجرت فرما گئے، اور مکہ شریف میں صرف ابوبکرؓ وعلیؓ ہی باقی رہے، تو قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی تجویز کا اچھا موقع سمجھا، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تم میرے بستر پر میری چادر لے کر سو رہو، ذرا فکر نہ کرنا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷ رصفر سنہ ۱۳ نبوّت بروز پنجشنبہ مطابق ۱۲ رستمبر ۶۲۲ء کو اپنے پیارے دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن غارِ ثور میں قیام کر کے چوتھے دن بروز دوشنبہ مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے، اثنائے راہ میں بریدہ اسلمی جو کہ اپنی قوم کا سردار تھا، قریش کے سو اُونٹ کے انعام کے لالچ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوا تو بریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہوگیا، ۸ رربیع الاوّل سنہ ۱۳ نبوّت بروز دوشنبہ مطابق ۲۳ رستمبر ۶۲۲ء خدا تعالیٰ کے نبی قبا پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پنجشنبہ تک وہاں ٹھہرے، اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی، اسی جگہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ بھی خدمت میں پہنچ گئے، ۱۲ رربیع

الاوّل سنہ ا ہجری کو جمعہ کے دن قبا سے سوار ہوکر بنو سالم کے گھروں تک پہنچے کہ جمعہ کا وقت ہوگیا، وہاں جمعہ پڑھا، بعدۂ یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے، اور اس روز سے اس شہر کا نام مدینۃ النبیؐ ہوا، داخلہ عجب شاندار تھا، گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے، مرد، عورت، بچے اور بوڑھے آپؐ کا جلوہ دیکھنے کے لئے سراپا چشم براہ تھے، انصار کی معصوم لڑکیاں پیارے لہجے اور پاک زبانوں سے اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

اشرق البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا
جئت بالامر المطاع

بزرگ انصار دِل کے غنی، اسلام کے فدائی، اپنے مسلمان مہاجرین بھائیوں پر اتنے قربان تھے کہ ان کی مہمانی پر قرعہ اندازی ہوتی تھی، جس کا قرعہ نکل آیا، وہ لے جاکر اپنا سب مال آدھا تقسیم کرکے دے دیتا، اور پھر رات دن خوش قسمتی پر شکر کرتے ہوئے خدمت پر مستعد رہتا تھا، اس وقت یہود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سن کر خوش ہوئے، لیکن جب سنا کہ یہ نبی مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو سچا بتلاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرکے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹھہراتے ہیں، تو سب دُشمن ہوگئے، اسی طرح عیسائی بھی تمام منتظر تھے، لیکن جب سنا کہ عیسائیوں کے خودساختہ مسائل: اِبنیت، تثلیث اور رَہبانیت کا رَدّ کرتے ہیں، تو سب دُشمن ہوگئے۔

واضح ہو کہ مدینہ میں مختلف نسلوں کے جو لوگ آباد تھے، اور ان کے مذاہب

بھی الگ تھے، یہودیوں کے متعدّد قبیلے خصوصاً بہت طاقت ور تھے، اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے بین الاقوامی اُصول پر ایک معاہدہ کرلیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف پر بھی قومیت کی وحدت قائم رہے، اور سب کو تمدن وتہذیب میں ایک دُوسرے سے مدد واعانت ملتی رہے، پہلے یہود اور اہلِ یثرب کے ساتھ معاہدہ کی کتاب لکھی گئی۔ (سیرت ابنِ ہشام جلد اوّل)

اس معاہدے پر مدینہ کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہوگئے، اس کے بعد گرد ونواح قبیلوں سے معاہدہ ہونے کا خیال فرمایا، تاکہ قبائل میں خانہ جنگی وخون ریزی کا انسداد ہوجائے اور قریش بھی ان حلیف ومعاہد اقوام کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کرسکیں گے، پہلے سال اسی غرض سے ودّان تک سفر فرمایا، اور قبیلہ حمزہ بن بکر بن عبدمناف کو اس معاہدہ میں شریک کرلیا۔ دُوسرے سال ماہِ ربیع الاوّل میں رضوی پہاڑ کی طرف گئے اور کوہِ بواط کے لوگوں سے معاہدہ کیا۔ (زاد المعاد صفحہ:۳۳۴)

اسی سنہ میں ماہِ جمادی الاخریٰ میں ذی العشرہ جاکر بنومدلج سے معاہدہ کیا۔

(زاد المعاد)

قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ دُشمنی تھی کہ ۳۰۰ میل پر چلے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا، عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے رفقاء کی طرف جو کہ ہنوز بت پرست تھے، لکھ بھیجا کہ ہمارے شخص کو اپنے شہر سے نکال دو یا اس سے لڑو، ورنہ ہم نے قسم کھالی ہے کہ ہم سب تم پر حملہ کریں گے، تمہارے جوانوں کو قتل کردیں گے، اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کرلیں گے، اس پر عبداللہ وغیرہ نے جنگ کا ارادہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی، تو مجمع منتشر ہوگیا۔ (ابوداؤد فی باب النفیر)

اس کے بعد قریش نے یثرب کے اندر یہودیوں سے سازش شروع کرلی،

اور انہیں اپنے ساتھ کر کے دوبارہ پیغام بھیجا (کذا فی ابو داؤد فی باب خبر النفیر) اس کے بعد ربیع الاوّل سنہ۲ھ میں کرز بن جابر الفہری یثرب پہنچ کر باہر کے مویشی لوٹ کر لے گیا، اس سے گویا اپنی طاقت کو دِکھلایا گیا، پھر رمضان سنہ۲ھ میں ابوجہل نے مکہ میں مشہور کردیا کہ ہمارے قافلہ کو مسلمان لوٹیں گے، اس غرض سے کہ سب لوگ جن کے اقربا قافلے میں ہیں اور جن کا مال ہے بالاتفاق جنگ پر تیار ہوجائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک خونخوار فوج، جس میں سات سو اُونٹ اور تین سو گھوڑے تھے، ابوجہل لے کر نکلا، جس قافلے کی حفاظت کا نام لے کر نکلا تھا، وہ بخیریت مکہ پہنچ گیا، مگر ابوجہل اس فوج کو لئے ہوئے برابر مدینہ کی طرف بڑھا چلا گیا، اب مسلمانوں کو کچھ شک نہ رہا کہ یہ قریش کی چڑھائی غریب مسلمانوں پر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، قابلِ اطمینان جواب ملا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین سو تیرہ مسلمان لے کر، جن کا سامان صرف دو گھوڑے اور سات اُونٹ تھے، بدر پہنچے، نصرتِ الٰہی سے کافروں کے ستر مشہور آدمی اسیر ہوئے، اور ستر مارے گئے۔ بعدہٗ صفوان نے عمیر بن وہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے مدینہ بھیجا، لیکن وہ مدینہ میں مسلمان ہوکر مکہ واپس گیا۔

اسی سال تحویلِ قبلہ شریف ہوئی، زکوٰۃ فرض ہوئی، صدقۂ فطر، عیدین کی نماز اور قربانی مقرّر ہوئیں، اور اسی سال بدر سے واپسی سے ایک روز قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی، آپ نے اس کے بعد دُوسری صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا، اور بدر کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ (نشر الطیب)

سنہ۳ھ شوال میں قریش نے ملک بھر سے عام چندہ کیا، چنانچہ شام کی تجارت کا پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اُونٹ بھی چندے میں شامل ہوئے،

الغرض پانچ ہزار بہادر افراد جن میں تین ہزار شترسوار، دو سو گھڑسوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ (پیدل) تھے، قریش ان سب کے ساتھ مدینہ کو بڑھے، دُوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سات سو مسلمانوں کے ساتھ اُحد تک پہنچے، مسلمانوں کو شکست ہوئی، بقیہ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تک دُوسرا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔

اسی سال غزوۂ حمراء الاسد، سریہ عبداللہ بن انیس، سریہ رجیع، قصہ عاصم و خبیب ہوا، اور واقعہ بیرِ معونہ محرم وصفر میں ہوا، اسی واقعہ بیرِ معونہ کے ایام میں غزوۂ بنی نضیر ہوا، جس میں یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محلّہ نضیر میں تشریف لائے اور دیت کے معاملے میں ان سے گفتگو کی، ان لوگوں نے آپ کو دیوار کے نیچے بٹھلا دیا اور اُوپر سے پتھر ڈالنے کا مشورہ کیا، مگر آپ کو وحی سے اطلاع ہوگئی، آپ اُٹھ کر مدینہ چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم نے نقضِ عہد کیا، یا تو دس دن کے اندر اندر نکل جاؤ، ورنہ لڑائی ہوگی، آخر وہ نکل گئے، اس کا کچھ قصہ سورۂ حشر میں ہے۔

اسی سال یا اگلے سال شراب حرام ہوئی، اور امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سنہ ۴ھ میں غزوۂ بدرِ ثانی ہوا، جس کو بدرِ صغریٰ اور بدرِ موعد بھی کہتے ہیں، اس میں جنگ نہیں ہوئی، اس کا قصہ چوتھے پارہ کے تیسرے رُبع: "اِسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ" سے مذکور ہے، یہ واقعہ شعبان میں ہوا یا ذوالقعدہ میں۔ اسی سال اِمام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سنہ ۵ھ ربیع الاوّل میں غزوۂ دومۃ الجندل اور شعبان میں غزوۂ مریسیع جس کو غزوۂ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں، ہوا، اس غزوہ میں وہاں کے لوگ مقابل نہیں ہوئے مگر ان کے اہل وعیال مسلمانوں کے ہاتھ آئے، جس میں اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ بھی تھیں، اسی غزوہ سے واپسی پر قصۂ اِفک ہوا، اور اسی سال شوال میں غزوۂ خندق جسے غزوۂ اَحزاب بھی کہتے ہیں، پیش آیا، مختلف قبائل نے مل کر دس ہزار کی فوج کے

ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودی گئی، آخرکار مخالف ناکام ہوئے، اور غزوۂ قریظہ بھی اس کے بعد ہوا، اور اسی زمانے میں ابورافع یہودی قتل کیا گیا، اس کے بعد غزوۂ عسفان ہوا، جس میں صلوٰۃ الخوف نازل ہوئی، اور اس کے بعد سریہ خبط جس پر ابوعبیدہؓ سپہ سالار تھے، اور جس میں عنبر مچھلی دریا سے ہاتھ آئی تھی، اس غزوہ کو سیف البحر بھی کہتے ہیں، اسی سال بقول بعض، آیتِ حجاب نازل ہوئی۔

سنہ ۶ ھ میں غزوۂ بنی لحیان ہوا، جس میں لوگ بھاگ گئے، پھر سریہ نجد واقع ہوا جس میں ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے، اسی سال ذوالقعدہ میں غزوۂ حدیبیہ ہوا، جس میں اگلے سال کا وعدہ ہوا کہ آکر عمرہ کریں، اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے اور اس معاہدے کی دس برس مدت ٹھہری کہ اس عرصے میں آپس میں لڑائی نہ ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں سے قریش اور قریش کے حلیفوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لڑیں گے، لیکن ہوا یہ کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں یعنی خزاعہ پر اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کی، اور فتحِ مکہ کا واقعہ مرتب ہوا، اسی سال سریہ زید بن حارثہؓ جموم (جو کہ ایک مقام کا نام ہے) کی طرف روانہ ہوا، جس میں کچھ قیدی اور مویشی ہاتھ آئے، اور اسی مہینے میں یہی عیص کی طرف روانہ ہوئے اور ابوالعاص بن ربیع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی حضرت زینبؓ کے شوہر قریش کا مالِ تجارت لئے ہوئے شام سے آرہے تھے کہ وہ سب مال لے لیا گیا اور ابوالعاص نے مدینہ میں آکر حضرت زینبؓ کی پناہ لی، اور مال واپس کرنے کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال مسلمانوں کی اجازت سے واپس کرادیا، ابوالعاص یہ مال لے کر واپس مکہ گئے اور مکہ سے مسلمان ہوکر واپس آئے، مگر زاد المعاد میں اس قصے کو ابوبصیر کی طرف منسوب کیا ہے، اور اسی سال ماہ شعبان میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا سریہ دومۃ

الجندل کو بھیجا گیا، وہ لوگ مسلمان ہوگئے، اور اسی سال شوال میں عرنیین کا قصہ ہوا، جس میں وہ لوگ پکڑے گئے اور قتل کئے گئے، ان سب کے بعد حدیبیہ ہوا، پھر حدیبیہ کے بعد غزوۂ غابہ واقع ہوا، جس کا نام غزوۂ ذی قرد بھی ہے، یہ ایک تالاب ہے، اور غابہ، مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام ہے۔

غزوۂ حدیبیہ کے بیس دن بعد غزوۂ خیبر ہوا، اور فدک خیبر سے ملحق ہے، ان سے صلح ہوئی، من جملہ غنائم خیبر کے اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ بھی ہیں، اور خیبر کے ایام میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ دُوسرے مہاجرینِ حبشہ کے ہمراہ وہیں تشریف لائے، اور خیبر ہی میں ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، اور اسی غزوہ میں گدھے کے گوشت کی حرمت ہوئی، اور متعہ کی ممانعت ہوئی، خیبر کے بعد وادی القریٰ کو فتح کیا، اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرلی، اور ان کو ان کے مال پر قابض رکھا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور فدک والوں کو نکالا تھا، اور تیما اور وادی القریٰ والوں کو اس لئے نہیں نکالا کہ یہ مواضع شام میں ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آکر مدینہ میں رہے اور مختلف سرایا روانہ فرمائے، سریہ ابی بکر بجانب بنوکلاب، سریہ عمر بجانب ہوازن وغیرہ وغیرہ، اسی سال قحط میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے پانی برسا۔

سنہ ۷ھ: اس سنہ کے ذوالقعدہ کے مہینے میں عمرۃ القضا ہوا، راستہ میں ہی حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، پھر مکہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور تیسرے دن حسبِ شرط مدینہ کو روانہ ہوئے۔

سنہ۸ہجری میں جمادی الاولیٰ کے مہینے میں غزوۂ موتہ ہوا، یہ شہر موتہ ارضِ شام میں ہے، حاکمِ شہر نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت حارث بن عمیر کو، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک حاکمِ بصریٰ کے پاس لے جارہے تھے،

قتل کردیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا لشکر بھیجا، جس کے امیر حضرت زیدؓ بن حارثہ شہید ہوئے تو جعفرؓ بن ابی طالب کو امیر بنایا گیا، وہ بھی شہید ہوئے، تو عبداللہؓ بن رواحہ کو امیر بنایا گیا، وہ بھی شہید ہوئے تو حضرت خالدؓ بن ولید نے قیادت سنبھالی اور حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ پر ہی فتح ہوئی۔ اسی سال جمادی الاخریٰ میں ذات السلاسل ہوا، اس میں لشکرِ اسلام ایک پانی پر ٹھہرا جس کا نام سلسل تھا، اسی لئے اس کا نام ذات السلاسل ہوا، بعض نے اور وجوہ بھی بیان کی ہیں، پھر اسی سال غزوۂ ذات الرقاع ہوا۔

اسی سال رمضان میں مکہ فتح ہوا، اور یہ اعظم فتوح، مدارِ اعزازِ اسلام اور مفتاحِ شیوعِ دِین ہے، جس کا سبب یہ ہوا تھا کہ بنی بکر نے خزاعہ پر شب خون مارا، اور قریش نے ان کی خفیہ مدد کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی اس عہد شکنی پر لشکر کشی فرمائی اور فتح حاصل کی، اور کعبہ میں موجود بت خانے کو نیست و نابود کیا، اور بعضے بت جو نواحِ مکہ میں تھے، ان کے مٹانے کے لئے سرایا روانہ فرمائے، حضرت خالدؓ کو عزّیٰ بت مٹانے کے لئے جو قریش اور بنی کنانہ کا بت تھا، اور حضرت عمروؓ بن العاص کو سواع کی طرف جو ہذیل کا بت تھا، اور سعدؓ بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف جو قدید کے قریب اوس، خزرج اور غنان وغیرہم کا بت تھا، روانہ کیا۔

پھر فتحِ مکہ کے بعد غزوۂ حنین ہوا جس کو غزوۂ اوطاس بھی کہتے ہیں، اس کے بعد شوال کے مہینے میں طائف کا محاصرہ کیا، فتح سے پہلے ہی واپس آئے، مگر بعد میں یہ لوگ تبوک حاضر ہوکر مسلمان ہوئے، پھر اسی سال محرم کے مہینے میں بنی تمیم کی طرف پچاس خودسوار بھیجے، وہ لوگ مقابلے سے بھاگ گئے، اور کچھ مرد اور عورتیں گرفتار ہوئیں، ان کے رُؤسا مدینہ حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے، اسی سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم پیدا ہوئے، اور آپ کی صاحبزادی

حضرت زینبؓ نے وفات پائی۔

سنہ ۹ ھ: اسی سال بنی کلاب کی طرف لشکر بھیجا گیا، کفار کو ہزیمت ہوئی، اور علقمہ بن مجزز مدلجی کا سریہ ساحل جدہ کی جانب روانہ فرمایا، یہاں حبشہ کے کچھ لوگ آکر جمع ہوگئے تھے، جب مسلمان وہاں پہنچے تو کفار بھاگ گئے اور حضرت علیؓ کو قبیلۂ طے کے بت خانہ کو منہدم کرنے کے لئے بھیجا، حاتم کے بیٹے عدی بھاگ گئے اور اس کی بہن قید ہوئی، اور پھر رہا کردی گئی، اس کی تعریف سے پھر عدی آکر مسلمان ہوگیا، پھر رجب میں غزوۂ تبوک ہوا، اس کو غزوۂ عسرۃ بھی کہتے ہیں، اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ رُوم آپ پر لشکر لاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک پر پہنچے، ہرقل نے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبرِ برحق سمجھتا تھا، مارے ڈر کے اِدھر کا رُخ نہ کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے، اسی زمانے میں مسجدِ ضرار کے گرانے کا قصہ ہوا، جو کہ قرآن مجید میں مذکور ہے: ''وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا''۔ اسی سال حج فرض ہوا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوات کے اہتمام کے سبب اس سال خود حج پر تشریف نہ لے جاسکے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرّر کرکے مکہ روانہ کیا، اور سورۂ براءت کے سنانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں روانہ کیا، اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثومؓ کا انتقال ہوا۔

سنہ ۱۰ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود حج کو تشریف لے گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتیں فرمائیں جیسے کوئی الوداع کہنے والا بوقتِ وداع کرتا ہے، اس لئے یہ حج ''حجۃ الوداع'' کہلاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ آدمی سے زائد حجاج تھے، عرفہ کے دن آیت: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .... الخ'' نازل ہوئی، حج سے واپسی پر ایک منزل غدیرِ خم میں تاکید محبت حضرت علیؓ پر ایک

خطبہ ارشاد فرمایا، کیونکہ یمن کے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کی بے جا شکایتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھیں، پھر مدینہ مکرمہ میں تشریف لاکر ہدایت و ارشادِ خلق و عبادتِ خالق میں مشغول ہوئے، اور ربیع الاوّل میں سفرِ آخرت کو اختیار فرمایا۔

۱۲ / ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ بروز دوشنبہ کو قمری حساب سے ۶۳ سال اور ۵ دن کی عمر میں اور شمسی سال کے حساب سے ۶۱ سال اور ایک یوم کی عمر میں بوقت چاشت مطابق ۳ / جون ۶۳۲ء جسمِ اطہر سے رُوحِ انور نے پرواز کی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اور مدّتِ تبلیغِ رسالت آٹھ ہزار ایک سو پچیّس دن ہیں، اور مدتِ قیامِ نبوی بعالمِ دُنیوی بائیس ہزار تین سو تیس دن اور چھ گھنٹے ہیں۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمینؐ ج:۱ ص:۲۷۲، ۲۷۳)

اس کے بعض مضامین نشر الطیب فی ذکر الحبیب لمولانا مولوی اشرف علی تھانویؒ سے، اور بعض کتاب سیرتِ رحمۃ للعالمینؐ، قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ سے مأخوذ ہیں۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فصل:

آپؐ کے بعض شمائل، اخلاق اور عادات:

شمائل ترمذی اور شفاء قاضی عیاضؒ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

میں نے اپنے ماموں ہند بن ہالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کیا، اور وہ حضورؐ کے اوصاف کا بکثرت ذکر کیا کرتے تھے، پس انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی ذات میں) عظیم تھے، (نظروں میں) معظم

تھے، آپ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر کی طرح چمکتا تھا، بالکل میانہ قد آدمی سے قدرے نکلے ہوئے تھے، اور دراز قد سے قامت میں کم تھے، سر مبارک (اعتدال کے ساتھ) کلاں یعنی بڑا تھا، موء (بال) سیدھے قدرے بل دار تھے، اگر سر کے بالوں کو جمع کرتے وقت ان میں (اتفاقاً اَز خود) مانگ نکل آتی تو مانگ نکلی رہنے دیتے، ورنہ نہیں، (یعنی ابتدائے اسلام میں ایسا معمول تھا، اور بعد میں تو قصداً مانگ نکالتے تھے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے سر، نرمۂ گوش سے تجاوز کر جاتے تھے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو بڑھائے ہوئے ہوتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک چمکدار تھا، پیشانی فراخ تھی، اَبرو خم دار بالوں سے پُر تھے اور باہم پیوستہ نہ تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ میں اُبھر جاتی تھی، بلند بینی تھے، بینی مبارک پر ایک نور نمایاں تھا، جو شخص تأمل نہ کرے آپ کو دراز بین سمجھے، ریش مبارک بھری ہوئی، تپلی، خوب سیاہ تھی، رُخسار مبارک سبک تھے، دہن مبارک (اعتدال کے ساتھ) فراخ تھا، (یعنی تنگ نہ تھا، نہ یہ کہ زیادہ فراخ تھا) دندان مبارک آبدار تھے اور ان میں (ذرا ذرا) ریخیں تھیں، سینہ سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا، اور گردن مبارک ایسی (خوبصورت) تھی جیسی تصویر کی گردن (خوبصورت تراشی جاتی ہے)، صفائی میں چاندی جیسی تھی، بدن جسامت میں معتدل، پُر گوشت اور گٹھا ہوا تھا، شکم اور سینہ مبارک ہموار تھا، اور سینہ قدرے اُبھرا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے درمیان قدرے (اوروں سے زائد) فاصلہ تھا، جوڑ کی ہڈیاں کلاں تھیں، کپڑا اُتارنے کی حالت میں آپ کا بدن روشن تھا، سینہ اور ناف کے درمیان لکیر کی طرح بالوں کی ایک متصل دھاری چلی جاتی تھی، اور ان بالوں کے سوا ثدیین (پستانوں) وغیرہ پر بال نہ تھے، (البتہ) دونوں بازو اور سینہ کے بالائی حصہ پر (مناسب مقدار) بال تھے، کلائیاں دراز تھیں، ہتھیلی فراخ

تھی، ہتھیلیاں اور قدم پُرگوشت تھے، (ہاتھ پاؤں کی) اُنگلیاں لمبی تھیں، اعصاب آپ کے برابر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے تلوے (قدرے) گہرے تھے (کہ چلتے میں زمین کو نہ لگتے تھے)، قدم مبارک ہموار اور ایسے صاف تھے کہ پانی ان پر سے (بالکل) ڈھل جاتا (یعنی میل کچیل، خشونت وغیرہ سے پاک تھے، چکنے ہونے سے پانی ان کو ذرا نہ لگا رہتا)، جب چلنے کے لئے پاؤں اُٹھاتے تو قوت سے پاؤں اُکھڑتا تھا، اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے کو جھک پڑتا اور تواضع کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے، چلنے میں ایسا معلوم ہوتا گویا (کسی بلندی سے) پستی میں اُتر رہے ہیں، جب کسی (کروٹ) کی طرف (کی چیز) دیکھنا چاہتے تو پورے مُڑ کر دیکھتے (یعنی کن انکھیوں سے دیکھنے کی عادت نہ تھی)، نگاہ نیچی رکھتے، آسمان کی طرف نگاہ کرنے کی نسبت زمین کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ زیادہ رہتی تھی۔ (بہشتی زیور)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دِل کے سخی تھے، کسی سوالی سے ”نہیں“ کبھی نہیں کی، اگر ہوا تو دے دیا، نہیں تو نرمی سے سمجھا دیا، دُوسرے وقت دینے کا وعدہ کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات کے سچے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بہت نرم تھی، سب باتوں میں سہولت اور آسانی برتتے، اپنے پاس بیٹھنے والوں کی بہت رعایت فرماتے یہاں تک کہ اگر کوئی نیند میں ہوتا تو بہت ہی آہستگی سے جوتی پہنتے، اور آہستہ سے کواڑ کھولتے اور تشریف لے جاتے، سب کام چپکے چپکے کرتے تاکہ کسی کی نیند خراب نہ ہو، بہت سے آدمیوں کے ساتھ چلتے تو اوروں سے پیچھے رہتے (یعنی اکثر ایسا ہوتا تھا) جو سامنے آتا پہلے خود سلام کرتے، جب بیٹھتے تو بہت عاجزی کی صورت بنا کر، جب کھانا کھاتے تو بہت ہی غریبوں کی طرح بیٹھ کر، کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، کبھی چپاتی نہیں کھائی، تکلف کی طشتریوں میں کبھی نہیں کھایا، ہر وقت خدا تعالیٰ کے خوف سے غمگین رہتے، ہر وقت اسی سوچ میں لگے رہتے، اسی دُھن میں کسی کروٹ چین نہ آتا،

مگر آنے والوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے، اپنے پاس آنے والوں کی بے قدری نہ کرتے، کسی کی بات نہ کاٹتے، البتہ اگر شرع کے خلاف کوئی بات کرتا تو منع فرمادیتے یا وہاں سے اُٹھ جاتے، خدا تعالیٰ کی نعمت کیسی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، اس کو بہت بڑا سمجھتے، کبھی اس میں عیب نہ نکالتے کہ اس کا مزا اچھا نہیں، یا اس نعمت میں بدبو ہے، البتہ جس چیز کو دِل نہ لیتا اُس کو خود نہ کھاتے اور نہ اس کی تعریف کرتے، نہ اس میں عیب نکالتے، دُنیا کی کیسی ہی بات ہو، اس کی وجہ سے آپ کو غصہ نہ آتا، اگرچہ نقصان ہی ہوجائے، البتہ اگر کوئی بات خلافِ دِین ہوتی تو اس وقت آپ کے غصّے کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا، اپنے ذاتی معاملے میں آپ نے کبھی غصہ نہیں کیا، اگر کسی سے ناراض ہوتے تو صرف منہ پھیر لیتے، یعنی زبان سے سخت سست نہ فرماتے اور جب خوش ہوتے تو نیچی نگاہ کرلیتے، یعنی شرم اس قدر تھی کہ کنواری لڑکی کو کیا ہوگی؟ بڑی ہنسی آتی، تو یوں ہی مسکرادیتے، یعنی آواز سے نہ ہنستے، سب میں ملے جلے رہتے، یہ نہیں کہ اپنی شان بنا کر لوگوں سے کھنچنے لگیں، بلکہ کبھی کبھی کسی کا دِل خوش کرنے کے لئے ہنسی مذاق بھی فرمالیتے، لیکن اس میں بھی وہی بات فرماتے جو سچی ہو، نفلیں اس قدر پڑھتے کہ کھڑے کھڑے دونوں پاؤں سوج جاتے، جب قرآن پڑھتے یا سنتے تو خدا تعالیٰ کی محبت اور خوف سے روتے، عاجزی اس قدر تھی کہ اپنی اُمت کو حکم فرمایا کہ مجھ کو بہت مت بڑھانا، غریب اور ماما اصیل یعنی خادمہ کو اگر الگ بات کرنا ہوتی تو کسی سڑک پر بیٹھ کر بات سن لیتے، کوئی بیمار امیر ہو یا غریب، اُس کی عیادت کرتے، کسی کا جنازہ ہوتا تو تشریف لے جاتے، زبان سے کوئی بے کار بات نہ نکلتی، سب کی دِل جوئی کرتے، کوئی ایسا برتاؤ نہ فرماتے جس سے کوئی گھبرائے، ظالم موذیوں کی شرارت سے خوش تدبیری کے ساتھ پیش آتے، اپنا بچاؤ بھی کرتے اور ان سے خوش اخلاقی سے بھی پیش آتے، حاضر ہونے والوں میں سے اگر کوئی نہ آتا تو اس

کو پوچھتے، ہر کام کو ایک قاعدے سے کرتے، یہ نہیں کہ کبھی کچھ کر دیا اور کبھی کچھ، اگر بات کے سننے والے بہت ہوتے تو باری باری سب کی طرف منہ پھیر کر توجہ فرماتے، سب کے ساتھ ایسا برتاؤ فرماتے کہ ہر شخص یوں سمجھتا کہ مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب کے ساتھ عام تھے، گھر میں جاکر آرام کے لئے مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے، گھر کے بہت سے کام اپنے ہاتھ سے کرتے، کہیں بکری کا دُودھ نکال لیتے، کہیں اپنے کپڑے صاف کر لیتے، اپنا کام اکثر اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بُرائی کرتا تو اس کو معاف فرماتے، اپنے ہاتھ سے کسی غلام، خدمت گار کو، عورت کو بلکہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا، ہاں! شریعت کے حکم کی سزا دینا اور بات ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی زیادتی کرتا تو اس کا بدلہ نہ لیتے، کسی سے بحث بحثی نہ کرتے، کسی کے عیب کی کھود کرید نہ فرماتے، وہی بات منہ سے نکالتے جس میں ثواب ملا کرتا ہے، کسی کو اپنی تعریف نہ کرنے دیتے (یعنی اکثر یہ قاعدہ تھا)، بات اور برتاؤ میں سختی نہ فرماتے، سارے آدمیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوش اخلاق تھے، پردیسی آدمی کی بے تمیزی کی گفتگو پر تحمل فرماتے، اگر کسی سے کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے خلاف ہوتی تو تغافل (چشم پوشی) فرماتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام جلیس ہم نشین اس طرح سر جھکا کر بیٹھتے جیسے اُن کے سروں پر پرندے آکر بیٹھ گئے ہوں، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساکت ہوتے تب وہ لوگ بولتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو شخص بولتا، اس کے فارغ ہونے تک سب خاموش رہتے، یعنی بات کے بیچ میں کوئی نہ بولتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس حلم، علم، حیا، صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی، اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتیں، کسی کی حرمت پر داغ نہ لگایا

جاتا، اور کسی کی غلطیوں کی اشاعت نہ کی جاتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ مجلس ایک دُوسرے کی طرف تقویٰ کے سبب متواضعانہ مائل ہوتے تھے، اس میں بڑوں کی توقیر ہوتی، اور چھوٹوں پر مہربانی کرتے تھے، صاحبِ حاجت کی اعانت کرتے تھے، اور بے وطن پر رحم کرتے تھے، جب کسی مجمع میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہوتی وہاں ہی بیٹھ جاتے، اور دُوسروں کو بھی یہی حکم فرماتے، جو شخص کسی ضرورت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بیٹھ جاتا یا کھڑا رہتا، تو جب تک وہی شخص نہ ہٹ جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ قائم رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُٹھنا بیٹھنا سب ذکر اللہ کے ساتھ تھا، اور اپنے بیٹھنے کے لئے کوئی ایسی جگہ معین نہ فرماتے کہ خواہ مخواہ اسی جگہ بیٹھیں، اور اگر کوئی اور وہاں بیٹھ جائے تو اس کو اُٹھادیں، اور دُوسروں کو بھی جگہ معین کرنے سے منع فرماتے، نہ دُرشت گو تھے، نہ سخت خو تھے، نہ چلاّ کر بولتے، نہ نامناسب بات فرماتے، اور نہ مبالغہ کے ساتھ کسی کی مدح فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ روئی اور خوش خوئی تمام لوگوں کے لئے عام تھی، گویا بجائے ان کے باپ کے ہوگئے تھے یعنی ان کے باپ کی جگہ تھے، اور تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حق میں فی نفسہٖ مساوی تھے، البتہ تقویٰ کی وجہ سے ایک کو دُوسرے پر ترجیح دیتے تھے، ورنہ دُوسرے اُمور میں سب باہم متساوی (برابر) تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، گویا آپ کے چہرہ میں آفتاب چل رہا ہو، اور جب آپ ہنستے تو دیواروں پر چمک پڑتی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مثل تلوار کے شفاف تھا؟ اُنہوں نے کہا: نہیں! بلکہ آفتاب اور مہتاب کی

مثل تھا، اور مدوّر تھا۔

حضرت اُمِّ معبد رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُور سے زیادہ جمیل اور نزدیک سے زیادہ شیریں وحسین معلوم ہوتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے عنبر، مشک اور کوئی خوشبودار چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی رہتی، کبھی کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دُوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا، اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز کو نگل جاتی، اور اس جگہ نہایت پاکیزہ خوشبو آتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح روایت کیا ہے، اسی لئے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہیں۔ ابوبکر بن سابق مالکیؒ اور ابونصر نے اس کو نقل کیا ہے۔ مالک بن سنانؓ یومِ اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون (زخم کا) چوس کر پی گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو قدرتی طور پر ختنہ شدہ اور سرمہ لگے ہوئے تھے، اور ماں کے بطن سے جب باہر آئے تو آلودگی سے پاک تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند فرماتے تھے اور سونے میں خراٹے بھی لینے لگتے تھے، مگر بدوں وضو کئے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے، یعنی سونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح کہ روشنی میں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُور سے ایسا دیکھتے تھے جیسا کہ قریب

سے، اور فرمایا کرتے تھے کہ: غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں اور غلاموں کی طرح کھاتا ہوں۔ اور اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمبل، موٹا کھیس اور گاڑھی چادر پہنتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور ناخوشی قرآن پاک کے تابع تھی، یعنی جس بات سے حق تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، اس سے خوش ہوتے تھے، اور جس سے ناخوش ہوتے ہیں اس سے ناخوش ہوتے تھے، "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرانَ"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلام، آزاد، لونڈی اور غریب سب کی دعوت قبول فرمالیتے، اور ہدیہ قبول فرماتے، اگرچہ قلیل ہی ہوتا، کبھی اپنے اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے، اور نہایت تواضع سے دراز گوش پر کبھی سوار ہوتے تھے، اور کبھی اپنے پیچھے بھی بٹھلالیتے، اور اپنے کپڑے میں جوڑ پیوند لگالیتے اور اپنی پاپوش کو خود سی لیا کرتے، اور گھر میں جھاڑو دے لیا کرتے، اور خدمت گار کے ساتھ کھانا کھالیتے، اور اپنا سودا بازار سے خود ہی لے آتے، اور اپنے خادم کے ساتھ آٹا گوندھوالیتے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ بات فخریہ نہیں کہتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت فصاحت سے کلام فرماتے تھے، حتیٰ کہ اگر کوئی شمار کرنے والا الفاظ کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کرسکتا تھا، اور سونے سے پہلے ہر آنکھ میں تین، تین سلائی سرمہ ڈالتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین گٹے تک ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تھے تو اس کے شملہ کو دونوں شانوں کے درمیان چھوڑ دیتے تھے، اور کبھی بے شملہ عمامہ باندھتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کلاہ بدوں عمامہ کے اور کبھی عمامہ بدوں کلاہ کے باندھتے تھے، اور کبھی کلاہ عمامہ کے نیچے ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے تو اپنی تینوں اُنگلیاں چاٹ لیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا اکثر جو کی روٹی ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرکہ، روغنِ زیتون، شیریں چیز، شہد اور کدو کو پسند کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عوارضِ بشریہ کا ظہور ہوا ہے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب مضاعف (دوہرا) ہو اور درجات بلند ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض بھی ہوا، اور درد وغیرہ کی شکایت بھی ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گرمی اور سردی کا اثر بھی ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادُو بھی کیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا بھی کی، پچھنے بھی لگوائے، جھاڑ پھونک کا استعمال بھی کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر بھی دیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ اور ہر آن میں دُشمنوں کی جانب سے قتل کے مواقع اور ہلاکت کی تدبیروں سے محفوظ رکھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ ثور میں تشریف لے گئے، اس وقت قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اور غورث بن حارث کی تلوار، ابوجہل کے پتھر، سراقہ بن مالک کے گھوڑے، لبید بن اعصم کے سحر اور یہودیہ کے زہر کے اثر وغیرہ سے محفوظ رکھا، اور ان جسمانی تکالیف میں یہ حکمت بھی ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جسمانی تکالیف نہ آتیں تو شاید کسی کو آپ پر آپ کے کمال اور معجزات دیکھ کر اُلوہیت کا شبہ ہو جاتا، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں خاص عجائب کے باعث بعض لوگ ضلالت میں پڑ گئے۔ رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِل مبارک کی حالت! سو وہ تعلق بالخلق سے منزّہ تھی، اور مشاہدۂ حق میں مشغول تھی، کیونکہ آپ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ ہی کے ساتھ، اللہ ہی کے واسطے، اللہ ہی میں مستغرق تھے، اور اللہ ہی کی معیت میں تھے، حتیٰ کہ کھانا پینا، پہننا، حرکت وسکون، بولنا، خاموش رہنا، سب اللہ ہی کے واسطے اور اللہ ہی کے حکم سے تھا، اور آپ نفسانی خواہش سے کچھ نہیں

بولتے تھے: "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی"۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وازواجہ
واصحابہ واتباعہ الی یوم الدین، آمین!

(خصائل، اخلاق اور عادات کی یہ فصل بہشتی زیور اور شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب سے لی گئی ہے، اور اس کے دلائل کا ثبوت اس میں مصرح ہے، یعنی شیم الطیب میں)۔

فصل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات:

اگر نظرِ صحیح سے کام لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ضبط اور احصاء (گنتی) سے متجاوز ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول، ہر فعل اور ہر حال باعتبار تضمن حِکَم، مصالح اور اسرار کے خارقِ عادت ہے، اور ظاہر ہے کہ اقوال، افعال اور احوال کی تمام جزئیات کا حصر عادتاً ناممکن ہے، اور نہ واقع ہوا ہے، اور ان حکمتوں کا تفصیلی علم عرفاء اور حکمائے الٰہی کے صدور وقلوب میں القا ہوتا ہے، اور ان کا اجمالی تذکرہ کتبِ اسرارِ شریعت میں، جیسے: اِمام غزالی، اِمام شعرانی اور شاہ ولی اللہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں جستہ جستہ پایا جاتا ہے، تو اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حد وشمار سے بڑھ کر ہوئے، لیکن چونکہ اس کا ادراک عوام کا حصہ نہیں ہے، اس لئے اس سے قطعِ نظر کرکے صرف ان ہی خوارق پر اکتفا کیا جائے جو نظرِ ظاہر و عامی میں بھی خارق ہیں، تو وہ بھی دس ہزار سے کم نہیں، چنانچہ سات ہزار سات سو معجزات پر تو صرف قرآن مجید اپنی بلاغت کے اعتبار سے مشتمل ہے، قطعِ نظر اس کے وہ اخبار عن المغیبات پر بھی مشتمل ہے، محدثینؒ و اہلِ سیر نے اپنے علم کے

موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جومعجزات لکھے ہیں، وہ بقول محدثین تین ہزار ہیں، جن میں سے ایک ہزار معجزات اِمام سیوطی رحمہ اللہ نے خصائصِ کبریٰ میں نقل کئے ہیں، اور تین سو سے زائد ''الکلام المبین'' میں مذکور ہیں، تو اس حساب سے تین ہزار سے زائد ہوئے، اس کتاب میں اوّل ایک تقریر بطور تمہید کے لکھی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا عالم کی تمام اقسام سے متعلق ہونا بیان کیا ہے، چونکہ یہ رسالہ نہایت ہی مختصر ہے، اس لئے صرف اس تقریر کو اس کے دِل پذیر ہونے کی وجہ سے نقل کرکے معجزات کی تمام اقسام میں سے دو چار پر اکتفا کرتا ہوں، وہ تقریر ملخصاً یہ ہے:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' یعنی اے محمدؐ! نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے تمام عالموں کے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت آئے گی جب زمین پر کوئی اللہ، اللہ کہنے والا نہ رہے گا (اور ظاہر ہے کہ اللہ، اللہ کہنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رسالت کے ماننے والے ہیں)۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب عالموں کی بقا و امن کا سبب ہے، نہ صرف نوعِ انسان، بلکہ سب اقسام عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے نفع یاب ہیں، اسی لئے اللہ جل جلالہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع اقسامِ عالم میں معجزات عطا فرمائے (اور چونکہ معجزہ دلیلِ نبوّت ہے اور دلیل شاہد ہوتی ہے، پس اس سے ثابت ہوا کہ تمام اقسامِ عالم باعتبار تعلق معجزات کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر دلالت کرتی ہیں اور شہادت دینے والی ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیسی عظیم ہے کہ جس طرح توحید پر تمام عالم گواہ ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر تمام عالم گواہ ہے)۔ چنانچہ اس کا بیان یہ ہے کہ:

تمام عالم دو قسم ہے: عالمِ معانی اور عالمِ اعیان۔

عالَمِ معانی: ان چیزوں سے عبارت ہے جن کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ دُوسری چیز کے ذریعہ پائی جاتی ہیں، یعنی وہ بذاتِ خود قائم نہیں ہوتیں، اس لئے انہیں عرض بھی کہتے ہیں، جیسے: کلام، علم، رنگ اور بو وغیرہ۔

عالَمِ اعیان: ان چیزوں سے عبارت ہے جو بذاتِ خود قائم ہوں اور انہیں جوہر بھی کہتے ہیں، جیسے: زمین، آسمان، آدمی اور درخت وغیرہ۔

پھر عالَمِ اعیان دو قسم ہے:

عالَمِ ذوی العقول: یعنی وہ جو عقل رکھتے ہیں، جیسے: انسان اور جن۔

اور عالَمِ غیر ذوی العقول: یعنی وہ جو عقل نہیں رکھتے، جیسے: جمادات وحیوانات۔

پھر اوّل یعنی ذوی العقول تین قسم ہے: عالَمِ انسان، عالَمِ ملائکہ اور عالَمِ جنات۔

اور ثانی یعنی عالَمِ غیر ذوی العقول، یا تو علوی ہوگا یعنی آسمان اور ستارے، یا سفلی یعنی وہ اجسام جو آسمان کے تلے ہیں۔

عالَمِ سفلی: دو قسم پر ہے: عالَمِ بسائط اور عالَمِ مرکبات۔

عالَمِ بسائط: عناصرِ اربعہ یعنی آب، آتش، باد اور خاک سے عبارت ہے۔

عالَمِ مرکبات: تین قسم ہے: جمادات، نباتات اور حیوانات، اور انہیں موالیدِ ثلاثہ بھی کہتے ہیں۔

پس عالَم کی تفصیلی اقسام نو ہوئیں: عالَمِ معانی[1]، ملائکہ[2]، انسان[3]، جن[4]، عالَمِ علوی[5] افلاک وکواکب، بسائط[6] یعنی عناصرِ اربعہ، جمادات[7]، نباتات[8] اور حیوانات[9]۔

حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ مرکبات کی تقسیم اس طرح فرماتے ہیں کہ: ایک مرکب وہ ہے کہ جس میں ایسا مزاج ہو کہ مرکب کی ترکیب کو چندے محفوظ رکھ سکے، اور ایک وہ کہ محفوظ نہ رکھ سکے، ثانی کو کائنات الجوّ کہتے ہیں،

جیسے اَبر وغیرہ، اور اوّل کی وہی تین قسمیں ہیں جو موالیدِ ثلاثہ کہلاتی ہیں، پس اس طرح سے کل اقسام دس ہوئیں، نو وہ جو مذکور ہوئیں، دسویں کائنات الجوّ، اور ہر قسم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ظاہر ہوئے ہیں، اس بنا پر دس اقسام میں باب لائے گئے ہیں، اور ہر دس اقسام میں دو سے چار تک معجزات لئے ہیں، جن کو بہ ترتیبِ اقسام ذکر کیا جاتا ہے:

عالمِ معانی میں معجزہ:

ا:...قرآن مجید: اپنی بلاغت، فصاحت اور اخبار عن المغیبات کے اعتبار سے۔

۲:...وہ خبریں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل الوقوع بیان فرمائیں، جیسے صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وعظ فرمایا، جس میں جتنے اُمور قیامت تک ہونے والے تھے، سب بیان فرمادیئے، جس نے یاد رکھا اُس کو یاد رہے، اور جو بھول گیا سو بھول گیا، اور میرے ان اصحاب کو ان بیان شدہ اشیاء کی خبر ہے، اور اس میں سے بعض شیٔ ایسی ہوتی ہے کہ میں اسے بھول گیا تھا، پھر جب میں اُسے دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آجاتی ہے، یعنی خبر کے وقوع کے بعد پہچان جاتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، یعنی جس طرح کسی شخص کی صورت آدمی کو یاد ہو اور وہ شخص غائب ہوجائے، پھر جب اُسے دیکھتا ہے تو پہچان جاتا ہے۔

۳:... وہ واقعاتِ حالی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر دیکھے بیان فرمادیئے، جیسے امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوۂ موتہ کے قصے میں) حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر، اس وقت لوگوں کو سنادی

تھی، جبکہ ابھی ان کی شہادت کی خبر نہیں آئی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نشان (جھنڈا) لیا زیدؓ نے پس شہید ہوا، پھر نشان لیا جعفرؓ نے پس شہید ہوا، پھر نشان لیا ابنِ رواحہؓ نے پس شہید ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آخر کو ایک خدا کی تلوار (حضرت خالدؓ) نے نشان لیا اور فتح حاصل ہوئی (پھر اسی کے مطابق خبر آئی)۔

عالمِ ملائکہ میں معجزہ:

۴:... صحیح مسلم میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بدر کے دن مسلمانوں کا ایک شخص مشرکوں کے ایک شخص کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ ناگاہ اس نے ایک کوڑا مارنے اور ایک سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: بڑھ اے حیزوم! سو کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے آگے چت پڑا ہے، اور کوڑے کی وجہ سے اس کی ناک ٹوٹ گئی ہے اور منہ پھٹ گیا ہے، اور یہ سب جگہ سبز ہوگئی ہے۔ وہ شخص مسلمان اور انصاری تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اِس واقعہ کو بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے! یہ تیسرے آسمان کی مدد میں کا، فرشتہ تھا۔

فائدہ:... حیزوم فرشتے کے گھوڑے کا نام ہے۔

فائدہ:... اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے اکثر غزوات میں فرشتوں کو بھیجا، چنانچہ بدر، اُحد اور حنین میں فرشتوں نے مدد کی۔

۵:... بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابنِ سعد نے طبقات میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کی ہے کہ: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: مجھے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر

دِکھادیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نہ دیکھ سکوگے، اُنہوں نے کہا: آپ دِکھادیجئے، تب آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ! وہ بیٹھ گئے، اور حضرت جبریل علیہ السلام کعبہ پر اُترے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ سے فرمایا: نگاہ اُٹھاؤ! اُنہوں نے نگاہ اُٹھاکر دیکھا، حضرت جبریل علیہ السلام کا جسم زبرجد اخضر یعنی چمکتے ہوئے سبز زمرد کی طرح تھا، سو حضرت حمزہؓ غش کھاکر گرگئے۔

عالَمِ انسان میں معجزہ:

۶:... ظہورِ ہدایت: جیسے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا تھا، اور وہ مشرکہ تھی، ایک دن میں نے اس سے اسلام لانے کے لئے کہا، تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا کلمہ کہا، جو مجھے ناگوار ہوا، اور میں روتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور میں نے کہا: اے رسول اللہ! دُعا فرمایئے کہ خدا تعالیٰ میری ماں کو ہدایت دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ" یا اللہ! ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت دے، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سن کر خوش ہوتا ہوا اپنے گھر آیا، دیکھا تو دروازہ بند تھا، اتنے میں میری ماں نے میرے پاؤں کی چاپ سن کر کہا کہ: ابوہریرہ! وہیں ٹھہرا رہ، اور میں نے پانی گرنے کی آواز سنی، میری ماں نے نہاکر اور کپڑے پہن کر دروازہ کھولا اور کہا: "اے ابوہریرہؓ! اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ"۔ میں خوش ہوکر شدّتِ خوشی سے روتا ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آیا اور اپنی ماں کے اسلام لانے کی خبر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حمدِ الٰہی بجالائے۔

۷:... ظہورِ برکت: جیسے بیہقی نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے حنظلہ بن خدیمؓ کے سر پر ہاتھ رکھا اور ان کے حق میں برکت کی دُعا کی، سو اس کے بعد ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اگر کسی آدمی کے منہ میں ورم ہوتا یا کسی بکری کے تھن میں ورم ہوجاتا اور ورم والی جگہ کو حضرت حنظلہ کے سر کے اس حصے پر لگادیا جاتا جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ لگایا تھا تو ورم جاتا رہتا۔

۸:...شفائے مرضیٰ: جیسے بیہقی، طبرانی اور ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ: حبیب بن فدک کے باپ کی آنکھ میں پھلی پڑگئی اور وہ بالکل اندھے ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں پر دَم کیا، اسی وقت ان کی آنکھیں اچھی ہوگئیں، راوی کہتا ہے کہ میں نے اسّی برس کی عمر میں اُنہیں سوئی میں ڈورہ ڈالتے دیکھا۔

۹:...قہر بے ادباں: جیسے امام مسلم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیدھے ہاتھ سے کھا، اس نے کہا کہ: میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، حالانکہ اس کا سیدھا ہاتھ اچھا تھا، مگر اُس نے سراسر غلط، از روئے بے باکی واستنکاف (داہنے ہاتھ سے کھانے کو ننگ وعیب جان کر) یہ بات کہی تھی، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو سیدھے ہاتھ سے نہ کھاسکے گا! اس کا ایسا ہی حال ہوگیا کہ اس کا سیدھا ہاتھ اس کام سے جاتا رہا، چنانچہ منہ تک ہاتھ نہیں پہنچاسکتا تھا۔

عالَمِ جن میں معجزہ:

۱۰:...خطیب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے کہ: ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے،

راہ میں ایک گاؤں میں پہنچے، اس گاؤں کے آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سن کر گاؤں کے باہر منتظر تھے، جب آپ وہاں پہنچے تو انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اس گاؤں میں ایک نوجوان عورت ہے، جس پر ایک جن عاشق ہے، اور اس پر آچڑھا ہے، نہ وہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے، قریب ہے کہ ہلاک ہوجائے۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ: میں نے اس عورت کو دیکھا، بہت خوبصورت تھی، جیسے چاند کا ٹکڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلاکر فرمایا: اے جن! تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ محمدؐ رسولِ خدا ہوں، اس عورت کو چھوڑ دے اور چلا جا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرماتے ہی وہ عورت ہوشیار ہوگئی یعنی ہوش میں آگئی، منہ پر نقاب کھینچ لیا، اور مردوں سے شرم کرنے لگی، اور بالکل صحیح ہوگئی۔

۱۱:... ترمذی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: ان کے ایک بخاری یعنی غلّے کی کوٹھڑی میں کھجور بھرے تھے، سو ایک جنّیہ آکر اس میں سے نکال لے جاتی، انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ! اور اب کے جب اس کو دیکھو تو یوں کہنا: ''بِسْمِ اللہِ اَجِیْبِیْ رَسُوْلَ اللہِ'' یعنی اللہ کا نام لے کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر چل، سو انہوں نے اس کو پکڑ لیا، پھر اس کے قسم کھانے پر کہ اب نہ آؤں گی، چھوڑ دیا، الیٰ آخر الحدیث۔

فائدہ:... یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ باوجود اس کے مؤمن نہ ہونے کے بھی محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے گرفتار ہوگئی۔

عالَمِ علوی افلاک وکواکب میں معجزہ:

۱۲، ۱۳:... چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا کواکب کے متعلق، اور معراج میں

سماوات کو طے کرنا افلاک کے متعلق صریح اور عظیم معجزے ہیں۔

عالمِ بسائط: خاک میں معجزہ:

۱۴:... عناصر متعلق خاک: جیسے صحیحین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: سفرِ ہجرت میں سراقہ بن مالک نے ہمارا پیچھا کیا، سو میں نے اُسے دیکھ کر کہا: یا رسول اللہ! ہمیں ایک شخص نے دیکھ لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" یعنی غم مت کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کے لئے بددُعا کی، سو اس کا گھوڑا سخت زمین میں پیٹ تک دھنس گیا، اور اس نے کہا کہ: مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں صاحبان نے میرے لئے بددُعا کی ہے، اب دُعا کرو کہ میں نجات پاؤں، اور میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے طلب کرنے والوں کو میں پھیر دُوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نجات کے لئے دُعا کی، سو اُس نے نجات پائی اور پھر گیا، اور جو کوئی اس سے ملتا تھا اُسے پھیر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ: اِدھر کوئی نہیں۔

آب میں معجزہ:

۱۵:... پانی سے متعلق: جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حدیبیہ میں لوگوں کو پیاس لگی، جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لوٹا تھا جس سے کہ آپ نے وضو کیا، سب لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے لشکر میں پینے کے لئے پانی ہے اور نہ وضو کے لئے، بس اسی قدر پانی ہے جو آپؐ کے اس لوٹے میں بچ رہا ہے، (کیونکہ حدیبیہ کے کنویں میں پانی کی قلت کی وجہ سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا تھا، جو کچھ تھا سب کھینچ لیا گیا تھا، رواہ البخاری) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو لوٹے میں رکھا اور

پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنگلیوں سے جوش مارنے لگا، سو ہم سب آدمیوں نے پانی پیا اور وضو کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: تم سب کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا کہ: اگر لاکھ آدمی ہوتے تو کفایت کر جاتا (یعنی پانی اتنا کثیر تھا) مگر ہم پندرہ سو آدمی تھے۔

آتش میں معجزہ:

۱۶:... آگ سے متعلق: جیسا کہ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: خندق کے دنوں میں انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے لئے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا، اور ایک صاع (یعنی تین سیر سے کچھ زائد) جو کا آٹا تیار کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چپکے سے آکر اس کی اطلاع کی، اور عرض کیا کہ: آپؐ مع چند آدمیوں کے تشریف لے چلیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہلِ خندق کو، جو ایک ہزار تھے، پکار کر جمع کرلیا اور ساتھ لے چلے، اور حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ: ہانڈی مت اُتاریو، اور آٹے کو مت پکائیو، جب تک میں نہ آؤں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوندھے ہوئے آٹے اور ہانڈی میں لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دُعا کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اور پکانے والی بلاؤ، اور ہانڈی میں سے شوربا نکال نکال کر دو، ہانڈی کو چولھے پر سے نہ اُتارو، جابرؓ کہتے ہیں کہ: کھانے والے ہزار آدمی تھے، خدا کی قسم! سبھوں (تمام لوگوں) نے کھایا، مگر ہماری ہانڈی ویسی ہی جوش میں رہی جیسے پہلے تھی، اور آٹا بھی اتنا ہی رہا، جتنا پہلے تھا۔

فائدہ:... اس سے عالمِ آتش میں بھی ایک خرقِ عادت اَمر ظاہر ہوا، کہ آگ کا شوربے میں وہ اثر ظاہر نہیں ہوا کہ آگ سے شوربا کم ہوجائے، بلکہ اس کے

برعکس آگ، شوربے میں اضافے کا سبب بن گئی، جیسا کہ چولھے سے اُتارنے کی ممانعت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اضافے میں آگ کا بھی دخل تھا۔

ہوا میں معجزہ:

۱۷:... متعلق ہوا: جیسے اُسی غزوۂ خندق میں واقع ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر ایسی ٹھنڈی پُروائی ہوا (بادِ مشرق) بھیجی کہ خوب کڑاکے کا جاڑا پڑا اور ہوا نے اُن کو نہایت عاجز اور تنگ کیا، بے شمار غبار ان کے مونہوں پر ڈالا، اُن کی آگ بجھادی، ان کی ہانڈیاں اُلٹ دیں، ان کی میخیں اُکھاڑ دیں کہ ان کے خیمے گر پڑے، ان کے گھوڑے کھل کر آپس میں لڑنے لگے، اور چھوٹ کر لشکر میں دُند (شور) مچادیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کفار کی خبر لانے کے لئے مامور فرمایا اور ان کے لئے شدّتِ سردی سے حفاظت کی دُعا فرمائی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت تھی کہ مجھے جانے آنے میں مطلق سردی معلوم نہ ہوئی، بلکہ ایسا حال تھا کہ گویا میں حمام میں چلا جاتا ہوں۔

(بعضہ من تواریخ حبیبِ الٰہ)

فائدہ:... ایسی سخت ہوا کا حضرت حذیفہؓ پر اثر نہ کرنا صریح خارق ہے۔

عالَمِ کائنات الجوّ:

۱۸:... جو چیزیں آسمان اور زمین کے درمیان ہیں، جیسے بادل وغیرہ، ان کو عالَمِ جوّ کہتے ہیں۔ جیسے صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک بار قحط ہوا، سو ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! مال

ہلاک ہوگیا اور عیال بھوکوں مر رہے ہیں، آپ مینہ کے واسطے دُعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھائے، اور اس وقت آسمان پر اَبر کا کوئی ٹکڑا نہ تھا، خدا کی قسم! کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھنے نہیں پائے تھے کہ پہاڑوں کی مانند ہر طرف سے اَبر گھر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترنے نہیں پائے تھے کہ ریش مبارک سے مینہ کے قطرات گرنے لگے، سو اس دن سے دُوسرے جمعہ تک مینہ برسا، پھر جمعہ کے دن اسی اَعرابی نے یا کسی دُوسرے شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ: مکانات گر پڑے، اور مال ڈُوب گیا، آپ دُعا فرمایئے کہ مینہ تھم جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی: اے اللہ! ہمارے اردگرد برسے اور ہم پر نہ برسے۔ اور جدھر اَبر کی طرف آپ نے اشارہ کیا وہیں کھل گیا۔ سو مدینہ پر پانی کا برسنا تو بالکل موقوف ہوگیا اور مدینہ کے اردگرد برستا رہا، اطراف سے جو لوگ آتے تھے، مینہ کی کثرت بیان کرتے تھے۔

فائدہ:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے اَبر کا فوراً اُٹھ آنا اور اشارہ سے اَبر کا ہٹ جانا، ان دونوں میں خارقِ سحاب کا ظہور ہے۔

۱۹:... جیسے صاعقہ میں: جس کو کمالین میں نسائی، ابنِ جریر اور بزار کی طرف منسوب کرکے نقل کیا ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے پاس کسی کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ کہا کہ رسول اللہ کون ہوتے ہیں؟ اللہ کیسا ہوتا ہے؟ سونے کا یا چاندی کا یا تانبے کا؟ معاً اس پر بجلی گری اور اس کی کھوپڑی اُڑادی۔

فائدہ:... ظاہر ہے کہ اس واقعے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کو بھی دخل ہے، اس اعتبار سے صاعقہ میں معجزے کا ظہور ہے، جو کہ کائناتِ جوّ سے ہے۔

عالَمِ جمادات اور عالَمِ نباتات میں معجزہ:

۲۰:... اِمام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بعض اطراف کی طرف نکلے، اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا، سو جو پہاڑ یا درخت سامنے آتا وہ یہ کہتا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ!''۔

فائدہ:... چونکہ پہاڑ، جمادات میں سے ہیں، اور درخت، نباتات میں سے، سو دونوں میں معجزہ کا ظہور ہوا۔

۲۱:... صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے وقت مسجد کے ایک ستون پر جو کہ کھجور کے درخت کا تھا، تکیہ لگالیتے تھے، جب منبر بنا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ پڑھنا شروع کیا، یکبارگی وہ ستون چلاّ کر زور سے رونے لگا، قریب تھا کہ پھٹ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے اور اس ستون کو اپنے بدن مبارک سے چمٹالیا، سو وہ ستون اس طرح ہچکیاں لینے لگا، جس طرح وہ بچہ، ہچکیاں لیتا ہے جس کو رونے سے چپ کرایا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا رونا تھم گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: چونکہ یہ ہمیشہ ذکر سنا کرتا تھا، اب جو نہ سنا تو رونے لگا۔

فائدہ:... یہ ستون باعتبار اصلی حالت کے نباتات میں سے تھا، اور باعتبار موجودہ حالت کے جمادات میں سے، پس اس معجزہ کو دونوں قسموں سے تعلق ہے، اور اس کے رونے میں جس طرح مفارقت کو دخل ہے، اسی طرح مفارقتِ ذاکر یعنی ذاتِ مقدسہ نبویہ کو بھی، ورنہ سینے سے لگانے سے خاموش نہ ہوتا، پس اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

۲۲:... امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:
میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھوڑے سے چھوہارے لایا اور عرض کیا کہ: ان چھوہاروں کے لئے دُعائے برکت کردیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھوہاروں کو اکٹھا کر کے ان کے لئے دُعائے برکت کی اور مجھ سے فرمایا کہ: انہیں لے کر اپنے توشہ دان میں ڈال دو، جب تمہارا جی چاہے، اس میں سے ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو، مگر اُسے جھاڑنا مت۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ: ان چھوہاروں میں ایسی برکت ہوئی کہ میں نے اتنے اتنے وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، اور ایک صاع وہ برتن ہے جس میں ساڑھے تین سیر گندم سما سکے) اللہ کی راہ میں خرچ کئے، اور ہمیشہ اس میں سے کھاتا اور کھلاتا رہا، اور وہ توشہ دان ہمیشہ میرے گھر میں لگا رہتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن (قریب قریب تیس برس کا زمانہ ہوتا ہے) میری کمر میں سے کٹ کے کہیں گر پڑا اور جاتا رہا۔

فائدہ:... یہ معجزہ ایسی چیز میں ظاہر ہوا جو اصل میں نبات کا ثمرہ ہے، اور فی الحال جماد ہے، اس کو بھی دونوں سے تعلق ہوا۔

عالمِ حیوانات میں معجزہ:

۲۳:... مسندِ احمد اور دارمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اُونٹ بڑا شریر تھا، جو کوئی باغ میں جاتا، اس پر دوڑ پڑتا اور کاٹنے کے لئے جھپٹتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلایا، وہ آیا، اور اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ناک میں نکیل ڈال دی اور فرمایا: نافرمان جن و انس

کے سوا جتنی چیزیں آسمان و زمین میں ہیں، سب جانتی ہیں کہ میں رسولِ خدا ہوں۔

۲۴:... بیہقی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: میں دریائے شور میں تھا، جہاز ٹوٹ گیا، تو میں ایک تختے پر بیٹھ گیا، بہتے بہتے ایک نیستان (جنگل) میں پہنچا، جہاں مجھے ایک شیر ملا، جب وہ میری طرف آیا، تو میں نے کہا کہ: میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، پس وہ شیر میری طرف بڑھا اور اپنا کندھا میرے بدن پر مارا، اور میرے ساتھ چل پڑا، یہاں تک کہ مجھے راہ پر کھڑا کردیا، پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر کچھ باریک باریک آواز نکالتا رہا، اور میرے ہاتھ سے اپنی دُم مس کی، تو میں سمجھا کہ مجھے رُخصت کر رہا ہے۔

فائدہ:... پہلا قصہ مأکول جانور کا تھا، اور یہ غیر مأکول کا ہے، وہ حیات میں تھا اور یہ بعد وفات کا قصہ ہے، جس میں وجہ اعجاز قوی تر ہے، کیونکہ وفات کے بعد دُوسرے قویٰ کی فاعلیت کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔

۲۵:... بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُودھ کا ایک پیالہ گھر میں پایا، حکم دیا کہ اصحابِ صفہ کو بلالو، چونکہ ابوہریرہؓ بھوکے تھے، انہوں نے اپنے دِل میں خیال کیا کہ اگر مجھے دیتے تو میں سیر ہوکر پیتا، فرماتے ہیں کہ: بہرحال میں نے ان سب کو بلالیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: انہیں دُودھ پلاؤ، میں نے دُودھ پلانا شروع کیا، یہاں تک کہ سبھوں نے سیر ہوکر پیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ: تم پیو! میں نے پیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور پیو! میں پیتا جاتا تھا، یہاں تک کہ میں نے قسم کھاکر کہا کہ اب پیٹ میں جگہ نہیں! پھر باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔

فائدہ:... یہ اجزائے حیوان میں معجزہ کا ظہور ہوا۔

یہاں تک نشر الطیب میں ناقلاً عن الکلام المبین مذکور ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمْ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَیْضًا

فصل:

آپؐ کے بعض خصائص:

منقول از نشر الطیب فصل ۲۴، یعنی ان اُمور میں جو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا فرمائے، اور وہ چند قسم ہیں:

دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے کی خصوصیات:

ایک قسم ان اُمور کی ہے جو دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ میں پائے گئے، مثلاً:

۱:... سب سے اوّل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ پاک کا پیدا ہونا۔

۲:... سب سے اوّل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت عطا ہونا۔

۳:... یومِ میثاق میں سب سے اوّل "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ؟" کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا "بَلٰی!" فرمانا۔

۴:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک عرش پر لکھا جانا۔

۵:... خلقِ عالم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ہونا۔

۶:... پہلی کتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت وفضیلت کا ہونا۔

۷:... حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ

السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات حاصل ہونا، جیسا کہ حاکم، بزار، طبرانی اور بیہقی وغیرہ کی روایات میں تصریح ہے، اور نشر الطیب کی فصلِ اوّل اور دوم میں بھی اس سلسلے کی کچھ روایات مذکور ہیں۔

دُنیا میں تشریف لانے کے بعد کی خصوصیات:

دُوسری قسم کے اُمور وہ ہیں جو دُنیا میں تشریف آوری کے بعد اور نبوّت سے پہلے ظاہر ہوئے، مثلاً:

۱:... مہرِ نبوّت کا شانہ پر ہونا۔
۲:... کسریٰ کے محل میں زلزلہ آنا۔
۳:... بحیرہ طبریہ کا دفعۃً خشک ہوجانا۔
۴:... فارس کے آتش کدہ کا بجھ جانا۔
۵:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو ایسا نور نظر آنا کہ جس سے انہوں نے شام کے محلات کو دیکھا، وغیر ذالک۔

یہ روایات مواہبِ لدنیہ اور فتح الباری وغیرہ میں مذکور ہیں، اور نشر الطیب کی چھٹی فصل میں بھی موجود ہیں۔

نبوّت کے بعد ملنے والی خصوصیات:

تیسری قسم ان اُمور کی ہے جو نبوّت کے بعد ظاہر ہوئے، اور وہ ذاتِ مبارک کے ساتھ مختص ہیں، مثلاً:

۱:... معراج اور اس میں عجائبِ ملکوت، جنت و نار پر مطلع ہونا۔
۲:... حق تعالیٰ کو دیکھنا۔
۳:... کہانت کا منقطع ہونا۔

۴:...اذان و اقامت میں آپ کا نام مبارک ہونا۔

۵:...ایسی کتاب عطا ہونا جو ہر طرح معجزہ ہے، یعنی لفظاً بھی، معنیً بھی، تغیر سے محفوظ رہنے میں بھی اور زبانی یاد ہونے میں بھی۔

۶:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ کا حرام ہونا۔

۷:...نوم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وضو کا واجب نہ ہونا۔

۸:...ازواجِ مطہراتؓ کا اُمت پر ابداً حرام ہونا۔

۹:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے بھی اولاد کا نسب ثابت ہونا۔

۱۰:...آگے پیچھے سے برابر دیکھنا۔

۱۱:...دُور دُور تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُعب پہنچنا۔

۱۲:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم عطا ہونا۔

۱۳:...تمام خلائق کی طرف مبعوث ہونا۔

۱۴:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوّت کا ختم ہونا۔

۱۵:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا سب انبیاء کے متبعین سے زیادہ ہونا۔

۱۶:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب مخلوق سے افضل ہونا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی خصوصیات:

چوتھی قسم ان اُمور کی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بطور خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو عطا ہوئے، اور دُوسری اُمتیں اس سے محروم رہیں، مثلاً:

۱:...غنائم کا حلال ہونا۔

۲:...تمام زمین پر نماز کا جائز ہونا۔

۳:...تیمّم کا مشروع ہونا۔

۴:...اذان و اقامت کا مقرّر ہونا۔

۵:...نماز میں ان کی صفوف کا بطرزِ صفوفِ ملائکہ ہونا۔

۶، ۷:... جمعہ کی ایک خاص عبادت و ساعت، اجابت کے لئے مقرّر ہونا۔

۸:...روزہ کے لئے سحری کی اجازت۔

۹:...رمضان میں شبِ قدر۔

۱۰:...ایک نیکی کریں تو ادنیٰ درجہ دس گُنا اور اس سے بھی زیادہ ثواب کا ملنا۔

۱۱:... وسوسہ، خطا اور نسیان کا گناہ نہ ہونا (شاید پہلی اُمتوں میں ان کے اسباب کا انسداد بھی واجب ہوگا، اور اسی اعتبار سے یہ اِس اُمت کے ساتھ خاص ہوا)۔

۱۲:...اَحکامِ شاقہ کا مرتفع ہوجانا۔

۱۳، ۱۴:...تصویر و مسکرات کا ناجائز ہونا (کہ یہ بے شمار مفاسد کا سدِ باب ہے اور مفاسد سے بچانا رحمت ہے، جیسا کہ بعض جگہ تسہیل کا حکم رحمت ہے)۔

۱۵:...اجماعِ اُمت کا حجت ہونا اور اس میں ضلالت کا احتمال نہ ہونا۔

۱۶:...فروعی اختلاف کا رحمت ہونا۔

۱۷:...اُممِ سابقہ کے سے عذاب نہ آنا۔

۱۸:...طاعون کی موت کا شہادت ہونا۔

۱۹:...علماء سے دِین کا وہ کام لیا جانا جو انبیاء کیا کرتے تھے۔

۲۰:...قربِ قیامت تک جماعت اہلِ حق کا مؤید من اللہ ہوکر پایا جانا، وغیر ذالک۔

دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کی خصوصیات:

پانچویں قسم ان اُمور کی ہے جو دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد برزخ یا قیامت میں ظاہر ہوئے یا ہوں گے، مثلاً:

۱:...سب سے پہلے قبر شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں گے۔

۲:...سب شفاعت کرنے والوں سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

۳:...سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

۴:...حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابعدار قیامت کے روز سب پیغمبروں کے متبعین سے زائد ہوں گے۔ (رواہ مسلم)

۵:...شفاعتِ کبریٰ جو کہ تمام عالَم کے لئے فصلِ حساب کے لئے ہوگی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی فرمائیں گے۔ (متفق علیہ)

۶:...لواء الحمد، جس کے نیچے تمام انبیاء ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ (رواہ الترمذی)

۷:...مقامِ محمود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے۔

۸:...سب رسولوں سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پل صراط سے گزرے گی۔ (متفق علیہ)

۹:...آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، وغیر ذالک۔ (رواہ مسلم)

برزخ کے بعض فضائل کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ ہیں:

برزخ کے متعلق بعض فضائل یہ ہیں کہ:

۱:... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔ (کذا فی المواہب)

۲:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں، اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، یعنی کھاتے پیتے ہیں، اور یہ زندگی اور مرزوقیت، شہداء کی زندگی اور رزق دیئے جانے سے اکمل و اقویٰ ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

۳:... تمام انبیاء علیہم السلام قبر مبارک میں نماز پڑھتے ہیں۔

فائدہ:... یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لئے ہے، اور یہ رزق اُس عالَم کے مناسب ہوتا ہے۔

۴:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک سے سلام خود سنتے ہیں، اور دُور سے بذریعۂ ملائکہ سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ یہ تو دائماً ثابت ہے، جبکہ احیاناً بعض خواصِ اُمت سے یقظہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور ہدایت فرمانا آثار و اخبار میں مذکور ہے، اور حالتِ رُؤیا و کشف میں تو ایسے واقعات بے شمار ہیں۔ اور بیک وقت ان مشاغل کے اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں رُوح کو، پھر خصوصاً رُوحِ مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے، مگر اس وسعت سے اُمورِ غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت دائماً یا ثابت احیاناً کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہیں ہوگا، خوب سمجھ لو!

۵:...اور ہر روز ستر ہزار فرشتے قبرِ مبارک پر آتے ہیں، اور قبرِ مبارک کو بازو مارتے ہوئے احاطہ کرلیتے ہیں، اور دُرود پڑھتے ہیں، اور پھر شام کو اُوپر چڑھ جاتے ہیں، اور دُوسرے فرشتے اسی طرح آسمان سے اُترتے ہیں، اور ایسا ہی کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ جب قیامت کے دن قبر کی زمین شق ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے چلیں گے۔ (رواہ الدارمی)

یہ سب مضامین نشر الطیب سے مختلف مقامات سے لئے گئے ہیں، اور بعض ایک ہی فصل سے لئے گئے ہیں۔

صلّٰی علیک اللہ اٰخر دھرہٖ متفضلًا
مُتَرَحِّمًا وحبالک الموعود من احسانہٖ

فصل:

دُعا میں آپؐ کے ساتھ توسل کرنا:

گو جس طرح دُرود شریف قربت مقصودہ ہے، یہ توسل قربت مقصودہ نہیں، مگر صرف ایک خاصیت میں دُرود شریف کا ہم اثر ہے کہ دونوں دُعا کے اقرب الی الاجابۃ ہونے کا سبب ہیں، اور گو بعض نے اس مسئلے میں اختلاف بھی کیا ہے، مگر جمہور کا مسلک اس کے جواز کا ہے، بشرطیکہ حدودِ شرعیہ کو محفوظ رکھے، اس لئے مذہب منصور یہی ہوا، سننِ ابنِ ماجہ میں باب صلوٰۃ الحاجۃ میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ: ایک نابینا شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: دُعا

کیجئے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس کو ملتوی رکھوں، اور یہ زیادہ بہتر ہے، اور اگر تو چاہے تو دُعا کروں، اس نے عرض کیا کہ: دُعا ہی کردیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ نہایت اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو اور یوں دُعا کرو:

''اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، بوسیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبیٔ رحمت کے، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے وسیلہ سے اپنی اس حاجت میں اپنے رَبّ کی طرف متوجہ ہوا ہوں، تاکہ وہ پوری ہو، اے اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے۔''

انجاح الحاجۃ میں ہے کہ: اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے، اور ترمذی نے حسن صحیح کہا، اور بیہقی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، اور اس میں اتنا زیادتی کی ہے کہ: ''وہ کھڑا ہوگیا اور بینا ہوگیا''۔ (نشر الطیب)

طبرانیؒ نے کبیر اور اوسط میں اس روایت کو ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں ابنِ صلاح بھی ہے، اور ابنِ حبانؒ اور حاکمؒ نے اس کی توثیق کی ہے، اس میں ایک گونہ ضعف ہے، مگر ایسے ابواب میں مضر نہیں۔ (نشر الطیب)

فائدہ:... اس سے صراحتاً توسل ثابت ہے، اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے دُعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دُعا کا جائز ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: اے اللہ! فلاں بندہ آپ کا موردِ رحمت ہے، اور موردِ رحمت سے محبت و اعتقاد رکھنا بھی موجبِ جلبِ رحمت ہے، اور ہم اس

سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما۔ اور توسل بالاعمال میں بھی تھوڑے سے تغیر سے یہی تقریر ہے کہ یہ اعمال آپ کے نزدیک موجبِ رحمت ہیں، اور ان کا فاعل بھی مرحوم ہے، اور ہم نے یہ اعمال کئے تھے، پس ہم پر رحمت فرما۔ اور اس میں جو''یا محمد!'' کا لفظ آیا ہے، اس سے توسل بالقول اور فی الحیات ثابت ہوتا ہے، اور توسل بالقول بعد وفات بھی، طبرانی کی مذکورہ بالا عثمان بن حنیف کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ (ثبوت بالروایۃ کے علاوہ درایۃً بھی یہ ثابت ہے، کیونکہ توسل کا مذکورہ معنی حیات و وفات دونوں حالت میں مشترک ہے۔ نشر الطیب) اور توسل بالفعل بعد الوفات اس حدیث سے ثابت ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے قحط کی شکایت کی، تو آپؓ نے فرمایا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی طرف (حجرہ مبارک کی محاذات میں چھت میں) ایک منفذ (سوراخ) کردو، یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو بہت زور کی بارش ہوئی۔ الحدیث۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

(کذا فی خیر المواعظ باب الکرامات)

تو بزبانِ حال اس توسل بالفعل کے معنی یہ تھے کہ: اے اللہ! یہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے، جس کو ہم جسدِ نبوی سے تلبّس کی وجہ سے متبرک سمجھتے ہیں، اور نبی سے ملابس چیز کو متبرک سمجھنا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ نبی کی عظمت کا اعتقاد رکھنا پسندیدہ عمل اور موجبِ رحمت ہے، پس ہم پر رحمت فرمایئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قحط کے وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بارش کی دُعا کیا کرتے اور فرماتے کہ: اے اللہ! ہم (پہلے) آپ کے دربار میں اپنے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل کیا کرتے تھے، آپ ہم کو بارش دیتے تھے، اور اب ہم آپ کے دربار میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا توسل کرتے ہیں، سو ہم کو بارش دے، چنانچہ بارش ہوتی تھی۔ (بخاری)

فائدہ:... اس حدیث سے غیرِ نبی کے ساتھ توسل کرنا بھی جائز نکلا، جبکہ اس کو نبی سے قرابتِ حقیقی حسیہ کا یا قرابتِ معنوی کا کوئی تعلق ہو، تو توسل بالنبی کی ایک صورت یہ بھی نکلی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل کرنے کے عمل سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی ذات سے توسل جائز نہ تھا، اسی لئے آپؐ کے چچا صاحب سے توسل کیا گیا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توسل بالنبی کی ایک اور صورت بھی ظاہر کردی جس پر کسی صحابی نے انکار نہ کیا، تو گویا اس میں اجماع کے معنی آگئے۔

تنبیہ:... توسل بالمقربین وبالاعمال الصالحہ کا حاصل یہی ہے کہ مقربینِ بارگاہِ صمدیت اور اعمالِ صالح چونکہ موردِ رحمت وموجبِ رحمت ہیں، اور موردِ رحمت سے محبت واعتقاد موجبِ جلبِ رحمتِ الٰہی ہے، تو اے اللہ! ہم بھی ان سے محبت و اعتقاد رکھتے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما اور ہماری حاجت روائی ومشکل کشائی فرما!

اسی طرح چونکہ اعمالِ صالحہ کرنے والا مرحوم ہوتا ہے، اور ہم نے بھی یہ اعمالِ صالحہ کئے ہیں، پس ہم پر بھی رحمت فرما اور ہماری حاجت براری ومشکل کشائی فرما! تو مقربینِ جل جلالہٗ وعزّ برہانہ اور اعمالِ صالحہ دُنیا وآخرت کے مقاصد کے لئے وسیلۂ کاملہ وعروۂ وثقیٰ قرار پائے جبکہ مشکل کشائی، حاجت روائی، مضطر کے اضطرار اور پریشانی کو دُور کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کارساز وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، پس اگر کوئی شخص

مقربینِ جل و علا کو کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھے گا تو بعض صورتوں میں شرک ہو جائے گا، اور بعض صورتوں میں گناہ ہوگا، اور بعض غیر اَولیٰ ہوں گی، خوب سمجھ لو!

(من الروض)

من یکن برسول اللہ نصرتہ

فالفتح من جندہ والنصر والظفر

ترجمہ:... ''اور جس شخص کی نصرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے ہو، تو فتح، نصر اور ظفر اُس کے لشکر میں سے ہے۔''

فاعطف الٰھی علینا قلب سیّدنا

خیر الانام فمنہ العطف منتظرٌ

ترجمہ:... ''سو! اے اللہ! ہم پر ہمارے سردار خیر الامم کے قلب کو مہربان کردیجئے، کیونکہ آپ کی طرف سے عطوفت کا انتظار ہے۔''

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصُرُ

ترجمہ:... ''اے پروردگار! ابد الآباد تک دُرود و سلام بھیجئے! اپنے حبیب پر، جن سے زمانوں کی زینت ہوگئی ہے۔''

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت

استغفرک واتوب الیک

اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آل
سیدنا محمد افضل صلواتک وسلامک وبرکاتک عدد
معلوماتک انک حمید مجید

فاغفر لناشدھا واغفر لسامعیا
سألتک الخیر یا ذا الجود والکرم

ترجمہ:...''سو مغفرت فرمادیجئے اس کے کہنے والے اور سننے والے کی، میں آپ سے خیر کا سوال کرتا ہوں، اے صاحب جود وکرم۔''

الحمد للہ تعالیٰ حمدًا کثیرًا طیبًا

احقر الانام محمد عبداللہ عفی عنہ اللہ تعالیٰ

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ

تصدیقات

(۱)

اِمام النحو حضرت مولانا غلام رسول پونٹوی کی تصدیق:

احقر نے اس رسالہ کا اوّل سے آخر تک مطالعہ کیا، عوام کے لئے بالخصوص مفید پایا، اور مؤلف جزاہ اللہ خیر الجزاء نے صحتِ روایات ونقول کا خوب التزام کیا ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف ادام اللہ محبتہٗ کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس سعی کو منظور فرما کر موجب نجاتِ حوادثاتِ دُنیوی و اُخروی بنائے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ الف صلوٰۃ کے عاشقوں کے لئے عمدہ ذخیرہ ہے۔

حررہ الآثم ابوالحسن غلام رسول المتمکن پونٹہ کھاکھی
عفی اللہ عنہ ذنبہ الخفی والجلی

(۲)

مولانا سیّد محمد عبداللہ شاہ غازی پوری

خاکسار نے اس رسالے کو اوّل سے آخر تک دیکھا، بحمدہ تعالیٰ کتبِ معتبرہ کی روایات کو صاحبِ مؤلّف نے نہایت احسن ترتیب میں جمع فرمایا ہے، اہلِ اسلام کے لئے نہایت مفید چیز ہے، اللہ جل وعلا شانہ مولانا صاحب کو زیادہ طاقت بخشے اور

نجات آخرت کے لئے بنائے، اور قصد رضائے الٰہی میں درج فرمائے، آمین!

العبدہ الاواہ سیّد محمد عبداللہ شاہ غازی پوری

ڈاک خانہ جلال پور پیروالا، من مضافات ملتان

(۳)

ماہر العلوم القرآنیہ واقف اسرار الفرقانیہ صاحب الشریعۃ والطریقۃ

مولانا محمد شفیع صاحب ادام اللہ فیوضہ

حامدًا ومصليًا وبعد فقد رأيت هٰذه الرسالة التى صنفها العلام الهمام واقف رموز كلام الله مولانا محمد عبدالله ادامه الله فوجدت ما فيها حقا صريحًا لا يحوم حول سرادقاته شك ولا ريب، وانهٗ لقول فصل وما هو بالهزل، متعنا الله تعالىٰ بطول حياتهٖ وبقائهٖ وجزاه الله عنى وعن سائر اهل الحق خير جزاء عنائه امين فاٰمين!

العبد الضعيف محمد شفيع

المدرس فى المدرسة الجامعة الاسلامية الحنفية

الواقعة فى بلدة ملتان

(۴)

جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر المعقول والمنقول حاذق الاصول والفروع

مولانا محمد عبدالخالق نعمانی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقاۂ

هٰذا شيء عجيب علق نفيس بضاعة كثير، من اخذه فقد فاز فوزًا

عظیمًا، ومن ترکه فقد خسر خسرانًا مبینًا.

العبد الضعیف المحتاج الی الله القوی

محمد عبدالخالق نعمانی

صدر مدرّس مدرسه نعمانیه فی بلدة ملتان

(۵)

اعلم العلماء الاعلام البحر النحریر

مولانا خان محمد صاحب سلمہ الصمد

اگرچہ نیازمند رسالہ مرقومہ کو بوجہ قلت وقت بتمامہ مطالعہ نہ کرسکا، البتہ بعض بعض مقام کو دیکھا، لہٰذا رسالہ ہٰذا عوام کے لئے، بلکہ ہر مسلمان کے لئے مفید ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف صاحب کو دارین میں فائز المرام فرمائے، آمین ثم آمین!

العبد خان محمد عفا اللہ عنہ

مدرّس مدرسہ نعمانیہ ملتان

(۶)

ناصر الشریعۃ ومحی السنہ حامی مذہب اہلِ سنت

سیّد محمد بخش شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

طالبِ دُعا نے قلتِ وقت میں رسالہ کا مطالعہ کیا، تفصیلات بہتر صورت میں مذکور ہیں، قلَّ وَدلَّ کا اچھا مصداق ہے، عوام کو خصوصاً بہت مفید ہوگا، اللہ تعالیٰ مؤلف کی سعی مشکور فرمائے، بحرمتِ ن وصاد۔

سیّد محمد بخش تونسوی سوکڑی

(۷)

حضرت مولانا اِمام شاہ صاحب زید مجدہم

بسملًا، حامدًا ومصليًا، اما بعد! فقد طالعت هٰذه الرسالة من اوّلها الٰى اٰخرها فظهر لى ما يغشى جلالة قدر مؤلفها، شكر الله تعالٰى سعيهٗ وجعلها ذخيرة لهٗ فى الدارين ونفع بها جميع عشاق جمال نبى الرحمة صلى الله عليه واٰله واصحابهٖ وهو المستعان وعليه التكلان!

العبد الراجی رحمۃ اللہ اِمام شاہ اہلِ سنت والجماعت

متوطن چاہ نائی والا

(۸)

اُستاذ العلماء الکرام البحر النحریر شیخ الحدیث

حضرت مولانا الحافظ القاری مفتی محمد شفیع صاحب سلمہ الصمد

مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم واقع شہر سرگودہا

رسالہ ہذا کی پہلی اشاعت میں چند علماء حضرات کی تقریظیں بھی شامل ہیں، اور شاید موجودہ طبع میں بھی نظر انداز نہ ہوں، اس لئے اب کی مرتبہ گو کسی تقریظ کی گنجائش تو نہ تھی، چونکہ تقریظ کا حقیقی مقصد درحقیقت توثیق ہوتا ہے، مگر رسالہ ہذا کی شان توثیق سے ارفع ہے۔

صاحبِ مؤلّف نے کتبِ معتبرہ کی روایات کو رسالہ ہذا میں نہایت احسن ترتیب میں جمع فرما کر اُس بہارِ جاوداں کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلو درج فرمائے ہیں، جن کی روشنی آج بھی زمانے بھر کے لئے چراغاں کی حیثیت رکھتی ہے، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے مسائل سے لے کر قومی مسائل تک کا ذکرِ خیر اس میں آ گیا ہے، رسالہ نہایت عمدہ اور مفید ہونے کی حیثیت سے عوام کے لئے، بلکہ ہر مسلمان کے لئے مفید ہے، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ رسالہ ہذا کی اشاعت کو زیادہ سے زیادہ وسیع کر کے اس کے فائدے کو محدود نہ رہنے دے۔ دُوسری طرف ناشرینِ رسالہ ہذا کا فرض ہے کہ اس کی کتابت اور کاغذ اور طباعت کو ایسی دیدہ زیب صورت دیں کہ رُوح کے حسن کے ساتھ جسم کا حسن شامل ہو کر ہر جہت سے دِلکش وجود پیدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف صاحب کو دارین میں فائز المرام فرمائے، آمین!

احقر لاشیٔ ابوالسعید **محمد شفیع** عفی عنہ
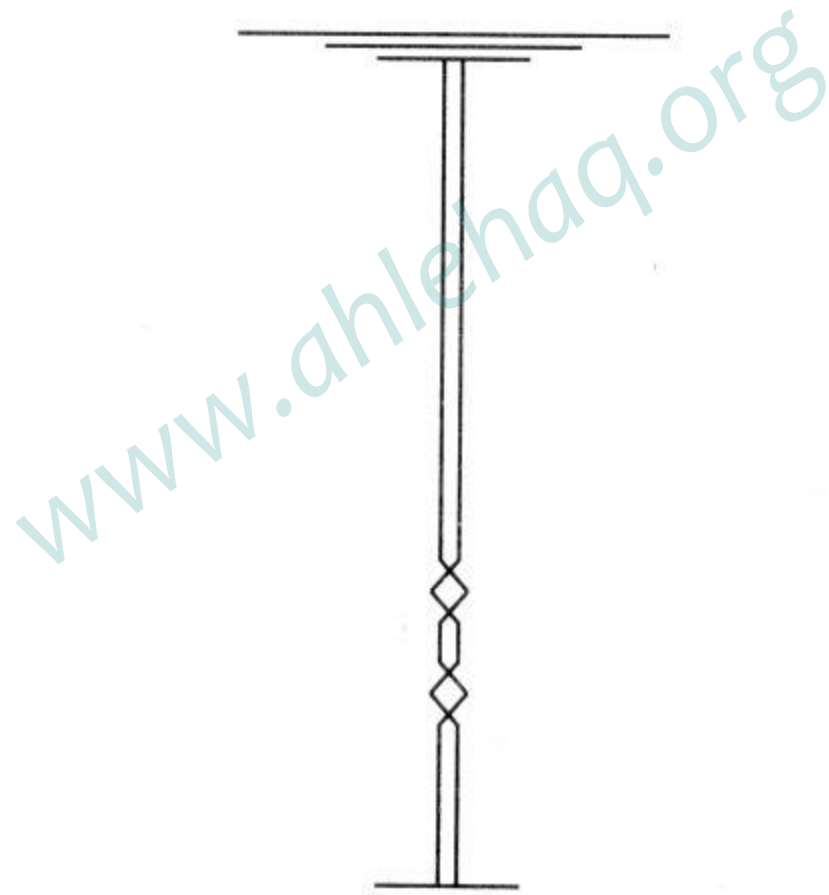
سیرت النبی ﷺ کی اجمالی تصویر

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

رَبِّ يَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَيۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَاَتۡبَاعِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ، اَمَّا بَعۡدُ!

کچھ عرصے سے خیال تھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، آداب اور عاداتِ شب و روز سے کچھ لکھ کر نشر و اشاعت کی جائے، شاید بندہ کی مغفرت کا سبب بن جائے، مگر اپنی نااہلیت، کم فہمی، بے علمی اور حضورِ پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتِ شان وعلوِ مکان جس کی ناطق حدیث وقرآن ہو، مجھ جیسے سفیہ و نادان سے کیسے ہوسکے گا؟ اس لئے پس و پیش رہا۔ اسی نظریہ کے تحت معتد بہ ایام و زمان گزرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے عزم بالجزم ہوا، اور بطور نمونہ یہ عجالہ پیشِ خدمت ہے، اُمید ہے کہ خواص وعوام اپنے حسنِ اخلاق اور جود و احسان پر نظر رکھتے ہوئے کلام و الفاظ کی غرابت اور مضامین کے تشتّت سے تسامح فرماتے ہوئے اصل مقصد اور آقائے دو عالم علیہ الف الف تحیات وصلوات کے اخلاق، اوصاف اور عادات کی طرف توجہ فرمائیں گے:

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

عقل مند شخص بدنما برقعہ کی وجہ سے حسین چہرہ سے بے توجہی نہیں کرتا، اور سمجھ دار آدمی بدمزہ چھلکے کی وجہ سے لذیذ گودہ کو نہیں پھینکتا، اکثر مضامین مترجم شمائلِ ترمذی و سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی وغیرہ سے مأخوذ ہیں، ...لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم...اس رسالے میں چند فصول ہیں:

فصلِ اوّل:

حلیہ مبارک:

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے جمال مبارک کو کما حقہ تعبیر کر دینا، یہ ناممکن ہے، نورِ مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے، لیکن اپنی ہمت اور وسعت کے موافق حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو ضبط فرمایا، جس کا کچھ بیان یہ ہے:

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا، ورنہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تاہم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اُمت پر نہایت ہی بڑا احسان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالاتِ معنوی یعنی علوم و معارف کے ساتھ ساتھ کمالاتِ ظاہری حسن و جمال کی بھی تبلیغ فرمائی، کیونکہ نامراد عاشق جب وصال سے محروم ہوتا ہے تو محبوب کے گھر بار، خط و خال کو یاد کر کے اپنے آپ کو تسلی دیا کرتا ہے، اور محبوب

کی عادات و حالات سے دِل بہلاتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب میں چودہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، اکثر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے تھے، نہ پست قد، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا، اور رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے دُودھ کی طرح، نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے، بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پُرنور اور کچھ ملاحت لئے ہوئے تھے، حضور علیہ السلام کے بال نہ بالکل سیدھے تھے، نہ بالکل پیچ دار بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا، کبھی آپ کے سر کے بال مونڈھوں تک، کبھی کان کی لو تک اور کبھی اس کے درمیان تک ہوتے تھے، نہ آپ موٹے بدن کے تھے، نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ میں تھی یعنی چہرۂ انور نہ بالکل لانبا، بلکہ دونوں کے درمیان تھا، آپ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، پلکیں دراز اور پیشانی کشادہ تھی، آپ کے اَبرو خم دار، باریک اور گنجان تھے، دونوں اَبرو جدا جدا تھے، ایک دُوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رَگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر آتی تھی، آپ کی ناک بلندی مائل تھی، اور اس پر چمک اور نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا، لیکن غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے، ورنہ فی نفسہٖ زیادہ بلند نہیں تھی۔ آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا یعنی منہ تنگ نہ تھا، اور بعض کے نزدیک فراخ منہ کنایہ ہے فصاحت سے، یعنی فصیح تھے، آپ کے دانت مبارک باریک و آبدار تھے اور اُن میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا فصل بھی تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا، جو دانتوں کے

درمیان سے نکلتا تھا، آپ کی داڑھی مبارک بھرپور اور گنجان بالوں والی تھی، آپ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے، اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ کے سب اعضا نہایت معتدل اور پُرگوشت تھے، گٹھے ہوئے بدن کے تھے، پیٹ اور سینہ ہموار تھا، لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا، ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی، اس لکیر کے علاوہ چھاتی اور پیٹ بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصے پر کسی قدر بال تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں دراز تھیں، ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز، پُرگوشت تھے، اور ایڑی پتلی تھی، ہاتھ پاؤں کی اُنگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی تھیں، آپ کے تلوے قدرے گہرے تھے، اور قدم ہموار تھے کہ پانی اُن کے صاف ستھرا ہونے اور ان کی ملائمت کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا، بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا، اور جب تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، شاید اس لئے کہ یہ متکبرانہ وضع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھی مناسب طور پر بڑا تھا، اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں، آپ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ پہلی نظر میں دیکھنے والا رُعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا، البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا، وہ آپ کے اخلاقِ کریمہ و اوصافِ جمیلہ سے گھائل ہوکر آپ کو محبوب بنالیتا تھا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ: میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ حضور سے پہلے دیکھا، نہ بعد میں۔

فائدہ:... اس جیسی عبارت میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے اوصاف میں مبالغہ نہیں، اس لئے کہ وہاں حسن و جمال ہی تعبیر سے باہر ہے۔

آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی، جو سرخ رسولی جیسی تھی، اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی، وغیر ذالک من الصفات۔

فصلِ دوم:

مہرِ نبوّت:

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر مہرِ نبوّت ولادت ہی کے وقت سے تھی، جیسا کہ فتح الباری نے بواسطہ یعقوب بن حسن، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات میں جب بعض صحابہؓ کو شک ہوا تو حضرت اسماءؓ نے مہرِ نبوّت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا، اس وقت وہ نہ رہی تھی، چنانچہ مناوی نے اس قصہ کو مفصل نقل کیا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اس مہرِ نبوّت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں؟ ابنِ حبانؒ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ''سِرْ فَاَنْتَ مَنْصُوْرٌ'' لکھا ہوا تھا، بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایات ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچتیں۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے شمائلِ ترمذی میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، من جملہ اس کے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہرِ نبوّت
> کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا، جو سرخ رسولی
> جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی۔''

(شمائلِ ترمذی ص:۳)

فصلِ سوم:

سرِ مبارک کے بال:

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی مقدار میں مختلف روایات وارِد ہوئی ہیں، کسی روایت میں یہ ہے کہ نصف کانوں تک تھے، اور کسی روایت میں یہ ہے کہ کانوں کے نیچے اور مونڈھوں کے اُوپر تھے، اور بعض روایت میں یہ ہے کہ مونڈھوں پر تھے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ بال بڑھنے والی چیز ہیں، ایک وقت میں کان کی لوتک تھے، اور ایک وقت میں ذرا زائد اور دُوسرے وقت میں مونڈھوں تک تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے، تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا، اس نے چھوٹے بال نقل کئے ہیں، اور جیسے جیسے کسی نے دیکھا، ویسے نقل کیا ہے، امام ترمذیؒ نے شمائل میں آٹھ حدیثیں نقل کی ہیں، من جملہ ان کے ایک حدیث یہ ہے:

> ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نصف کانوں تک تھے۔''

(شمائلِ ترمذی ص:۳)

اور دُوسری حدیث یہ ہے:

> ''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہ بالکل پیچیدہ، نہ بالکل کھلے ہوئے، بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن لئے ہوئے

تھے، جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۴)

فصلِ چہارم:

بالوں میں کنگھا کرنا:

امام ترمذی نے شمائل میں پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

''میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی، حالانکہ میں حائضہ تھی۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۴)

فائدہ:... اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ کو حالتِ حیض میں مرد کی خدمت کرنا جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے، اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے، اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، جو تیل کے کثرتِ استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۴)

فائدہ:... تیل سے کپڑے میلے ہوجاتے ہیں، جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت کے خلاف ہے، اس لئے اس کی حفاظت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا ڈال لیتے تھے، تاکہ عمامہ وغیرہ خراب نہ ہو۔

فصلِ پنجم:

سرمہ لگانا:

آنکھ میں سرمہ ڈالنا (لگانا) مستحب ہے، آدمی کو چاہئے کہ ثواب کی نیت سے سرمہ لگائے کہ اس میں آنکھوں کو فائدہ پہنچنے کے علاوہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ثواب بھی ہے۔ اس بارے میں شمائل میں پانچ حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

"حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
اثمد کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا (لگایا) کرو، اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اُگاتا ہے۔"

(شمائلِ ترمذی ص:۵)

حضرت ابنِ عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈالا (لگایا) کرتے تھے۔"

(شمائلِ ترمذی ص:۵)

فائدہ:... اثمد ایک خاص سرمہ کا نام ہے، جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے، اور بلادِ مشرقیہ میں پیدا ہوتا ہے۔ بعض اکابر اس سے سرمہ اصفہانی مراد لیتے ہیں۔

سلائی کے بارے میں مختلف روایات ہیں، بعض روایات میں دونوں آنکھوں میں تین، تین سلائی وارِد ہوئی ہیں، اور بعض میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں میں دو آئی ہیں، یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے

تھے، اور بعض وقت ویسا۔

فصلِ ششم:

حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں:

علماء فرماتے ہیں کہ: آدمی کا ایک لباس واجب ہوتا ہے، اور وہ اتنی مقدار ہے کہ جس سے سترِ عورت کیا جائے۔

مستحب لباس: اور وہ یہ ہے جس کی شریعت میں ترغیب آئی ہے، جیسے عمدہ کپڑا عید کے لئے اور سفید کپڑا جمعہ کے لئے۔

حرام لباس: اور وہ ایسا لباس ہے کہ جس کے پہننے کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، جیسے مرد کے لئے ریشمی کپڑا بلا عذر پہننا۔

مکروہ لباس: اور وہ ایسا لباس ہے کہ جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو جیسے غنی کے لئے ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔

مباح لباس: وہ ہے جو کہ حسبِ عادت و رواجِ قومی پہنا جائے، اس باب میں سولہ حدیثیں شمائل میں مذکور ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ:

"حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سب کپڑوں میں کرتہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔" (شمائلِ ترمذی ص:۵)

شاید اس لئے کہ اس میں ستر بھی زیادہ ہے اور تجمل و زینت بھی اچھی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

"حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی منقش چادر

کپڑوں میں زیادہ پسند تھی۔" (شمائلِ ترمذی ص:۶)

ان دو احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ یمنی منقش چادر بھی پسند تھی اور کرتہ بھی پسند تھا، اور اوڑھنے کے کپڑوں میں چادر زیادہ پسند تھی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسرّت کے طور پر اس کا نام لیتے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے یہ کرتہ مرحمت فرمایا، ایسے ہی چادر وغیرہ، پھر یہ دُعا پڑھتے:

"اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُکَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ." (شمائلِ ترمذی ص:۶)

ترجمہ:... "یا اللہ! آپ کے لئے سب تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر آپ ہی کا شکر ہے، یا اللہ! آپ ہی سے کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں، اور خوبی چاہتا ہوں جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے، اور آپ ہی سے اس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، اور ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔"

فائدہ:... لباسِ فاخرہ بہ نیتِ حمد و شکر پہننا دُرست ہے، اور تکبر، خود پسندی اور شہرت کی بنا پر ناجائز و ممنوع ہے، اور بعض صوفیہ نے جو شکستگی کی حالت کو اختیار کیا ہے، وہ اس لئے کہ یہ شکستگی تواضع کی طرف لے جانے والی ہے، اور تکبر کو دُور کرنے والی ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس شکستگی کو کمال کا جال بنا کر لوگوں کو دھوکے میں نہ ڈالے، ورنہ یہ شکستگی ممنوع و حرام ہے۔

فصلِ ہفتم:

آپؐ کی روٹی اور کھانے کا تذکرہ:

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا کرتے تھے، اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے اپنی اُنگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے۔ (کذافی شمائل الترمذی) وہ اُنگلیاں انگوٹھا، شہادت کی اُنگلی اور درمیان والی اُنگلی ہیں، اور بعض روایات میں پانچ اُنگلیاں بھی آئی ہیں، اور آپ ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے (کذا رواہ ابوحنیفہؒ)، اور ایک روایت میں ٹیک لگا کر کھجوروں کا کھانا آیا ہے، مگر وہ عذر کی وجہ سے ہے، کذا رواہ انس بن مالکؓ۔ (کذافی ترجمہ شمائلِ ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا"، یعنی کھجوروں سے اگرچہ پیٹ بھرنے کی نوبت آئی ہو، لیکن روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی۔ مگر اس پر یہ اِشکال وارِد ہوتا ہے کہ روایات سے ثابت ہے کہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں کو ایک سال کا خرچ مرحمت فرمادیا کرتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ذخیرہ نفقہ حوالہ فرمادیا کرتے تھے، لیکن ازواجِ مطہراتؓ شوقِ ثواب میں سب صدقہ فرمادیتی تھیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سال بھر کا خرچ اس حساب سے ہو کہ مسلسل دو دن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو۔
(کذافی ترجمہ شمائلِ ترمذی)

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں اگرچہ بعض اہلِ ثروت تھے، لیکن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غایتِ اِخفا (چھپانے) اور تحرز عن السؤال (سوال سے بچنے) کی وجہ سے ان کو علم نہیں ہوتا تھا، ایسے ہی آپؐ کے اہل وعیال بھی اِخفا کرتے تھے: کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی پیالی اور طشتریوں میں نوش فرمایا، نہ آپ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۱۱)

یونسؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت قتادہؓ سے پوچھا کہ: پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ: چمڑے کے دسترخوانوں پر۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

''سرکہ بھی کیا اچھا سالن ہے! اس لحاظ سے کہ اس میں دقت و محنت کم ہوتی ہے اور روٹی بے تکلف کھائی جاتی ہے۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۱۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو (لوکی)، جو کی روٹی اور گوشت کا شوربا مرغوب تھا (یہ حدیث کا خلاصہ ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹھائی اور شہد پسند تھا۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۱۱)

اور حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلو کا گوشت بھنا ہوا پیش کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کئے نماز پڑھی۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۱۱)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھنا ہوا گوشت، مسجد میں کھایا۔'' (شمائلِ ترمذی ص:۱۱)

فائدہ:... اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے، بشرطیکہ ریزہ وغیرہ سے مسجد خراب نہ ہو، ورنہ مکروہ ہوگا۔ اور ہمارے رواج اور دیہات وغیرہ میں لوگ رمضان میں مسجد میں کھاتے ہیں، جس سے مسجد ملوّث ہوجاتی ہے، پھر کتے آکر اُسے چاٹتے ہیں، پھر ایسی چٹائی پر دھوئے بغیر نماز پڑھی جاتی ہے، نمازیں برباد ہوتی ہیں، لہٰذا مسجد میں نہ کھایا جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔''

فائدہ:... اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام کھانوں پر بھی نکلتی ہے، (ثرید، شوربے میں بھیگے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو، جو تمام خود گل جاتے ہیں، کہتے ہیں)۔

فصلِ ہشتم:

آپؐ کا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے توراۃ میں پڑھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ کا دھونا) برکت کا سبب ہے، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون عرض کیا تو حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے۔''

فصلِ نہم:

وہ کلمات جو آپؐ کھانے سے پہلے اور بعد پڑھتے:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ہم ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا، میں نے آج تک ایسا کھانا جو ابتداءً (کھانے کے وقت) نہایت بابرکت ہو، اور ختم (ہونے) کے وقت بالکل بے برکت ہوگیا ہو، کبھی نہیں دیکھا، اس لئے حیرت سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شروع میں ہم لوگوں نے بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا اور اخیر میں فلاں شخص نے بدون بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہوگیا۔''

فائدہ:... شیطان کا کھانا جمہور علماء کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے ''بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ'' کہہ لے۔''

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹا! قریب ہوجاؤ، اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔''

فائدہ:... کھانے کی ابتدا میں بسم اللہ کہنا بالاتفاق سنت ہے، اور دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے، اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ." (ترمذی ج:۲ ص:۱۸۴)

ترجمہ:... "تمام تعریف اُس ذاتِ پاک کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔"

فائدہ:... حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان ہونے کو کھانا پر شکریہ کے بعد اس لئے ملادیا کہ انعاماتِ ظاہریہ کے ساتھ انعاماتِ باطنیہ بھی شامل ہیں، یا اس لئے کہ درحقیقت کھانے پینے پر شکر اور حق تعالیٰ کی حمد، اسلام کا ثمرہ ہے، اس لئے اس کو بھی شامل کردیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ بندہ کی اس بات پر بہت رضامندی ظاہر فرماتے ہیں کہ جب وہ ایک لقمہ کھانا کھائے یا ایک گھونٹ پانی پیئے تو حق تعالیٰ شانہ کا اس پر شکر ادا کرے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ، اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ! اس فصل کی اکثر احادیث شمائلِ ترمذی سے مأخوذ ہیں۔

فصلِ دہم:

خلقِ محمدیؐ:

اب میں اس جگہ کمالاتِ نبوّت اور خصوصیاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

کا ذکرنہیں کر رہا، بلکہ صرف وہ سادہ حالات لکھنے مقصود ہیں، جن کو کوئی سعادت مند ازلی اپنے لئے نمونہ بنا سکتا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

(الاحزاب:۲۱)

ترجمہ:... "تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہؐ کی چال۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے، اور بعثتِ نبوّت کے زمانہ تک کسی عالم کی صحبت بھی میسر نہ ہوئی تھی، تیرافگنی (تیراندازی)، شہسواری، نیزہ بازی، سجع گوئی اور نسب دانی اس زمانے کے ایسے فنون تھے جنہیں شریف خاندان کا ہر ایک نوجوان حصولِ شہرت و عزت کے لئے ضرور سیکھ لیا کرتا تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فنون میں سے کسی کو بھی اِکتساباً حاصل نہ کیا، اور نہ کسی فن پر اپنی دِلچسپی کا اظہار کیا۔

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرنچ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خندہ رُو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذِکرِ خدا کرنے والے، لغویات سے دُور، بیہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔

انصاف کے معاملے میں قریب اور بعید، آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک برابر تھے۔ (آپؐ) مساکین سے محبت فرمایا کرتے تھے، غرباء میں رہ کر خوش ہوتے، کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کے باعث حقیر نہ سمجھتے، اور کسی بادشاہ کو بادشاہی

کے باعث بڑا نہ سمجھتے، پاس بیٹھنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے، صحابہ سے کمالِ محبت فرمایا کرتے، سفید (صاف) زمین پر (بلا کسی مسند و فرش کے) نشست فرمایا کرتے، اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، اپنے کپڑے کو خود پیوند لگالیتے تھے، دُشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے۔''

(کذا فی سیرتِ رحمۃ للعالمین ناقلاً عن تاریخ پروفیسر سیڈیو ص:۴۲)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) ''کیمیائے سعادت'' میں لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مویشی کو چارا خود ڈالتے، اُونٹ باندھتے، گھر میں صفائی کرلیتے، بکری دوہ لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھالیتے، خادم کو اس کے کام وکاج میں مدد دیتے، بازار سے چیز خود خرید لیتے، خود اسے اُٹھالیتے، ہر ادنیٰ و اعلیٰ، خورد و بزرگ کو سلام پہلے کردیا کرتے، جو کوئی ساتھ ہولیتا، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے، نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رُو تھے، مگر ہنستے نہ تھے، اندوہ گیں تھے، مگر ترش رُو نہ تھے، متواضع تھے، جس میں ادنائیت نہ تھی، باہیبت تھے، جس میں دُرشتی نہ تھی، سخی تھے مگر اسراف نہ تھا، ہر ایک پر رحم فرماتے، کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے، سر مبارک کو جھکائے رکھتے۔''

حکیم الأمت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' صفحہ:۳۸۵ میں فرماتے ہیں:

''حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو شخص یکبارگی آجاتا، وہ ہیبت زدہ ہوجاتا، اور جو کوئی پاس آبیٹھتا، وہ آپؐ کا فدائی بن جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کبھی اُف (ہونہہ) تک نہ کہا، زبان مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہ آتی تھی، نہ کسی پر لعنت کیا کرتے، کنبے کی اصلاح اور دُرستی پر نہایت توجہ فرماتے، ہر شخص اور ہر چیز کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے، آسمانی بادشاہی کی جانب ہمیشہ نظر لگائے رکھتے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مطیع کو بشارت سناتے، عاصی کو ڈراتے، بے خبروں کی پناہ تھے، جملہ کاروبار کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینے والے تھے، نہ دُرشت خو تھے، نہ سخت گو، چیخ کر نہ بولتے، بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیتے، معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے، گنہگار کو بخش دیتے، ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان دیتی، غافل دِلوں کے پردے اُٹھادیتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تیری دُر فشانی نے قطروں کو دریا کردیا
دِل کو روشن کردیا، آنکھوں کو بینا کردیا
جو نہ تھے خود راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک خوبی سے آراستہ، جملہ اخلاقِ فاضلہ سے متصف، سکینہ ان کا لباس، نیکوئی اُن کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل

اُن کی سیرت، اُن کی شریعت سراپا راستی، ان کی ملت اسلام، ہدایت اُن کی رہنما ہے، وہ ضلالت کو اُٹھا دینے والے، گم ناموں کو رفعت دینے والے اور مجہولوں کو نام وَر کردینے والے تھے۔

سکوت اور کلام:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہا کرتے تھے، بلاضرورت کبھی گفتگو نہ فرمایا کرتے تھے، نہایت شیریں کلام اور کمال فصیح تھے، گفتگو ایسی دلآویز ہوتی تھی کہ سننے والے کے دِل ورُوح پر قبضہ لیتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف ایسا مسلّمہ تھا کہ مخالف بھی اس کی شہادت دیتے تھے، اور جاہل دُشمن اسی کا نام سحر و جادو رکھتے تھے، سلسلۂ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا کہ کوئی خلل نہ ہوتا تھا، الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے تھے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کرسکتا تھا۔ (کذا فی زاد المعاد ج:۱ ص:۴۷)

ہنسنا، رونا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھل کھلا کر نہ ہنسا کرتے تھے، تبسم ہی آپ کا ہنسنا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسااوقات نمازِ تہجد میں رو پڑا کرتے، کبھی کسی مخلص کے مرنے پر آبدیدہ ہوجاتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم سلام اللہ علیہ زمانۂ شیرخوارگی میں گزر گئے تھے، جب انہیں قبر میں رکھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (کذا فی الصحاح وغیر ذالک)

غذا کے متعلق ہدایت:

- رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے، اور ایسا کرنے کو بڑھاپے کا سبب فرماتے۔ (کذا فی زاد المعاد ج:۲ ص:۷۸)

قلیل غذا کی رغبت دلایا کرتے، کہ معدہ کا ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پانی کے لئے، اور ایک تھائی حصہ خود معدہ کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔

(کذا فی زاد المعاد ج:۲ ص:۸۷)

پھلوں اور ترکاریوں کا استعمال اُن کی مصلح چیزوں کے ساتھ فرمایا کرتے۔

(کذا فی زاد المعاد ج:۲ ص:۳۵)

مرض و مریض:

متعدی امراض سے بچاؤ رکھتے اور تندرستوں کو اُس سے محتاط رہنے کا حکم دیا کرتے۔ (کذا فی زاد المعاد ج:۲ ص:۵۰)

(اس حدیث کے متقابل حدیث "لَا عَدوٰی وَلَا طَیرَۃَ" ہے، ظاہر ہے کہ متعدی مرض میں بالذات کوئی تاثیر نہیں، ہاں! اگر سبب کے طور پر پرہیز کرے تو مباح و دُرست ہے۔)

بیمار کو طبیبِ حاذق سے علاج کرانے کا حکم فرماتے اور پرہیز کا حکم دیتے۔

(کذا فی زاد المعاد ج:۲ ص:۳۵، ۴۶)

طبیبِ ناداں:

نادان طبیب کو طبابت سے منع کیا کرتے اور اسے مریض کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے، حرام اشیاء کو بطور دوا کے استعمال کرنے سے منع فرماتے، کہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں تمہارے (اُمت کے) لئے شفا نہیں رکھی۔

(کذا فی زاد المعاد ناقلاً عن البخاری، عن ابن مسعودؓ)

عیادتِ مریض:

صحابہؓ میں سے جو کوئی بیمار ہو جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت فرمایا

کرتے، عیادت یعنی بیمار پُرسی کے وقت مریض کے قریب بیٹھتے، بیمار کو تسلی دیتے، "لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ (یا) كَفَّارَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ" فرمایا کرتے، مریض سے پوچھ لیتے کہ کس چیز کو دِل چاہتا ہے؟ اگر وہ شے اس کے لئے مضر نہ ہوتی تو اس کا انتظام کردیا کرتے۔ ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ (کذا فی زاد المعاد ج:۱ ص:۱۴۳)

حالتِ مرض میں دوا کا استعمال فرمایا، اور لوگوں کو علاج کرنے کا ارشاد فرماتے۔

خطبہ خوانی:

زمین یا منبر پر کھڑے ہوکر یا شتر و ناقہ پر سوار ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے، جس کا آغاز تشہد سے اور اختتام اِستغفار پر ہوا کرتا، قرآن مجید کا پڑھنا اس خطبہ میں ضرور ہوتا، اور قواعدِ اسلام کی تعلیم اس خطبہ میں دی جایا کرتی تھی، ایسے خطبے جمعہ کے دن ہی پر موقوف نہ تھے، بلکہ جب ضرورت اور موقع ہوتا، تب ہی لوگوں کو مستفید فرمادیتے۔

فائدہ:... علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ: جہال کا قول ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ کے وقت تلوار لے کر کھڑا ہونا، یہ اِشارہ تھا کہ دِین بزورِ شمشیر قائم کیا گیا ہے، علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ جہال کا قول دو وجوہ سے غلط ہے:

۱:... تلوار پر خطبہ میں ٹیک لگانا ثابت نہیں۔

۲:... خطبہ خوانی کا آغاز مدینہ منوّرہ میں ہوا، اور مدینہ، بذریعہ قرآنِ کریم فتح ہوا ہے، نہ بذریعہ شمشیر، نیز فرمایا کہ: دِین تو وحی سے قائم ہوا ہے۔ (کذا فی زاد المعاد)

صدقہ و ہدیہ:

صدقہ کی کوئی چیز ہرگز استعمال نہ فرماتے، البتہ ہدیہ قبول فرماتے، مخلصین صحابہ نیز عیسائی اور یہودی جو چیزیں تحفہ بھیجتے، انہیں قبول فرمالیتے، اُن کے لئے خود بھی تحفے ارسال فرماتے، مگر مشرکین کے ہدایا لینے سے انکار فرماتے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس شاہِ مصر کے بھیجے ہوئے خچر پر سواری فرمائی، جنگِ حنین کے دن وہی خچر سواری میں تھا، لیکن عامر بن مالک مشرک کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو قبول نہ فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ: ہم مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کرتے۔

(کذا فی زاد المعاد ج:۲ ص:۱۶۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو قیمتی تحائف آیا کرتے، اکثر اوقات انہیں اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیا کرتے۔

اپنی تعریف:

اپنی ایسی تعریف جس سے کسی دُوسرے نبی کی کمی نکلتی ہو، پسند نہ فرمایا کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ" نبیوں کے ذکر میں ایسا طرز اختیار نہ کرو کہ ایک کی دُوسرے کے مقابلہ میں کمی نکلتی ہو۔

(کذا فی البخاری عن ابی سعید خدریؓ)

اظہارِ حقیقت یا عقیدہ کی اصلاح:

سیّدنا ابراہیم فرزندِ رسول کا انتقال ہوگیا، اس روز سورج گرہن بھی ہوا، لوگ کہنے لگے کہ: ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج بھی گہنایا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا: سورج اور چاند کسی کے مرنے یا جینے پر نہیں گہنایا کرتے۔ (کذا فی البخاری عن مغیرہ بن شعبہؓ)

مصلحتِ عامہ کا لحاظ:

جب قریش نے اسلام سے پہلے کعبہ کی عمارت بنائی، تو انہوں نے کچھ تو عمارتِ ابراہیمی میں سے اندر کی جگہ باہر چھوڑ دی، پھر کرسی اتنی اُونچی رکھی کہ زینہ لگانا پڑے، اور کعبہ میں دروازہ بھی صرف ایک رکھا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے، ورنہ میں اس عمارت کو گرادیتا، اور کعبہ کے جس حصے کو باہر کردیا ہے، اس کو اندر کردیتا، اور کعبہ کے دو دروازے رکھتا، ایک آنے کا، ایک جانے کا۔

(کذا فی البخاری عن ابن الزبیر عن عائشہؓ)

جب منافقین کے شرانگیز افعال و حرکات حد سے بڑھ گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اُنہیں قتل کردینا چاہیئے، حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بے خبر لوگ کہیں گے کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگا۔ (کذا فی سیرت رحمۃ للعالمین)

بشریت و رسالت:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِن اَحکام کو جو شانِ رسالت سے ظاہر ہوتے، ان افعال و اقوال سے جو بطور بشریت صادر ہوتے، ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی کرتے۔

ایک دفعہ فرمایا: ”میں بشر ہوں، میرے سامنے جھگڑے آتے ہیں، کوئی شخص دُوسرے فریق سے اپنے مدعا کو بہترین طریق پر ادا کرنے والا ہوتا ہے، جس سے گمان ہوجاتا ہے کہ وہ سچا ہے، اور میں اُسی کے حق میں فیصلہ کردیتا ہوں، پس اگر کسی شخص کو کسی مسلمان کے حصے میں سے اُس فیصلہ کے بموجب کچھ ملتا ہے، تو وہ سمجھ لے

کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے، اب خواہ لے لے، خواہ چھوڑ دے۔"

(کذا فی البخاری کتاب المظالم عن اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا)

بچوں پر شفقت:

بچوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو خود "السلام علیکم" کہا کرتے۔

(کذا فی البخاری عن ابن عباسؓ، کتاب الطّلاق)

ان کے سر پر ہاتھ رکھتے، انہیں گود میں اُٹھا لیتے۔ (کذا فی المشکوٰۃ)

بوڑھوں پر عنایت:

فتحِ مکہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے، ضعیف اور فاقد البصر (نابینا) باپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعتِ اسلام کرانے کے لئے لائے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے بوڑھے کو کیوں تکلیف دی؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا!"

اَربابِ فضل کی قدر و منزلت:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو غزوۂ خندق میں سخت زخمی ہوگئے تھے، یہودیانِ بنی قریظہ نے اپنا حَکَم اور منصف تسلیم کرکے بلایا تھا، جب وہ مسجد تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے، جو قبیلۂ اوس کے تھے، فرمایا: "قُوْمُوا اِلٰی سَیِّدِکُمْ!" (اپنے سردار کی پیشوائی کو جاؤ!) لوگ گئے، اور آگے بڑھ کر ان کو لے آئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اسلام کی تائید اور مخالفین کے جواب میں اشعار نظم کرکے لاتے، تو ان کے لئے مسجد میں منبر رکھ دیا جاتا، جس پر چڑھ کر وہ اشعار پڑھا کرتے۔

خادم سے برتاؤ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اس عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان سے یہ نہ کہا کہ: ''یہ کام کیوں کیا؟'' ''یہ کیوں نہ کیا؟'' ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں دُعا فرمائی:

''اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ مَا اَعْطَيْتَهٗ''

ترجمہ:... ''الٰہی! اسے مال بھی بہت دے، اور اولاد بھی بہت دے، اور جو کچھ اسے عطا کیا جائے، اس میں برکت بھی دے۔''

ادب وتواضع:

۱:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔

۲:... جو کوئی مل جاتا، اسے سلام پہلے خود کردیتے۔

۳:... مصافحہ کے لئے پہلے خود ہاتھ پھیلا دیتے۔

۴:... صحابہ کو کنیت کے نام سے پکارتے (عرب میں عزّت سے بلانے کا یہی طریقہ ہے)۔

۵:... کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے۔

۶:... اگر نمازِ نفل میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آبیٹھتا تو نماز کو مختصر کردیتے، اور اس کی ضرورت پوری کردینے کے بعد پھر نماز میں مشغول ہوجاتے۔

۷:... اکثر متبسم رہتے (یعنی باوجود کثیر الحزن ہونے کے لوگوں سے متبسم رہتے)۔ (کذا فی الشفا، قاضی عیاضؒ)

۸:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ناقہ کا نام عضبا تھا، کوئی جانور اُس سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، ایک اعرابی اپنی سواری پر آیا، اور عضبا سے آگے نکل گیا، مسلمانوں پر یہ شاق گزرا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا تعالیٰ کی دُنیا میں سنت یہی ہے کہ کسی کو اُٹھاتا ہے، تو اُسے نیچا بھی دِکھاتا ہے۔'' (کذا فی البخاری)

۹:... ایک شخص آیا، اُس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یَا خَیرَ الْبَرِیَّۃِ'' (برترین خلق) کہہ کر بلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذَاکَ اِبْرَاھِیمُ'' یہ شان تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ (کذا فی البخاری)

۱۰:... ایک شخص حاضر ہوا، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت سے کانپ گیا، حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کچھ پروا نہ کرو! میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک غریب عورت کا فرزند ہوں، جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔''
(کذا فی صحیح البخاری)

شفقت و رأفت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: کوئی شخص بھی اچھے اخلاق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ تھا، خواہ صحابہ میں سے کوئی بلاتا یا گھر کا کوئی فرد بلاتا، حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے جواب میں ''لبیک'' (حاضر) ہی فرمایا کرتے۔ (کذا فی الشفاء)

عبادتِ نافلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے، تاکہ اُمت پر اُس قدر عبادت کرنا شاق نہ ہو، جب کسی معاملے میں دو صورتیں سامنے آتیں، تو آسان صورت کو اختیار فرماتے۔ (کذا فی البخاری)

وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرمایا کرتے تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں۔ (کذا فی البخاری)

عدل و رحم:

اگر دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تو عدل فرماتے، اور اگر کسی شخص کا نفسِ مبارک (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات) کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔

فاطمہ نامی ایک عورت نے مکہ میں چوری کی، لوگوں نے حضرت اسامہؓ سے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے، سفارش کرائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو؟ سنو! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔'' (کذا فی صحیح البخاری عن عائشہؓ)

دُشمنوں پر رحم:

مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں کھانا شروع کردیں، ابوسفیان بن حرب (جو اُن دنوں دُشمن غالی تھا) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، عرض کیا: محمد! آپ تو لوگوں کو صلہ رحمی (یعنی قرابت داروں سے حسنِ سلوک) کی تعلیم دیا کرتے ہیں، دیکھئے! آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دُعا کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے خوب ہی بارش ہوئی۔

حضرت ثمامہ بن آثالؓ نے نجد سے مکہ کو جانے والا غلہ بند کردیا، اس لئے کہ اہلِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ (کذا فی الشفاء، قاضی عیاضؒ)

جود و کرم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو رَدّ نہ فرماتے، زبان مبارک پر حرفِ انکار نہ لاتے، اگر کچھ بھی دینے کو پاس نہ ہوتا، تو سائل سے ایسے عذر کرتے، جیسے کوئی شخص

معافی چاہتا ہے۔

ایک شخص نے آکر سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے، تم میرے نام پر قرض لے لو، میں اُسے اُتار دُوں گا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چپ سے ہوگئے، ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا: یا رسول اللہ! خوب دیجئے، رَبّ العرش مالک ہے، تنگدستی کا کیا ڈر ہے؟ حضورِ پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے، خوشی کے آثار آشکارا ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! مجھے بھی یہی حکم ملا ہے۔''

(کذا فی الشفاء)

ایک بار سائل آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آدھا وسق غلہ قرض لے کر دیا، قرض خواہ جب تقاضے کے لئے آیا، تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک وسق غلہ دے دو، آدھا تو قرض کا ہے، آدھا ہماری طرف سے ہے۔''

(کذا فی الشفاء)

حضرت عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ''اگر کسی شخص کی کوئی حرکت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے، بلکہ عام الفاظ میں اِس حرکت وفعل کو منع فرماتے۔''

جب کوئی عذرخواہ، سامنے آکر معافی کا طالب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرم سے گردن مبارک جھکا لیتے۔ (کذا فی شمائل الترمذی)

زید بن سعنہ ایک یہودی تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا قرضہ دینا تھا، اس یہودی نے آتے ہی چادر آپ کے شانہ مبارک سے اُتار لی، جسم کے کپڑے پکڑ لئے، اور ٹرانے لگا کہ: عبدالمطلب والے بڑے نادہندہ ہوتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُسے سختی سے جھڑک دیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: عمرؓ! تم مجھے حسنِ ادائیگی کے لئے کہتے اور اسے حسنِ تقاضا سکھاتے۔'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ کی جانب مخاطب ہوئے، فرمایا: ''ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں''، پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا: ''اس کا قرضہ ادا کردو، بیس صاع زیادہ بھی دینا، کیونکہ تم نے اسے دھمکایا اور ڈرایا بھی تھا۔''

(کذا فی الشفاء، قاضی عیاضؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ اور تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے، وہاں کے باشندوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیچڑ پھینکی، آوازے کسے، اتنے پتھر مارے کہ حضورِ پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام لہو سے تر بہ تر اور بے ہوش ہوگئے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ: ''میں اِن لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا، اگر یہ ایمان نہ لائے تو اُمید ہے کہ اُن کی اولاد مسلمان ہوجائے گی۔'' (کذا فی البخاری)

عفو و رحم:

حضرت عائشہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ مبارک کی بابت کسی سے انتقام نہیں لیا۔'' (کذا فی البخاری)

جنگِ اُحد میں کافروں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دانت مبارک توڑا، سر پھوڑا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار میں گر گئے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ: اُن پر بددُعا فرمایئے! تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں لعنت کرنے کے لئے نبی نہیں بنایا گیا، خدا نے مجھے لوگوں کو اپنی بارگاہ میں بلانے کے لئے بھیجا ہے۔'' اس کے بعد یہ دُعا فرمائی: ''اے خدا! میری قوم کو ہدایت فرما، وہ مجھے نہیں جانتے۔''

(کذا فی الشفاء، قاضی عیاضؒ)

عفت و عصمت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ایامِ جاہلیت کی رسموں میں سے میں نے کبھی کسی میں حصہ نہیں لیا، صرف دو دفعہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خود ہی بچالیا، دس برس سے کم عمر تھی، میں نے اُس چرواہے سے، جس کے ساتھ میں بکریاں چراتا تھا، کہا: اگر تم میری بکریاں سنبھالو تو میں مکہ (آبادی کے اندر) جاؤں، جیسے اور نوجوان کہانیاں کہتے اور سنتے ہیں، میں بھی کہانیاں کہوں اور سنوں، اس ارادے سے میں شہر آیا، پہلے ہی جس گھر پہنچا تو وہاں دَف اور مزامیر بج رہے تھے، اس گھر میں بیاہ تھا، میں انہیں دیکھنے لگا، نیند نے غلبہ کیا، سو رہا، جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی۔ دُوسری دفعہ اس ارادہ سے نکلا، تو اسی طرح نیند آ گئی اور وقت گزر گیا، ان دو واقعات کے سوا کبھی رسمِ جاہلیت کا ارادہ نہیں کیا۔'' سُبْحَانَ اللہِ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا اَنْتَ اَھْلُہٗ دَائِمًا! (کذا فی الشفاء)

فصلِ یازدہم:

حضورِ اکرمؐ کی دُعائیں:

ضرر رساں چیزوں سے بچنے کی دُعا:

صبح و شام کی دُعا: حضرت اِبان بن عثمان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: جو شخص صبح و شام تین، تین بار یہ دُعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس دن اُسے بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھے گا:

''بِسْمِ اللہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی

اَلْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔"

(رواہ سنن اربعہ)

ترجمہ:..."میں اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں یا
کھاتا ہوں) جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین و آسمان میں
نقصان نہیں دے سکتی، وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

صحیح مسلم و سنن اربعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! آج رات بچھو کے کاٹنے سے بہت تکلیف ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یاد رکھو! اگر تم یہ دُعا پڑھ لیتے تو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوتی:

"اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔"

ترجمہ:..."میں خدا تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کے ذریعہ
اُس کی مخلوق کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت میں یہ دُعا تین بار پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اسی طرح جو شخص کسی منزل پر اُترتے وقت یہ دُعا پڑھے تو وہاں سے کوچ کرنے کے وقت تک اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

وہ دُعا جس کے پڑھنے سے ستر ہزار فرشتے دُعا کریں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جو شخص صبح اس تعوّذ کو سورۂ حشر کی ان تین آیتوں (جو اخیر میں ہیں: "هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" تا آخر سورۃ) کے ساتھ پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اُس کے لئے مغفرت کی دُعا کیا

کرتے ہیں، اور اگر کوئی شخص شام کو یہ تعوّذ پڑھتا ہے تو صبح تک اس کے لئے وہ ستر ہزار فرشتے مغفرت کی دُعا کیا کرتے ہیں، اور اگر کوئی اسی اثنا میں مرجاتا ہے تو شہید مرتا ہے۔" (رواہ الترمذی والدارمی وابن السنی)

وہ تعوّذ یہ ہے: "اَعُوْذُ بِاللهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" تین بار پڑھ کر پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بلاکر یہ فرمایا: "خدا کا پیغمبر یہ چاہتا ہے کہ تمہیں خدا کی طرف سے اُترے ہوئے حکمت بھرے کلمات سکھائے، تم ان کو ذوق وشوق سے پڑھا کرو، اور دن رات اُن کے ساتھ دُعا مانگا کرو، وہ حکمت بھرے کلمات یہ ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ صِحَّةً فِیْ اِيْمَانٍ وَّاِيْمَانًا فِیْ حُسْنِ خُلُقٍ وَّنَجَاةً يَّتْبَعُهَا فَلَاحٌ وَّرَحْمَةً مِّنْکَ وَعَافِيَةً وَّمَغْفِرَةً مِّنْکَ وَرِضْوَانًا." (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ:... "اے اللہ! میں تجھ سے صحت، ایمان کے ساتھ، اور ایمان حسنِ خلق کے ساتھ، اور ایسی کامیابی جس کے پیچھے فلاح ہو، اور تیری رحمت، عافیت، مغفرت اور تیری خوشنودی چاہتا ہوں۔"

سوتے وقت کی دُعا:

انسان جب سونے کے لئے اپنے بستر پر آئے، تو چاہئے کہ پاک ہو، یعنی وضو سے ہو، اور یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ بِاسْمِکَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ"

ترجمہ:... "الٰہی! تیرے نام سے اپنا پہلو رکھا ہے، اے اللہ! تو میرے گناہ بخش دے۔"

یا یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ."

ترجمہ:... "اے اللہ جس روز تو اپنے بندوں کو (قبر سے) اُٹھائے، مجھے اپنے عذاب سے بچالے۔"

یا یہ دُعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی."

ترجمہ:... "اے اللہ! تیرے نام پر مرتا اور جیتا ہوں۔"

کھانا کھاتے وقت اور بعد کی دُعا:

جب کھانا سامنے آئے تو "بسم اللہ" کہہ کر سیدھے ہاتھ سے اپنے پاس سے کھائے۔ (کذا فی البخاری)

اور دُوسری حدیث مستدرک حاکم میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب تم کھانا شروع کروتو کہو: "بِسْمِ اللهِ وَعَلٰی بَرَکَةِ اللهِ" یعنی اللہ کے نام سے اور اس کی برکت سے ہم کھاتے ہیں، اور جب تم سیر ہوجاؤ اور پیٹ بھر جائے تو کہو:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَشْبَعَنَا وَاَرْوَانَا وَاَنْعَمَ عَلَیْنَا وَاَفْضَلَ."

ترجمہ:... "اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں سیر اور سیراب

کیا، اور ہم پر انعام کیا، اور بہت دیا۔“

بے شک یہ کہنا اس نعمت کا شکریہ اور بدلہ ہے۔ (کذا فی الحصن الحصین)

اور جب کھانے سے پہلے ”بسم اللہ“ کہنا بھول جائے تو کہہ لے: ”بِسْمِ اللہِ اَوَّلَـهٗ وَاٰخِرَهٗ“ (یہ حدیث گزر چکی ہے)۔

اگر دُودھ پیئے تو یہ دُعا پڑھے:

”اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْـهُ.“

(رواہ ابوداوٗد والترمذی)

ترجمہ:... ”اے اللہ! ہمارے لئے اِس میں برکت دے اور ہمیں اس سے زیادہ عنایت کر۔“

اور اگر عورت سے جماع کا ارادہ کرے تو یہ دُعا پڑھے:

”بِسْمِ اللہِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مِمَّا رَزَقْتَنَا.“ (رواہ الصحاح عن ابن عباسؓ)

ترجمہ:... ”میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز سے الگ رکھ (یعنی اولاد سے) جو تو ہمیں عطا کرے۔“

بچوں کا تعویذ:

اگر بچے کے گلے میں کوئی ایسی چیز ڈالنا چاہے کہ وہ بچہ نظرِ بد جن و اِنس سے محفوظ رہے، تو وہ یہ ہے:

”اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللہِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ شَرِّ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّةٍ.“

(کذا فی البخاری وسنن اربعہ، عن ابن مسعودؓ)

ترجمہ:... ''میں اللہ کے کلماتِ تامہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں، ہر شیطان اور زہریلے کاٹنے والے اور ہر لگ جانے والی نظر کی بُرائی سے۔''

آشوبِ چشم:

جس شخص کو آشوبِ چشم کی شکایت ہو، تو کہے:

''اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِبَصَرِیْ وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنِّیْ وَاَرِنِیْ فِی الْعَدُوِّ ثَأْرِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ ظَلَمَنِیْ.''

(رواہ الحاکم وغیرہ)

ترجمہ:... ''اے اللہ! مجھے میری بینائی سے فائدہ دے، اور اس کو میرا وارث بنا، اور دُشمن میں میرا بدلہ دِکھا اور جو مجھ پر ظلم کرے، اس پر میری مدد فرما۔''

دفعِ بخار کے لئے:

جس کو بخار چڑھے وہ کہے:

''بِسْمِ اللهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَّعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ.''

(رواہ الحاکم وابن ابی شیبہ، عن ابن عباسؓ)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے نام سے، میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، جوش مارنے والی رگ کے شر اور آگ کی گرمی کی بُرائی سے۔''

شفا کے لئے:

جب بیمار پُرسی کے لئے جائے، تو اپنا سیدھا ہاتھ بیمار پر پھیر کر کہے:

”اَللّٰهُمَّ اَذْهِبِ الْبَأْسَ، رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سُقْمًا.“

(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ:... ”اے لوگوں کے پالنے والے! تکلیف کو دُور فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ کوئی شکایت باقی نہ رہے۔“

نیز سورۂ فاتحہ سات بار، سورۂ اِخلاص سات بار، معوّذتین، تین، تین بار اور دُرود شریف اوّل آخر تین، تین بار پڑھ کر، ہر چیز اور ہر بیماری کے لئے پانی پر یا تیل پر دَم کردے، بیمار کو پانی پلاتا رہے، اور تیل کی مالش کرتا رہے، بیماری سے شفا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ بفضلہٖ۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ النبی الامی وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

القول النقی فی حیاۃ النبی

یعنی

مسئلہ حیات النبی ﷺ کی بے غبار تشریح

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ یَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی، خُصُوۡصًا عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الۡمُصۡطَفٰی وَالۡمُرۡتَضٰی خَیۡرِ خَلۡقِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلَّذِیۡ حَیَاتُہٗ اَکۡمَلُ وَاَفۡضَلُ مِنۡ حَیَاۃِ الشُّھَدَآءِ وَعَلٰی اٰلِہِ الۡمُجۡتَبٰی وَاَصۡحَابِہِ الَّذِیۡنَ اھۡتَدَوۡا بِھُدَاہُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَاَرۡضَوۡا عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی، اَمَّا بَعۡدُ!

بندہ بصد عجز و نیاز، دست بستہ عارض ہے کہ اس سال مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف کی ایسی آندھی چلی کہ عوام وخواص تک اس سے متأثر ہوئے، علمائے کرام معتوب ومعیوب ہوئے، آفتابِ نصف النہار پر اَبرِ سیاہ آنے لگا اور عوام میں فریقین کے استدلال نے پریشانیاں، چہ میگوئیاں اور جنگ و جدال ڈال دیا۔ ''حیات الانبیاء'' کا مسئلہ ابتدائی سطح کے اعتبار سے اگرچہ کوئی اُصولی مسئلہ نہ تھا، مگر اپنے بعض نتائج کے اعتبار و لحاظ سے غیر معمولی اہمیت اختیار کرگیا، ہر طرف سے طنز برسنے لگے، احباب نے سوال و جواب سے سکوت اور دَم بخود ہونا اختیار نہ کیا، آخر بندۂ گناہگار، شرمسار نے بذریعہ قلم اپنے احباب کے لئے اپنا مسلک ظاہر کرنا ضروری

سمجھا۔ اس میں بعض احباب اور رفقاء نے بھی کچھ نقول بھیج دیں، ان نقول اور اکابر علمائے دیوبند کی تحقیقات سے بطور مشت نمونہ از خروار پیشِ خدمت ہیں:

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

وما توفیقی الا باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

اس رسالے میں مختلف مباحث پر مشتمل چند فصول ہیں:

فصلِ اوّل:

موت کس چیز کا نام ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ موت، فنائے کامل اور عدمِ کامل کا نام نہیں ہے، فنائے کامل اور عدمِ کامل کا عقیدہ دراصل کفارِ مکہ اور منکرینِ حشر ونشر کا ہے کہ اس ظاہری موت پر انسان مرجاتا ہے اور گل سڑ جاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ ءَاِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ. بَلۡ هُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ كٰفِرُوۡنَ. قُلۡ یَتَوَفّٰكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِیۡ وُكِّلَ بِكُمۡ، ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ.''

(السجدۃ:۱۰،۱۱)

ترجمہ:... ''اور کہتے ہیں کہ جب ہم مل گئے زمین میں، کیا ہم کو نیا بننا ہے؟ کچھ نہیں، وہ اپنے رَبّ کی ملاقات کے منکر ہیں، تو کہہ قبض کرلیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر مقرّر ہے، پھر اپنے رَبّ کی طرف پھر جاؤ گے۔''

اس پر حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یعنی تم اپنے آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہوگئے، ایسا نہیں، تم حقیقت میں جان ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے، بالکل فنا نہیں ہوجاتے۔''

(موضح القرآن)

پس قرآن مجید نے کفار کے اس عقیدے کا مدلل طریقے پر رَدّ فرمایا ہے، اور اس ظاہری موت پر بھی حیات کو ثابت رکھا، اور فرمادیا کہ موت فنائے کلی اور عدمِ تام نہیں، بلکہ: ''اَلْاِنْتِقَالُ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ'' یعنی ایک مکان سے دُوسرے مکان کی طرف انتقال کرنے کا نام موت ہے۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''ایک لباس اُتار کر دُوسرا پہننے کا نام موت ہے۔''

امام جلال الدین سیوطیؒ نے ''بشری الکئیب'' میں اِسی طور پر لکھا ہے کہ علماء نے فرمایا:

"الموت ليس بعدم محض، ولا فناء صرف وانما هو انقطاع تعلق الروح بالبدن، ومفارقة وحيلولة بينهما، وتبدل حال، وانتقال من دار الٰى دار."

(شرح الصدور .... ویلیه کتاب بشری الکئیب ص:۳۳۴)

ترجمہ:... ''موت عدمِ محض اور فنائے صرف نہیں ہے، وہ تو بے شک رُوح کے تعلق (جو کہ بدن سے تھا) کے ٹوٹنے اور جدا ہونے، ایک حال سے تبدیل ہونے، اور ایک مکان سے دُوسرے مکان کی طرف جانے کا نام ہے۔''

بلکہ قرآن مجید نے تو یہاں تک بتادیا کہ اس برزخی دور میں فنائیت کے بعد

دارِ آخرت میں بھی یہی بدن پھر ترکیبِ کذائی اختیار کرے گا، جیسا کہ ارشاد ہے:

"کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ." (الانبیاء:۱۰۴)

ترجمہ:... "جیسا سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار، پھر اُس کو دُہرائیں گے وہ وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر، ہم کو پورا کرنا ہے۔"

لفظِ اعادہ خود بتا رہا ہے کہ اسی بدن کو لوٹایا جائے گا۔ نیز موت کے بعد اجزائے بدنیہ کی کمی کو پورا کردیا جائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کمی ہمارے علم میں ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

"قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ." (قٓ:۴)

ترجمہ:... "ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین ان میں سے (یعنی سب مٹی نہیں ہوجاتی، جان سلامت رہتی ہے) اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔"

یعنی جہاں کہیں اجزائے بدن تحلیل ہوکر منتشر ہوگئے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

علاوہ ازیں وہ اپنے واقف کاروں کو پہچانیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ" (یونس:۴۵) (ایک دُوسرے کو پہچانیں گے)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "الدرۃ الفاخرہ" کے ص:۱۶ میں حیاتِ انسانی کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔

پہلی زندگی: یعنی تخلیق سے قبل جب عالمِ اَرواح میں عہدِ الست لیا گیا،

چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: "ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ" (الاعراف:۱۷۲) یہ لفظ انفس اور ذُرّیت دونوں کسی موجود پر دلالت کرتے ہیں۔

دُوسری زندگی: جس کو قرآن مجید نے "الحیوٰة الدُّنیا" سے تعبیر فرمایا۔

اور تیسری زندگی: جو الفاظِ قرآنی میں "اَبقٰی" ہے۔

مزید براں اس جسدِ عنصری سے پہلے بھی انسان، انسان ہی ہوتے ہیں، مگر قابلِ ذکر نہیں ہوتے، قابلِ ذکر اس وقت ہوتے ہیں جبکہ ان کو قوت عمل کے تمام آلات، سمع، بصر، فؤاد دے دیئے جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا. اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا." (الدہر:۱،۲)

ترجمہ:... "بے شک گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی۔ ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے، ہم پلٹتے رہے اس کو، پھر کردیا ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا۔"

مگر وہ وجودِ پاک جو شروع سے ہی اطاعت سے سرشار اور معصیت کے عمل سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، وہ اس آب و گل کے ورطے سے پہلے بھی قابلِ ذکر ہوا کرتے ہیں، وہ اس وقت بھی آلاتِ ظاہرہ کے بغیر، ادراک و شعور سے مشرف ہوا کرتے ہیں، حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام کا مکالمہ دربارۂ قضا و قدر صحیح حدیثوں، بلکہ صحیح بخاری جلد دوم میں موجود ہے، کما فی الدرة الفاخرة ص:۱۶، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادراک و شعور، اس شعور سے بھی کامل تر ہے۔ نسیم الریاض شرح شفا ج:۱ ص:۲۵۱ میں ہے:

"کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ" اور بعض روایات میں ہے کہ:
"کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ" (میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے یا رُوح اور جسد میں تھے)۔ مقصد یہ ہے کہ: "ثَبَتَ لِیَ النُّبُوَّۃ" یعنی میرے لئے اس وقت نبوّت ثابت ہوئی اور شہرت میں آئی جبکہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کا وجودِ مبارک بھی نہ بنا تھا، کما فی شرح المصابیح۔ ظاہر ہے کہ جب نبوّت ثابت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم و ادراک بھی اس وقت سے حاصل ہوئے ہوں گے، یہ تو نہیں ہوسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو تھے، مگر ادراک وشعور بعد میں ہوا، یہ بھی نبی کا ایک امتیازی وصف ہے، اسی ادراک وشعور کی دُنیا میں انبیاء علیہم السلام سے ایک خاص عہد لیا گیا، اور مکلّف قرار دیئے گئے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

الف:... "وَاِذْ اَخَذَ اللهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ .... الْاٰیة."

(آل عمران:۸۱)

ترجمہ:... "جبکہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا ....الخ۔"

ب:... "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْکَ .... الْاٰیة."

(الاحزاب:۷)

ترجمہ:... "جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا ....الخ۔"

الغرض تمام علمائے ملتِ اسلامیہ اس اَمر میں متفق ہیں کہ موت فنائے کامل کا نام نہیں، بلکہ صرف زندگی کے ایک پلیٹ فارم سے اُتر کر دُوسرے پر جانے کا نام ہے، اس لئے ادراک وشعور اور سرور وغم اس ظاہری موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اسی لئے شارع علیہ السلام کی جانب سے اہلِ قبور اور موتیٰ پر سلام و تلقین تجویز فرمائی گئی ہیں، علامہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کتاب الروح ص:۵ و ۱۰ میں فرماتے ہیں:

"والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت

الأثار عنهم بان الميت يعرف زيارة الحي ويستبشر به.''

ترجمہ:...''سلف اس بات پر متفق ہیں، اور ان سے متواتر آثار و اخبار آچکے ہیں کہ میّت زیارت کرنے والے زندہ کو پہچانتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔''

اِمام حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''**ان الشهداء بل كل المؤمنين اذا زارهم المسلم وسلم عليهم عرفوا به وردوا عليه السلام، فاذا كان هٰذا في احاد المؤمنين فكيف بسيّد المرسلين صلى الله عليه وسلم.''** (وفاء الوفاء ج:۴ ص:۱۳۵۱)

ترجمہ:...''شہداء اور تمام مؤمنوں کی جب کوئی مسلمان زیارت کرتا ہے اور ان پر سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچانتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں، جب عام مؤمنین کا یہ حال ہے تو سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (کی حیات) کا کیا عالم ہوگا؟''

فصلِ ثانی:

انبیاء علیہم السلام دُنیوی وفات کے بعد بھی جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔

جاننا چاہئے کہ تمام اہلِ سنت والجماعت حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اہلِ حدیث اور نجدی وغیرہ اس بات پر متفق ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام دُنیوی وفات کے بعد اعلیٰ، افضل اور اکمل تر مقام، درجات اور قربِ کمال پر فائز المرام ہیں، مگر حضور پُرنور خاتم الانبیاء والمرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر زیادہ مقرب

اور "فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ" کے مقام پر سرفراز ہیں، مگر چونکہ "القلیل کالمعدوم" کے مصداق بعض لوگ انبیاء علیہم السلام کی اس طرح کی موت کے قائل تھے جیسے کہ دُوسرے انسانوں کی موت ہوتی ہے، تو اس پر امام بیہقیؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ نے ان کی تردید میں حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر رسائل تحریر فرمائے اور اُمتِ مرحومہ پر احسان فرمایا ہے، جزاھم اللہ تعالیٰ خیرًا!

فائدہ:... اس وقت اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی موت کو عام انسانوں کی موت کی طرح سمجھا جاتا ہو، بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ دُنیوی وفات کے بعد انبیاء کی حیاتِ برزخی رُوحانی ہے یا جسمانی برزخی ہے؟ ہمارے اکابرِ دیوبند وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ برزخی جسمانی کے اس طور قائل ہیں کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اسی وجودِ پاک کے ساتھ اپنے روضۂ مبارک میں اس طرح زندہ تشریف فرما ہیں جس طرح آپؐ اِس دُنیا میں تشریف فرما تھے، جیسا کہ ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" نومبر ۱۹۵۷ء ص:۸، "آبِ حیات" مؤلفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے، اور "المھند علی المفند" (مطبوعہ کتاب خانہ اعزازیہ دیوبند) کے ص:۱۳ میں ہے:

> "پانچواں سوال:... کیا فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے؟ یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات؟
>
> جواب:... ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے، بلامکلّف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء

علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے
تمام مسلمانوں، بلکہ سب آدمیوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے
رسالہ ''انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء'' میں بہ تصریح لکھا ہے، چنانچہ
فرماتے ہیں کہ:

علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ: انبیاء وشہداء کی
قبر میں حیات ایسی ہے جیسے دُنیا میں تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کا
اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے، کیونکہ نماز زندہ جسم کو
چاہتی ہے.....الخ۔

پس اس سے ثابت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
حیات دُنیوی ہے، اور اس معنے پر برزخی بھی ہے کہ عالمِ برزخ
میں حاصل ہے.....الخ۔''

اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج:۲ ص:۵۸ مطبوعہ دار الاشاعت دیوبند ضلع
سہارنپور میں ہے:

''سوال:... انبیاء علیہم السلام احیاء اند؟ حیات چہ معنی
دارد؟ اقسام حیات نیز تحریر فرمایند! چنانچہ حیاتِ شہداء حیاتِ
اولیاء وحیاتِ انبیاء وغیرہ۔

جواب:... انبیاء علیہم السلام در قبورِ خود زندہ اند، وایں
قدر از حدیث معتبر ثابت است کہ فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کہ حرام کردہ است بدن ہائے انبیاء بر زمین وامثال آں،
ایں قسم احادیث در شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور سیوطیؒ
باستیعاب آوردہ است فقط، واللہ تعالیٰ اعلم! (محمد شفیع غفر لہٗ)۔''

کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور عالمِ برزخ میں تشریف رکھنے سے متعلق تفصیلات ہیں، چنانچہ اس میں حیات النبی علیہ السلام کے متعلق چند دلائل بھی تحریر ہیں، من جملہ ان کے یہ ہیں:

پہلی روایت:... ابن المبارکؒ نے حضرت سعید بن المسیّبؒ سے روایت کیا ہے کہ:

''لیس من یوم الا وتعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أعمال أمّته غدوۃ وعشیًّا.''

(المواھب اللدنیة ج:۵ ص:۳۳۷)

ترجمہ:... ''کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔''

دُوسری روایت:... مشکوٰۃ میں حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان اللہ حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء، فنبیّ اللہ حیّ یرزق، رواہ ابن ماجة.''

(مشکوٰۃ ص:۱۲۱)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسدِ مبارک کو کھاسکے، پس خدا تعالیٰ کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، روایت کیا اس کو ابنِ ماجہ نے۔''

فائدہ:... پس ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں زندہ ہونا ثابت ہوا، دوم یہ کہ قبر میں جو رزق دیا جاتا ہے وہ اُس عالَم کے مناسب ہوتا ہے، گو شہداء کے لئے بھی حیات اور رزق دیا جانا وارد ہے، مگر انبیاء کی حیات اور مرزوقیت ان سے اکمل واقویٰ ہے۔

تیسری روایت:... بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون."

(المواهب اللدنية ج:۵ ص:۳۳۲)

ترجمہ:... "انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں۔"

فائدہ:... مدارج النبوۃ جلد دوم میں اس کی اسناد کی توثیق کی ہے۔

فائدہ:... یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذّذ کے لئے ہے۔

(کذا فی تنویر الحوالک فی رؤیۃ النبی والملک ص:۳۷)

اس حیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ہر جگہ سے دُرست نہیں، کیونکہ مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

"من صلّٰى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلّٰى عليّ نائيا ابلغته. رواه البيهقي في شعب الايمان."

(مشکوٰۃ ص:۸۷)

ترجمہ:... "جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھے، میں اس کو سنتا ہوں، اور جو دُور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔"

جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ:

"ان للہ ملٰئکة سیاحین فی الأرض یبلغون من امتی السلام. رواہ النسائی والدارمی." (مشکوٰۃ ص:۸٦)

ترجمہ:... "بے شک اللہ تعالیٰ کی جانب سے زمین میں ملائکہ مقرّر ہیں جو میری اُمت کی طرف سے مجھ تک سلام پہنچاتے ہیں۔"

چوتھی روایت:... میں ہے کہ:

"مررت علٰی موسٰی لیلة أسری بی عند الکثیب الأحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ."

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲٦۸)

ترجمہ:... "جس رات معراج ہوئی، میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔"

پانچویں روایت:... میں ہے کہ:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمرسلین لیلة أسری بہ رکعتین، وانہ سلم علٰی ھارون فدعا لہ بالرحمة ولأمّتہ، وانہ سلم علٰی ادریس فدعا لہ بالرحمة ولأمّتہ."

(درۃ الفاخرۃ ص:۱۱۵، مجموعہ رسائل امام غزالی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان)

ترجمہ:... ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں رسولوں کو دو رکعت نماز پڑھائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام پر سلام کیا اور انہوں نے آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے رحمت کی دُعا کی، اور حضرت ادریس علیہ السلام پر سلام کہا اور انہوں نے آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے رحمت کی دُعا کی۔''

چھٹی روایت:... میں ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسٰی بن مریم ثم لئن قام علٰی قبری وقال: یا محمد! لأجیبنہ.''

(ترجمان السنہ ج:۳ ص:۵۶۳، بحوالہ رُوح المعانی)

ترجمہ:... ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، عیسیٰ بن مریم ضرور اُتر کر رہیں گے، اور اگر وہ میری قبر پر آکر کھڑے ہوں گے، اور مجھ کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔''

ساتویں روایت:

''ما من أحد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتّٰی ارد علیہ السلام. رواہ ابوداؤد والبیھقی فی الدعوات الکبیر.'' (مشکوٰۃ ص:۸۶)

ترجمہ:... ''جو کوئی میرے پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری رُوح واپس کرتا ہے، اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

مندرجہ بالا روایات کا خلاصہ یہ نکلا کہ سب انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں اور روضۂ اقدس میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب جلد اوّل ص:۱۵۳ میں ہے کہ:

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات نہ صرف رُوحانی ہے جوکہ عام مؤمنین وشہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے، اور از قبیل حیاتِ دُنیوی، بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔''

''مدارج النبوۃ'' (ج:۲ ص:۵۷۵، مطبوعہ لکھنؤ) میں ہے:

بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء ملت و ہیچ کس را خلاف نیست دراں کاتر و قوتیر زوجود و حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ کہ آن معنوی اُخروی است عنداللہ و حیات انبیاء حیات حسّی و دُنیاوی است۔''

ترجمہ:... ''جاننا چاہئے کہ حیاتِ انبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے تمام علماء کے نزدیک، کسی کو اس میں اختلاف نہیں، شہداء مقاتلین فی سبیل اللہ کی حیات معنوی اُخروی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اور انبیاء علیہم السلام کی حیات حسّی دُنیاوی ہے۔''

''اشعۃ اللمعات'' (ج:۱ ص:۶۱۳) میں ہے کہ: ''وحیاتِ انبیاء متفق علیہ است۔'' یعنی حیاتِ انبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے۔

''انباء الاذکیاء'' للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ:

''حیـاة النبی صلی اللہ علیه وسلم فی قبره وهو

وسائر الأنبياء معلومة عندنا علمًا قطعيًا لما قام عندنا من الأدلة في ذٰلك وتواترت به الأخبار وقد ألّف البيهقي جزأ في حياة الأنبياء في قبورهم.''

(انباء الاذکیاء مندرجہ الحاوی للفتاوی ج:۲ ص:۱۴۷ طبع بیروت)

ترجمہ:... ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات علمِ قطعی سے ہمارے نزدیک ثابت ہے، اس لئے کہ دلائل اور متواتر اخبار اس پر قائم ہیں۔ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حیاتِ انبیاء علیہم السلام پر ایک رسالہ لکھا ہے۔''

''بذل المجهود في حل ابي داؤد'' (ج:۲ ص:۱۱۷) میں ہے کہ:

''ان نبي الله صلى الله عليه وسلم حيّ في قبره كما أن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم، ولا فرق بين أن يكون فوق الأرض أو تحت حجابها كما لا فرق في حضوره وغيبته في زمان حياته صلى الله عليه وسلم.''

ترجمہ:... ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کہ زمین کے اُوپر ہوں یا پردے کے نیچے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ مبارک کے وقت میں رُوبرو بھی ہوتے تھے اور آنکھ سے غائب بھی ہوتے تھے۔''

اسی طرح ''فتح الباری'' (ج:۳ ص:۴۱۴) میں فرماتے ہیں:

''الأنبياء أحياء عند ربهم يرزقون، فلا مانع ان

یحجوا فی هٰذا الحال کما ثبت فی صحیح مسلم من حدیث أنس رضی الله عنه انه صلی الله علیه وسلم رأی موسٰی قائمًا فی قبره یصلی۔"

ترجمہ:... "انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کے قرب میں زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، پس کوئی چیز مانع نہیں کہ اس حال میں حج کریں، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔"

اور ابوداؤد باب زیارۃ القبور کے حاشیہ میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی قدر وضاحت فرمائی ہے:

"وجاء فی الروایة انه یعطی للمیت فی یوم الجمعة الادراک اکثر مما یعطی فی سائر الأیام۔"

(ابوداؤد ج:۲ ص:۱۰۵)

ترجمہ:... "روایت میں وارِد ہے کہ میّت کو جمعہ کے دن دُوسرے دنوں کی نسبت زیادہ ادراک دیا جاتا ہے۔"

اسی طرح نسائی باب اکثار الصلوٰۃ یوم الجمعة ص:۱۵۵ کے حاشیہ میں ہے:

"والجواب بقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم (ان الله حرم .... الخ) کنایة عن کون الأنبیاء أحیاء فی قبورهم۔"

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: "ان اللہ حرم ...." اس بات سے کنایہ ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام اپنی

اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

"باب صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ علیہ السلام" ص:۱۸۵ کے حاشیہ:۱۲ میں واضح فرمایا ہے کہ:

"(یصلی فی قبرہ) قال الشیخ بدر الدین الصاحب ھٰذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسی فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ذٰلک لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علیٰ ھٰذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ."

ترجمہ:... شیخ بدر الدینؒ فرماتے ہیں کہ: یہ "یصلی فی قبرہ" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کے بارے میں صریح دلیل ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھنے اور قبر میں کھڑے ہونے سے متصف فرمایا ہے، اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنا صرف رُوح کی صفت نہیں، بلکہ رُوح مع الجسد کی صفت ہوتا ہے، پھر قبر کی تخصیص کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے، پس اگر وہ رُوح کے اوصاف سے ہوتا تو اس سے حجت پکڑنا صحیح نہ ہوتا۔"

مدارج النبوۃ ج:۲ ص:۵۷۶ میں اوس بن ثقفیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

".... فأکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ. قالوا: یا رسول اللہ! وکیف

تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت؟ قال: یقولون بلیت، قال: ان اللہ حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء.“

(مشکوٰۃ ص:۱۲۰)

ترجمہ:... ”جمعہ کے روز مجھ پر دُرود شریف کثرت سے پڑھا کرو، تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“ صحابہؓ نے عرض کیا: کیسے پیش کیا جائے گا، آپ تو قبر میں مٹی ہوجائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو کھائے۔“

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

”حیاتِ انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافی نیست، حیاتِ جسمانی دُنیاوی حقیقی نہ حیاتِ معنوی رُوحانی چنانکہ شہدا را است۔“ (اشعۃ اللمعات ج:۱ ص:۶۱۳)

ترجمہ:... ”حیاتِ انبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں، حیاتِ انبیاء علیہم السلام حسّی دُنیاوی ہے، محض ملاقاتِ ارواح نہیں، جیسا کہ شہداء کی (ارواح کو پرندوں کے پیٹ میں ڈالا جاتا) ہے۔“

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”الاعتقاد والہدایۃ الی سبیل الرشاد“ میں فرماتے ہیں کہ:

”ان اللہ ردّ علی الأنبیاء أرواحھم وھم أحیاء عند ربھم کالشھداء.“

(کذا فی انباء الاذکیاء للسیوطی مندرجہ الحاوی للفتاویٰ ج:۲ ص:۱۴۸)

ترجمہ:... ''انبیاء علیہم السلام کی ارواح (قبض ہونے کے بعد) ان کی طرف واپس کی جاتی ہیں، پس وہ شہداء کی طرح اللہ کے قرب میں زندہ ہیں۔''

اور شرح تنویر الحلک فی رؤیۃ النبی والملک (ص:۵۸ مطبوعہ مصر) میں علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''علامہ ابنِ حجر مکیؒ اپنی کتاب ''شرح ہمزیہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

حیاتِ انبیاء علیہم السلام کی حدیثیں بہت ہیں، جن کو امام بیہقیؒ نے ایک رسالے میں جمع کردیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات، شہداء کی حیات سے اعلیٰ و اتم ہے، جس کی تصریح قرآن مجید میں: ''بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ'' کی شکل میں موجود ہے۔''

فصلِ ثالث:

مسئلۂ حیات کتبِ اہلِ حدیث سے:

نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب حجج الکرامت ص:۲۸۵ میں لکھتے ہیں:

''ابنِ جوزیؒ بہ سندِ متصل سعید بن المسیّبؒ لایا ہے کہ سعید مذکور نے فرمایا کہ: واقعۂ حرّہ میں مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بجز میرے اور کوئی نہ تھا، اہلِ شام جب مسجد میں آتے تو کہتے کہ: یہ بوڑھا دیوانہ اس جگہ کیا کرتا ہے؟ اور فرمایا

کہ: کوئی نماز کا وقت نہ آتا تھا، مگر میں آواز اذان اور اقامت کی حجرۂ شریف سے سنتا تھا، اور اسی اذان و اقامت سے نماز ادا کرتا تھا، اور بجز میرے کوئی نہ ہوتا تھا۔ اسی واقعے کو ''الدرۃ الثمینہ'' صفحہ:۱۲۳ میں اور علامہ سیوطیؒ نے ''انباء الاذکیاء'' و ''شرح الصدور'' میں، اور علامہ سخاویؒ تلمیذ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب ''القول البدیع'' میں نقل کیا ہے، اور اس قسم کے اور بھی واقعات نقل کئے ہیں۔''

علامہ شوکانی یمنی آخری دور کے محقق اہلِ حدیث (متوفی ۱۲۵۰ھ) اپنی کتاب ''فتح القدیر للشوکانی'' آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''والمراد من الرزق المعروف فی العادات علٰی ما ذهب الیه الجمهور کما سلف.''

حاصلِ آیت: ''وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا'' (مریم:۶۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جنتیوں کو رزق جو کہ عادت میں معلوم ہے، وہی مراد ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: شہداء کو جنت سے عالمِ برزخ میں صبح و شام رزق دیا جاتا ہے، قرآنِ کریم میں عام جنتیوں کے لئے بھی ہے کہ: ''وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا'' (مریم:۶۲) یعنی جنتیوں کو بہشت میں صبح و شام رزق دیا جاتا ہے۔ ایک روایت میں لفظِ ''حوت'' اور لفظِ ''ثور'' یعنی بیل بھی آیا ہے، اور اسی روایت میں ہے: ''فَيَجِدُوْنَ طُعْمَ كُلِّ شَيْءٍ فِي الْجَنَّةِ'' یعنی بہشت میں ہر شے کا مزہ پاتے ہیں۔ (بشری الکئیب مع شرح الصدور للسیوطیؒ ص:۳۵۸)

نیز روایات سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت اظہار فرمایا کہ مجھ کو جو زہر دیا گیا تھا، آج میں اس کی تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔ اور

ظاہر ہے کہ زہر دے کر کسی کو مارا جائے تو اس کے شہید ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، اور قرآنی تصریحات سے شہداء کا زندہ ہونا ثابت ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شبہ نہیں، جب شہداء کی حیات ثابت ہے تو انبیاء و رُسل تو شہداء سے کئی مراحل آگے ہیں، شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ..... الْاٰية." (آل عمران:۱۶۹، ۱۷۰)

ترجمہ:... "بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے پاس، کھاتے پیتے اور خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے، اور خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس، ان کے پیچھے سے۔"

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے لئے پانچ چیزیں فرمائیں:

۱:... تم ان کو مردہ مت سمجھو۔

۲:... وہ زندہ ہیں۔

۳:... ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

۴:... وہ اپنی اس اُخروی زندگی پر خوش و خرم ہیں۔

۵:... پس ماندگان کو بشارت بھیجتے ہیں۔

کیا یہ صفات مُردوں کی ہیں؟ یا محض رُوحانی حیات کی ہیں؟ فافہم!

حالانکہ شہداء میں سے بعض وہ ہیں جن کی رُوح نکلنے کے ساتھ ساتھ ان کے بدن بھی ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جاتے ہیں، اور بعض کو جلادیا جاتا ہے، اور راکھ کو

بھی ہوا میں اُڑادیا جاتا ہے، دُنیا ان کے ساتھ یہ معاملات دیکھتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نہایت زوردار الفاظ سے کہتا ہے کہ ان کو مردہ مت کہو! اور مت سمجھو! وہ تو زندہ ہیں، خوش ہیں....الخ۔

نیز ہمارا اور اکثر کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے صلحاء وشہداء کی نعشیں صدیوں کے بعد اپنی قبروں سے تر وتازہ نکلیں، اوران کے اجسام پر کسی قسم کا کوئی اثر نہ تھا، تنویر الحوالک فی رؤیۃ النبی والملک ص:۶۳ میں ابونعیم نے یوسف بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ:

"سمعت ثابتًا يقول لحميد الطويل: هل بلغك يا ابا عبيد ان احدًا يصلي في قبره الا الأنبياء قال: لا، قال ثابت: اللّٰهم ان اذنت لأحد أن يصلي في قبره فأذن لثابت ان يصلي في قبره .... والله الذي لا اله الا هو ادخلت ثابتًا البناني لحده ومعي حميد الطويل قال: فلما سوينا عليه اللبن سقطت لبنةٌ فاذا انا رأينا به يصلي في قبره." (حلیۃ الاولیاء ج:۲ ص:۳۱۹)

ترجمہ:..."میں نے ثابت سے سنا، وہ حمید طویل کو کہتا تھا کہ: کیا کوئی خبر بھی سنی کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا بھی قبر میں نماز پڑھتا ہو؟ فرمایا: نہیں سنا! ثابت نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ! (یعنی دُعا کہہ دی)۔ اور جسیرؒ سے روایت ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں نے ثابتؒ بنانی کو قبر میں داخل کیا، اس موقع پر حمید طویل بھی ساتھ تھا، جب ہم نے اس پر اینٹیں برابر کردیں تو اچانک ایک اینٹ گرگئی، تو ہم

نے دیکھا کہ ثابت قبر میں نماز پڑھ رہا تھا (اللہ تعالیٰ نے اس کی دُعا کو قبول فرمالیا)۔"

ترمذیؒ، بیہقیؒ اور حاکمؒ نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

"ضرب بعض أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم خباءه علٰی قبر وهو لا یحسب انه قبر فاذا قبر فیه انسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها فأتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: یا رسول الله! ضربت خبائی علٰی قبر وأنا لا أحسب انه قبر فاذا فیه انسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: هی المانعة هی المنجیة تنجیه من عذاب القبر."

(ترمذی ج:۲ ص:۱۱۷)

ترجمہ:... "بعض اصحابِ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے اُوپر خیمہ گاڑا، اور اس کو خبر نہ تھی کہ یہ قبر ہے، اس میں سے سورۃ "تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ" سنی، حتیٰ کہ اس نے سورۃ کو تمام کیا، حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آکر خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ سورۃ عذابِ قبر کو روکنے والی اور عذابِ قبر سے نجات دینے والی ہے۔"

"قال أبو القاسم السعدی فی کتاب الروح: هٰذا التصدیق من النبی صلی الله علیه وسلم بأن المیت یقرأ فی قبره، فان عبدالله أخبره بذٰلک، وصدقه رسول الله صلی الله علیه وسلم." (شرح الصدور ص:۱۸۹)

ترجمہ:... ''ابوالقاسم سعدیؒ نے کتاب رُوح میں فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کردی کہ میّت بھی قبر میں پڑھتی ہے، کیونکہ حضرت ابنِ عباسؓ نے اس واقعہ کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔''

اور شیخ نجم الدین اصبہانی سے مروی ہے کہ:

''انہ حضر رجلًا یدفن، فقعد الملقن یلقنہ، فسمع المیت وھو یقول: الا تعجبون من حیث یلقن حیًّا۔'' (شرح الصدور ص:۲۰۶)

ترجمہ:... ''ایک جوان کے دفن پر حاضر ہوا تو تلقین کرنے والا قبر پر اس کو تلقینِ شہادت کر رہا ہے، اور دفن ہونے والے سے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ: کیا تعجب نہیں کرتے ایسے مردے سے کہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔''

اس کی مثل متعدد واقعات کتب یافعی اور قشیری میں کثیر ہیں۔

بیہقیؒ نے روایت کیا کہ: فاطمہ بنتِ خزاعیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر سلام کہا کہ: ''السلام علیک یا عمّ رسول اللہ!'' انہوں نے جواب دیا: ''علینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔'' (شرح الصدور ص:۲۱۰) اس کے علاوہ ایسے واقعات کثیر ہیں۔

''ازالۃ الخفاء'' میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''زمانۂ خلافتِ فاروقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی

نماز پڑھائی اور نماز کے بعد فوراً کسی نے کھجوروں کی ایک پلیٹ خدمتِ اقدس میں پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو دو کھجوریں دیں، مگر ان کے جی میں آیا کہ اگر تیسری بھی مل جاتی تو بہتر تھا، آنکھ کھل گئی، مسجد تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ نے نماز پڑھائی، فوراً کسی نے ایک پلیٹ کھجوروں کی پیش کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کی خدمت میں دو کھجوریں پیش کردیں، آپؓ کو وہ رات والا واقعہ یاد آگیا، اور دِل میں اس خیال کی یاد تازہ ہوگئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تیسری کھجور عنایت فرماتے تو میں دے دیتا، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محض دو ہی دی تھیں، اس لئے میں بھی دو ہی دُوں گا۔“

بظاہر زیارت تو صرف حضرت علیؓ کو ہوئی تھی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اس واقعے کا علم کرادیا تھا۔

مقدمہ فیوض الحرمین میں اپنے مشاہدہ نہم میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر اُمور میں اسی صورتِ مقدس میں جس میں آپ تھے، بار بار دیکھا، (حتیٰ کہ فرمایا کہ) انبیاء علیہم السلام حج کیا کرتے ہیں اور اپنی قبروں میں وہ زندہ ہیں۔“ (فیوض الحرمین ص:۳۲)

فائدۂ عجیبہ:

سوال:... آپ کا یہ فرمانا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، آیتِ شریفہ: ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ'' (الزمر:۳۰) کے خلاف ہے، آیت میں صاف واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ہوجانے یا نہ ہونے میں اختلاف ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا۔ پھر حیات کا کیا مطلب رہ جاتا ہے؟ نیز جب مشاہدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرِ انور میں آرام فرما ہیں، تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہاں سے باہر حج وغیرہ کے لئے تشریف لے جائیں یا وہاں بھی زندہ ہوں؟

جواب:... یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھاتی، نہ وہ بوسیدہ ہوتا ہے۔ اور تمام موتیٰ کے لئے رُوح کا واپس ہونا حدیثِ صحیح میں موجود ہے، جس سے سوال منکر نکیر ہوتا ہے، شہداء اور انبیاء تو ہزاروں درجے اُوپر ہیں، پھر اب یہ ہے کہ جسم میں رُوح آکر واپس چلی جاتی ہے یا دائم و مستمر بھی رہ سکتی ہے؟ تو حق تعالیٰ زوردار الفاظ میں فرماتا ہے کہ ان کو مردہ گمان بھی نہ کرو: ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ .... الخ'' (آل عمران:۱۶۹) کھاتے پیتے ہیں، خوش ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام تو ان سے ہزاروں درجے بالاتر ہیں، جب شہداء زندہ ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور بہشت میں آتے جاتے ہیں اور دُنیا میں بھی آتے جاتے ہیں، جیسا کہ حاکم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ:

''بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالس،

وأسماء بنت عميس قريبة منه اذ ردّ السلام، وقال: يا أسماء! هٰذا جعفر مع جبريل وميكائيل مروا فسلموا علينا.“ (شرح الصدور ص:۲۴۴)

ترجمہ:... ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور اسماء بنت عمیسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اے اسماء! یہ جعفر ہے، جبریل اور میکائل علیہما السلام کے ساتھ گزرے اور ہم پر سلام کہا۔“

تو کیا بعید ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہوں، اور نماز بھی پڑھیں اور حج بھی کریں، اور آیت: ”اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ“ (الزمر:۳۰) اس کے مخالف نہیں، اس لئے کہ کون کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام پر موت نہیں آئی؟ بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ ظاہری موت کے بعد پھر قبر مبارک میں بہ جسدِ عنصری زندہ ہیں یا نہ؟

نیز رُوح تو ہر خاص و عام کی زندہ ہے، کیونکہ رُوح ان اشیاء میں سے ہے کہ اس پر فنا نہ آئے گی، جیسے حور وغلمان وغیرہ، کما عند الجمهور، پس: ”اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ“ (رواه البيهقي عن انس رضي الله عنه ووافقه الحافظ ابن حجر كما في الجلد السادس في فتح الباري كما مرّ) کا معنی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر مبارک میں عباداتِ طیبہ اور افعالِ مبارکہ سے معطل نہیں، بلکہ وہ قبر میں بھی اسی طرح عبادات، مثلاً: حج، نماز وغیرہ میں مشغول ہیں، جیسا کہ دُنیا میں تھے، اسی طرح ان کے تابعین کا حال علیٰ قدر المراتب ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو دُنیا میں عبادات سے معطل تھے، وہ قبر میں بھی معطل ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: ”مَنْ کَانَ فِیْ

هٰـذِهٖ اَعْـمٰـى فَهُـوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" (بنی اسرائیل:۷۲) یعنی وہ شخص جو دُنیا میں نابینا ہے (یعنی اعمالِ صالحہ و اعتقادِ صحیحہ سے معطل ہے) وہ آخرت میں بھی معطل ہے۔

پس حیات کا معنی یہ ہے کہ حیات کے ہوتے ہوئے زندوں والے کام کرتے ہیں اور ممات کا مطلب یہ ہے کہ باوجود زندہ ہونے کے، رُوح زندوں کے نیک افعال سے معطل ہے، جیسا کہ محاورہ میں آوارہ اور نالائق کو مردہ، اور نیک خصال کو زندہ کہتے ہیں، اور حدیث میں ذاکر کو زندہ اور غافل کو مردہ فرمایا ہے، اسی طرح علم کو حیات اور جہل کو موت سے تعبیر کرتے ہیں، پس کافر میّت ہے، کیونکہ وہ قبر میں میّت ہے، یعنی تمام خیرات اور نیک کام کرنے سے معطل ہے، اس کو سوائے فریاد و فغاں کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

میّت کے یہ معنی نہیں کہ اس کی رُوح فانی ہے، کیونکہ ارواحِ خبیثہ جو افعال کرتی ہیں، ان کو افعالِ حیات نہیں کہا جاتا۔ پس بیہقی کی حدیث میں حیات باعتبار افعال کے ہے، اس لئے جہاں کہیں بھی کسی کی حیات ذکر کی جاتی ہے، وہاں اس کے افعال کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ اس کی حیات پر دلیل ہو، اس تقریر سے اس حدیث: "مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ" جو کوئی مجھ پر سلام کہتا ہے تو مجھ پر میری رُوح ردّ کی جاتی ہے کا مطلب یہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اب یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ رُوح واپس کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ رُوح پہلے نہ تھی، سلام کے جواب دینے کے وقت واپس آتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے حیات ابدی کیسے ثابت ہوئی؟

جواب:... فیض الباری علیٰ صحیح البخاری میں اعادۂ رُوح کا معنی بتلاتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

''ليس معناه انه يرد روحه أى انه يحيٰى فى قبره، بل توجه من ذٰلك الجانب الٰى هٰذا الجانب فهو حىّ صلى الله عليه وسلم فى كلتا الحالتين بمعنى انه لم يطرأ عليه التعطل قط.''

(فیض الباری علیٰ صحیح البخاری ج:۲ ص:۶۵)

ترجمہ:... ''رَدِّ رُوح کا یہ معنی نہیں ہے کہ قبر میں پھر زندہ کئے جاتے ہیں، بلکہ یہ معنی ہے کہ رُوح کی توجہ جو تجلیاتِ وارِدہ میں تھی، دُرود کے وقت اس کی توجہ سلام کے جواب کی طرف کردی جاتی ہے، تو حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حالتوں میں زندہ ہیں، یعنی کسی وقت بھی ان کو تعطل نہیں ہوا۔''

اور ''فیض الباری'' ج:۲ ص:۴۶، ۴۷ پر ہے کہ عالم دو قسم پر ہے، ایک وہ جو ہمارے لئے محسوس و مبصر ہے، اس کو ہم دیکھ رہے ہیں، اس کو عالم الشہادۃ کہتے ہیں، دوم وہ کہ جس کا اخبارِ شرع سے ہم کو علم ہوا، اس کا نام عالم الغیب ہے۔

شریعت کبھی ظاہرِ حس پر اَحکام مرتب کرتی ہے، گو واقع میں اس کے خلاف کا امکان ہو، جیسے فرمایا: "وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا" (یٰسٓ:۳۸) سورج کے آنے جانے کا کون انکار کرسکتا ہے؟ ظاہرِ حس میں جو تھا، فرمایا، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ آسمان چل رہا ہو، اس کے چلنے سے سورج چل رہا ہو، اسی ظاہر کو فرمایا کہ سورج چل رہا ہے، اور ممکن ہے کہ آسمان میں محض سورج چل رہا ہو، اور آسمان ساکت ہو۔

اور کبھی حقیقت پر آگاہی دی جاتی ہے، جیسے قبر کا عذاب جن و اِنس کے سوا سب سنتے ہیں، مگر حواسِ ظاہری اس کے سننے سے معطل ہیں، جیسے نیند والے پر

حالاتِ عجیبہ غریبہ گزرتے ہیں، مگر جاگنے والا نہیں دیکھ سکتا۔

اسی طرح عالَم غیب یعنی برزخ والے کے حالات کچھ اور ہیں اور عالمِ ظاہر و دُنیا کے کچھ اور ہیں، عالَم ظاہر کے اعتبار سے فرمادیا کہ: **"اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی"** مگر ممکن ہے کہ اسماع کی نفی ہو، یعنی جو سننے کے اسباب و آلات ہیں، وہ مرنے سے معطل ہیں، لہٰذا آپ نہیں سنا سکتے۔

ہاں! البتہ عالَمِ برزخ کے حالات دُوسرے ہیں، وہ اس باعث سے نہیں سن سکتے ہیں، جیسے فرمایا: **"اِنَّ اللّٰہَ یُسۡمِعُ مَنۡ یَّشَآءُ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ"** (فاطر:۲۲) اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو سنا دے، پس ظاہر حس میں معطل ہونا اس کے منافی نہیں کہ عالمِ غیب میں اس کے مناسب حالات، واردات، کیفیات، تجلیات، قراءۃِ قرآن، صلوٰۃ، عبادات اور اذان وغیرہ سے متلذّذ ہوں، یا دُنیا میں عبادت سے تعطل اور محروم ہونے کی وجہ سے وہاں قبر میں بھی خائب و خاسر ہوں۔ لہٰذا اس کے لئے شرح الصدور للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رُجوع کرنا بہتر ہے، اور اہلِ کشف کے نزدیک اس کے علاوہ دُوسری نعمتیں بھی ثابت ہیں، لہٰذا ہم اس کا انکار نہیں کرسکتے جب تک کہ شریعت صراحتاً اس کا انکار نہ کرے۔

(ملخص ما فی فیض الباری علیٰ صحیح البخاری ج:۲ ص:۴۶)

اسی کتاب کے اسی صفحے پر ہے کہ: جو شخص رات کو عبادت سے اور دن کو روزہ سے زندہ اور آباد رکھتا ہے، قبر میں اس کی آنکھیں عبادت سے ٹھنڈی کی جائیں گی، اور معطل و بے کار نہ چھوڑا جائے گا، پس بعض وہ ہوں گے جو قبر میں آرام کی نیند سوئیں گے، یہاں تک کہ جب صور پھونکا جائے گا تو آنکھیں مل کر اُٹھیں گے اور کہیں گے: "مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا" اور بعض وہ ہوں گے کہ صبح و شام آگ پر پیش

کئے جائیں گے، معاذ اللہ!

فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج:۳ ص:۴۱۹ میں ہے کہ:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیّ کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ بأذان واقامۃ وان أعمالہ مضاعفۃ فیہ أکثر من مضاعفۃ عمل کل أحد."

ترجمہ:... "حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہر ایک کے عمل سے مضاعف در مضاعف ہیں۔"

امام سیوطی رحمہ اللہ نے حدیثِ رُوح کے پندرہ جواب دیئے ہیں، ان کا خلاصہ وہ ہے جس کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکاتیب ج:۱ ص:۲۵۱ میں بیان فرمایا ہے کہ:

"یہ روایت دوامِ حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ، بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندرونِ نماز اور بیرونِ نماز دُرود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوامِ حیات لازم آئے گا۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج:۱ ص:۲۵۱ مدنی کتب خانہ گوجرانوالہ)

اور یہ جواب بھی فرمایا کہ: اگر لفظ ("اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ" کے بجائے) "اِلَیَّ رُوْحِیْ" فرمایا گیا ہوتا تو شبہ وارِد ہوسکتا تھا، اس لئے کہ "اِلَیَّ" اور "عَلَیَّ" میں فرق ہے، "علیٰ" استعلاء کے لئے اور "الیٰ" نہایت غایت کے لئے ہے، اس سے

تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے رُوح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسمِ اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسمِ مقدس کی طرف لوٹایا گیا ہو۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدارجِ قرب و معرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں، اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دُوسری جانب کی توجہ کو کمزور کردیتا ہے، چنانچہ اہلِ استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں، مگر جب حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃٌ للعالمین بنایا گیا ہے، اس لئے بارگاہِ اُلوہیت سے دُرود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدّد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی کہ خود سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس استغراق سے منقطع کرکے دُرود والے کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے لئے دُعا فرماتے ہیں۔"

(مکتوباتِ شیخ الاسلام ج:۱ ص:۲۵۱ مدنی کتب خانہ گوجرانوالہ)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"رُوح پُرفتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع اور اصل ارواح باقیہ، خصوصاً ارواحِ مؤمنینِ اُمت ٹھہری، تو جونسا اُمتی آپ پر سلام عرض کرے گا، اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا، ارتدادِ (لوٹنا) جملہ شعب لازم نہیں، اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد (لوٹنا) باعثِ اطلاع سلام معلوم تو ہوگا، پر موجب زوالِ

استغراق مطلق نہ ہوگا، آخر شعب غیر متناہیہ اور ہیں۔‘‘

(آبِ حیات ص:۱۷۵، ۱۷۶، مطبوعہ: مطبع قدیمی دہلی)

یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبع اور اصل، اَرواحِ باقیہ، خصوصاً اَرواحِ مؤمنینِ اُمت ہیں، تو جونسا اُمتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرے گا، اس کی طرف کا شعبہ از شعبہائے لوٹے گا، اور تمام شعبوں کا لوٹنا لازم نہیں، اور ظاہر ہے کہ اس شعبے کا لوٹنا باعثِ اطلاعِ سلام تو ہوجائے گا، مگر موجبِ زوالِ استغراق نہ ہوگا، آخر شعب کثیر اور بھی ہیں اور غیر متناہی ہیں۔

اس تقریر سے وہ اعتراض کہ جب تمام اقطار ارض سے سلام بھیجے جاتے ہیں اور کوئی ساعت بھی خالی نہیں رہتی، تو پھر حضرتِ الٰہی تعالیٰ کے شہود کے لئے کب فراغت ہوگی؟ خودبخود دفع ہوگیا، اس لئے کہ تمام شعبوں کو تو دُرود بھیجنے والے کی طرف نہیں لوٹایا جاتا، اس میں سے کوئی ایک شعبہ ہوتا ہے جس کو متوجہ کیا جاتا ہے، اس سے استغراق میں کمی نہیں آتی۔

نیز آخرت کے معاملات عقل سے مدرک نہیں ہوتے، اور احوالِ برزخ، احوالِ آخرت کے مشابہ ہیں، ان کو دُنیا کے معاملات پر قیاس کرنا غلط بات ہے۔

(القول البدیع للسخاوی ص:۱۲۷)

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ:

بیہقی کی ایک روایت میں ہے: ’’اِلَّا وَقَدْ رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ.‘‘

(حیاۃ الانبیاء امام بیہقی ص:۹۹، مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

اب کوئی اِشکال نہیں رہتا، اس لئے کہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس پر سلام کا جواب دیتا ہوں، اس لئے کہ رُوح تو میری طرف پہلے سے واپس ہوچکی ہے۔

اس قدر اہلِ بصیرت کو کافی و شافی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم!

فصلِ رابع:

علمائے نجد کا اعتقاد:

کتاب ''الهدية السنيّة والتحفة الوهابية النجدية'' (مطبوعہ مصر) میں ہے کہ:

''ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رُتبہ تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے، وہ اپنی قبر میں حیاتِ برزخیہ سے زندہ ہیں، ان کی حیات، حیاتِ شہداء سے ... جو کہ قرآن مجید میں مصرّح و منصوص ہے... افضل و اکمل ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلاشک و شبہ افضل ہیں، اور سلام کہنے والے کا سلام سنتے ہیں۔''

اور شہداء کی حیات ''يُـرْزَقُوْنَ'' اور ''فَـرِحِيْـنَ'' کے قرینے سے برزخی و جسمانی حیات ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گزرا، اور پیغمبر تو اس سے بدرجہا بالاتر ہیں۔

کتبِ فقہ سے حوالہ جات:

''نور الایضاح'' جو فقہ کی مستند، محقق اور معتبر کتاب ہے اور علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، علامہ موصوفؒ اپنی اسی کتاب کے باب زیارۃ المدینہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ومما هو مقرر عند المحققين انه صلى الله عليه وسلم حيّ يرزق متمتع بجميع الملاذ والعبادات

غیر انہ احجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات۔" (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص:۴۰۵)

ترجمہ:... "جیسا کہ محققین کے ہاں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی قبر مبارک میں) زندہ ہیں، تمام عبادات وغیرہ سے نفع مند ہیں، مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مقامات پر پہنچنے کی وجہ سے ناقص و قاصروں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔"

اسی طرح "فتح القدیر" (ج:۲ ص:۳۳۷ مطبوعہ مصطفیٰ محمد مصر) مقصدِ ثالث زیارت قبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے صاف واضح ہے کہ حضرت ابن الہمام الحنفی (المتوفی ۸۶۱ھ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ بابرکات حسّی، جسمانی، برزخی کے قائل ہیں، اس لئے کہ آپؒ فرماتے ہیں کہ:

"..... محاذیًا لرأس النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووجھہ الکرام ملاحظًا نظرہ السعید الیک۔"

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص:۴۰۶)

ترجمہ:... "زیارت کرنے والا پائے مبارک کی جانب سے آئے تاکہ زیارت کرنے والا حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ مبارک کی آنکھ سے آئے۔"

فصلِ خامس:

کتبِ تصوف سے حوالہ جات:

کتاب "الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر" للامام العارف الربانی

سیّدی عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ، ج:۱ ص:۱۳۲ میں ہے:

”ان الأنبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لا تبلی اجسادهم ولا تتغیر صورهم وهم فی قبورهم یصلون کما جاءت به الأحادیث.“

ترجمہ:... ”بے شک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسم قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتے، ان کی صورتیں متغیر نہیں ہوتیں اور وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، جیسا کہ احادیث میں آگیا ہے۔“

اور اسی کتاب کی ج:۱ ص:۱۳۳ میں ہے:

”(فان قلت) فهل یصدق من ادعی رؤیة النبی صلی الله علیه وسلم فی الیقظة الآن (فالجواب) نعم یصدق.“

ترجمہ:... ”پس اگر تو کہے کہ جو شخص بیداری کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُؤیت کا دعویٰ کرے، کیا اس کی تصدیق کی جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: جی ہاں! اس کے دعوے کی تصدیق کی جائے گی۔“

چونکہ انبیاء علیہم السلام کی بیداری میں رُؤیت ہوسکتی ہے، اسی میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ”تنویر الحلک فی رُؤیۃ النبی والملک“ تصنیف فرمائی ہے، اور اس میں صحابہ کرام، اولیاء اور علماء سے بہت نقول ارشاد کی ہیں جس میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ کے ساتھ بیداری میں مجتمع ہونا بیان کیا ہے۔

اب بندہ گناہگار خود کتاب ”تنویر الحوالک فی رُؤیۃ النبی والملک“ سے چند

چیزیں پیش کرتا ہے، اس کتاب کے صفحہ:۱۱ میں ہے:

''امام غزالی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ اربابِ قلوب اپنی بیداری میں ملائکہ اور ارواحِ انبیاء علیہم السلام کو دیکھتے ہیں اور ان کی آواز سنتے ہیں، اور ان سے فائدے حاصل کرتے ہیں، پھر اس حال سے بھی جو کہ مشاہدہ صورتوں اور امثال کا ہے، ترقی کر جاتا ہے، جس کا بیان مشکل ہے۔''

امام ابنِ ابی شیبہؒ نے اپنی مسند میں اور حافظ ابونعیمؒ نے حلیہ میں حضرت ربعی بن حراشؒ سے روایت کی ہے کہ:

''کنا اربع اخوة، وكان الربيع اخونا اكثرنا صلٰوة واكثرنا صيامًا في الهواجر، وانه توفي فبينا نحو حوله، وقد بعثنا من يبتاع لنا كفنا، اذ كشف الثوب عن وجهه فقال: السلام عليكم، فقال القوم: وعليكم السلام يا اخا بني عبس، أبعد الموت؟ قال: نعم! اني لقيت ربي عز وجل بعدكم فلقيت ربًّا غير غضبان واستقبلني بروح وريحان واستبرق، الا وان أبا القاسم صلى الله عليه وسلم ينظر الصلٰوة على فعجلوني ولا تؤخروني .... فنمي الحديث الٰى عائشة رضي الله عنها فقالت: اما اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يتكلم رجل من امتي بعد الموت ..... هٰذا حديث مشهور .....'' (حلیۃ الاولیاء ج:۴ ص:۳۶۷، ۳۶۸)

ترجمہ:... ''ہم چار بھائی تھے، اور ہمارا بھائی ربیع بہت

نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا تھا، وہ فوت ہوگیا، ہم اس کے اردگرد بیٹھے ہیں اور وہ کپڑے سے ڈھانپا ہوا ہے، ناگہاں اس نے اپنے منہ سے کپڑا اُتارا اور کہا: السلام علیکم! ہم نے کہا: وعلیکم السلام! کیا بعد موت کے؟ کہا: ہاں! اپنے رَبّ کو ملا تمہارے بعد، پس پایا میں نے رُوح و ریحان اور رَبّ کو مہربان، اور پہنائے مجھ کو کپڑے سبز ریشم کے پتلے اور گاڑھے (اور پایا میں نے معاملے کو آسان اس سے جو تم گمان کرتے تھے، اور اس پر سہارا نہ کرو، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی تاکہ تم کو خوشخبری دوں)، مجھے جلدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ، وہ انتظار کرتے ہیں نماز کی مجھ پر .....الخ۔

یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی، انہوں نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، آپ نے فرمایا: میری اُمت سے ایک جوان مرنے کے بعد بات کرے گا.....ابونعیمؒ نے کہا کہ: یہ حدیث مشہور ہے۔''

اور امام بیہقیؒ دلائل میں اس حدیث کو لائے، اور کہا کہ: اس کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ (دلائل النبوۃ ج:۶ ص:۴۵۴)

اسی طرح اس کتاب کے ص:۲۳ میں ہے کہ صحابہؓ وتابعینؒ میں سے موت کے بعد کلام کرنے والے کثیر ہیں، جو شمار میں نہیں آسکتے۔

عوارف المعارف میں شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ سے حکایت کرتے ہیں کہ:

''وہ فرماتے تھے کہ: میں نے کوئی نکاح اس وقت تک

نہیں کیا جب تک کہ مجھے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: شادی کرلے!“

اور ص:۲۶ میں شیخ خلیفہ بن موسیٰ النہرملکی کے متعلق کہا کہ:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے دیکھنے والے ایسے تھے، جو جاگتے اور نیند میں بھی، آپ کی زیارت کرتے تھے اور اکثر اُمور آپؐ سے حکم پاکر کرتے، تاآنکہ ایک رات میں ان کو سترہ بار زیارت ہوئی۔“

اور ص:۷۳،۸۴ میں لکھا ہے کہ:

”حاصل مجموعہ نقول اور احادیث کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسمِ اطہر اور رُوح کے ساتھ زندہ ہیں .... اسی صورت (مقدس) کے ساتھ جو وفات سے پہلے تھی، اس سے کچھ تبدل نہیں ہوا، ہاں آنکھوں سے غائب ہیں، جیسا کہ فرشتے غائب ہیں، اور زندہ ہیں اپنے جسم کے ساتھ، پس جب اللہ تعالیٰ کسی کو زیارت کرانے کا ارادہ کرتے ہیں، تو اس کو اس شکل وصورت میں دِکھادیتے ہیں جیسے کہ پہلے تھے، اس سے کوئی مانع نہیں، اور نہ اس کے کہنے کی ضرورت ہے کہ مثال میں دِکھاتے ہیں۔“ (انتہیٰ ملخصاً)

فائدہ:... مضمونِ سابق سے معلوم ہوگیا کہ فرشتگان اور انبیاء علیہم السلام بیداری میں بھی نظر میں آسکتے ہیں، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام، دحیہ کلبیؓ کی شکل میں، اور جنگِ بدر واُحد میں دُوسرے فرشتے بھی بعض صحابہ کرامؓ کو نظر آئے، کما ھو مصرّح فی الاحادیث، اور پیغمبر علیہم السلام بھی نظر آسکتے ہیں، کما نقل کثیرًا فی

تنویر الحوالک فانظر ثمہ۔

پس بعض کا یہ کہنا کہ ہم کو صحابہ کرامؓ و تابعینؒ میں سے کسی سے نہیں پہنچا کہ وفات کے بعد بیداری میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے ہوں، غلط ہے، وہ لوگ حدیث: ''مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ'' کی تأویل کرتے ہیں، اس کا جواب تنویر مذکور صفحہ:۱۵ میں یہ دیا گیا ہے کہ بعد از وفات، بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا انکار کرنے والا دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ کراماتِ اولیاء کی تصدیق کرتا ہوگا یا انکار کرتا ہوگا، جو کراماتِ اولیاء کی تصدیق نہیں کرتا، اس کے ساتھ ہماری بحث نہیں، کیونکہ وہ شخص سنت اور دلائلِ واضحہ سے ثابت شدہ اُمور کا منکر ہے، البتہ جو شخص اس کی تصدیق کرتا ہے، اس پر مخفی نہیں کہ یہ بھی خرقِ عادت ہے، اور اولیاء اللہ کو خرقِ عادت کے عالمِ علوی و سفلی کی چیزیں منکشف ہوجاتی ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ:

> ''.... وقد کان یسلم علی حتی اکتویت فترکت ثم ترکت الکی فعاد.'' (صحیح مسلم ج:۱ ص:۴۰۲)

حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ عنہ کو فرشتے سلام کرتے تھے اور وہ سنتے تھے، جب داغ دے دیا، تو سلام ہونا بند ہوگیا، پھر داغ دینا چھوڑ دیا، تو پھر سلام سننے لگے۔

> ''ومعنی الحدیث: ان عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ کانت بہ بواسیر فکان یصبر علی ألمها وکانت الملائکۃ تسلم علیہ فاکتوی فانقطع سلامهم علیہ ثم ترک الکی فعاد سلامهم علیہ.''
>
> ترجمہ:... ''اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بواسیر کا مرض تھا، وہ بواسیر کی تکلیف پر

صبر کرتے تھے تو ملائکہ ان کو سلام کیا کرتے تھے، جب انہوں نے بواسیر کی تکلیف کے ازالے کے لئے داغ لگوایا تو ملائکہ کا سلام کرنا بند ہوگیا، انہوں نے داغ لگوانا چھوڑ دیا تو دوبارہ ملائکہ کا سلام شروع ہوگیا۔‘‘

جاننا چاہئے کہ قبر کے اَحوال اُمورِ آخرت سے ہیں، پس ضروری ہے کہ دُنیا والوں سے وہ کامل ولی شخص اس کو پاسکتا ہے جس کو آخرت کے اَحوال منکشف ہوتے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا، نماز جسم مع رُوح سے ہوتی ہے نہ کہ محض رُوح سے۔

اِشکال:... بعض کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ ان کی رُوح کی وہی مثال دِکھاتا ہے جو دُنیا میں نماز اور حج کیا کرتے تھے، یعنی جاگتے میں دِکھا دیتا ہے، گویا کہ ان کا سابق زمانہ متمثل ہوکر سامنے آجاتا ہے۔

جواب:... جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی (کذا فی المشکوٰۃ ص:۵۳۰) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تخفیفِ نماز کے لئے واپس لوٹاتے رہے، کیا یہ بھی رُوح و جسم سابق ممثل تھا؟ نہیں، نہیں! بلکہ وہی جسمِ اطہرِ موسوی مع رُوح کے (علیہ السلام) موجود تھا، اور نماز میں بھی تمام انبیاء علیہم السلام جسم مع رُوح کے مقتدی ہوئے تھے، نہ کہ محض ارواحِ انبیاء آئی تھیں اور جسمِ اطہر قبروں میں تھے۔

اِشکال:... اسی طرح بعض کا یہ فرمانا کہ قبروں میں بھی ہیں اور حج بھی کرتے ہیں، کیا قبر خالی رہتی ہے؟ کیا زیارت کرنے والا خالی قبر کی مٹی کو دیکھ کر آتا ہے، اور ایک وقت میں قبروں میں بھی ہوں؟ آسمانوں پر بھی ہوں؟ اور اطرافِ زمین میں بھی

ہوں؟ لہٰذا صالحین کی یہ حکایات مثالی ہیں یا من گھڑت ہیں، جیسا کہ توثیق حری الایمان اور بہجۃ النفوس وروض الریاحین وغیرہ میں ایسی چیزیں ہیں۔

الجواب:... ''تنویر الحوالک'' ص:۸۸ میں ہے کہ: بعض حضرات نے بعض علماء سے سوال کیا کہ: اطرافِ بعید میں ہزاروں دیکھنے والے ایک ہی وجودِ مسعود کو ہر جگہ نیند یا جاگتے میں کیسے دیکھتے ہیں؟ تو جواب میں یہ شعر پڑھا:

کالشمس فی کبد السماء وضوئها

تغشی البلاد مشارقًا ومغاربًا

یعنی جیسے سورج آسمان میں ہے، اور اس کی روشنی مشرق ومغرب کو ڈھانپ لیتی ہے۔

نیز برزخ دارِ آخرت سے ہے، اور دارِ آخرت کے اَحکام دُنیا کے اَحکام سے جدا ہیں، وہاں کی وسعت کا علم علیحدہ ہے، چنانچہ دُنیا کے اجسام غذا، پانی اور اس کے متعلقات کے بغیر باقی نہیں رہ سکتے، مگر آخرت اور آسمان سے اُوپر کے اجسام کا معاملہ جدا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں، اور دُنیوی غذا سے پاک ہیں، ایسے ہی رُوح علّیین وسجین میں ہوتی ہے اور اس کا تعلق قبر سے بھی ہوتا ہے، لہٰذا اُمورِ آخرت کو دُنیا کے معاملات وحالات پر قیاس کرکے اعتراض کرنا دُرست نہیں۔ اس لئے کہ شہید کو حساً وعقلاً مردہ دیکھتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اس کو زندہ، رزق کھاتا پاکر خوش ہونے والا ہے، اور یہ بھی فرماتا ہے کہ شہید کو مردہ گمان بھی نہ کرو، اور فرماتا ہے: ''بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ'' یعنی مؤمنین کو خطاب ہے کہ تم اس کی زندگی کو حس اور مشاہدہ سے نہیں جان سکتے، پس اس سے شہید دُوسرے مردگان سے متمیّز ہوتا ہے۔

فائدہ:... شہداء اور انبیاء علیہم السلام کی حیات میں یہ فرق ہے کہ شہید اَحکامِ آخرت میں زندہ ہے، اور دُنیا کے اَحکام میں مردہ ہے، تاآنکہ اس کا مال تقسیم

ہوتا ہے، اس کی بیوی عدّت بیٹھتی ہے اور عدّت کے بعد دُوسرا نکاح کرتی ہے۔ (کذا فی سراج الوہاج والنہایۃ) جبکہ انبیاء علیہم السلام کی حیات دُنیوی اَحکام میں بھی ہے، چنانچہ ان کی ازواجِ مطہراتؓ پر عدت نہیں، وہ نکاح نہیں کرسکتیں، ان کا مال تقسیم نہیں ہوتا، اور ان کی جنازے کی نماز دوسروں جیسی نہیں پڑھی جاتی، وغیر ذالک۔

فائدہ:... حدیث: ''مَرَرْتُ لَيْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ بِمُوْسٰی وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ'' یعنی میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام پر گزرا، تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھتے تھے۔

اِشکال:... ابنِ حبانؒ نے کہا ہے کہ: یہ حدیث ضعیف ہے، جبکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اس حدیث کے شواہد ہیں، لہٰذا حدیث حسن ہے، کذا ذکر المناوی۔

جواب:... اگر یہ حدیث ضعیف ہے یا حسن ہے، تو وہ حدیث جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے:

''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد رأيتنى فى الحجر وقريش تسألنى عن مسراى فسألتنى عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه الله أنظر اليه ما يسألونى عن شىء الا أنبأتهم به وقد رأيتنى فى جماعة من الأنبياء فاذا موسٰى عليه السلام قائم يصلى واذا عيسى بن مريم عليه السلام قائم يصلى .... واذا ابراهيم عليه السلام قائم يصلى .... فحانت الصلٰوة فأممتهم.....''

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۹۶)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش معراج کے بعد بیت المقدس کے حالات اور

چیزیں پوچھنے لگے، مگر وہ یاد نہ تھیں، تو سخت غم میں پڑا، اس پر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو مجھ پر ظاہر کردیا، لہٰذا جو پوچھتے جاتے تھے، بتلاتا رہا، اور میں نے اپنے آپ کو جماعتِ انبیاء علیہم السلام میں دیکھا، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے، اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے، اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے، پھر نماز کا وقت آگیا اور میں نے سب کی امامت کی۔ پس یہ حدیث تو ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے۔

اِشکال:... بعض علمائے کرام کو یہ وسوسہ ہوا ہے کہ فردِ واحد میں بیک وقت سب اُمور کا اجتماع انسانی حالت سے بعید ہے کہ ایک وقت میں بیت المقدس میں بھی ہوں، پھر آسمان میں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں، قبر میں بھی ہوں اور علّیّین میں بھی رہیں، جہاں امر ہو چلے جائیں اور روضۂ مبارک میں بھی ہوں؟

جواب:... اس کا جواب گزر چکا ہے کہ برزخ کو، رُوح کو، پھر رُوحِ مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے، اس میں تزاحم کا وسوسہ کرنا غلط ہے۔

اِشکال:... جب رُوح کو اتنی وسعت ہے، تو پھر دُور سے کسی حاجت روائی اور مشکل کشائی میں اُسے پکارنا، اور اس سے مدد مانگنا جائز ہوگا؟

جواب:... یاد رکھنا چاہئے کہ جو اُمور دلیلِ صحیح سے ثابت نہیں، منفی ہیں یا مسکوت علیہا ہیں، ان کو ثابت ماننا یا جو چیز کہ کبھی کبھی ثابت ہے، ہر وقت نہیں، اس کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہ ہوگا، دُور سے کسی زندہ بزرگ کو یا قبر والے بزرگ کو حاجت روائی کے لئے یا مشکل کشائی کے لئے پکارنا شرعاً ثابت نہیں۔ ''رُوح المعانی'' نے آیت: ''وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' کی تفسیر میں اس کو منع فرمایا ہے، کیونکہ اگر پکارنا دُرست تھا، تو واقعہ کربلا وغیرہ میں کیوں نہ پکارا گیا؟ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی و رُوحانی حیات کا اعتقاد رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر ثابت

شدہ چیز کو قیاساً ثابت کیا جائے۔

یاد رکھنا چاہئے! کہ اس جگہ دو چیزیں ہیں، ایک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وفات حسرت آیات کے بعد کی زندگانی جسمانی و رُوحانی کا بطورِ کامل اکمل اعتقاد رکھنا، یا بقول فریقِ ثانی زندگی رُوحانی کامل تر کا یقین کرنا، فریقِ ثانی اپنے دعویٰ پر دلائل دیتا ہے اور مدعا کو ثابت کرتا ہے، جبکہ بندہ نے قولِ اوّل یعنی بعد وفات، حیاتِ جسمانی رُوحانی کوحتی الوسع ثابت کیا ہے:

''گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!''

دوم اینکہ حیاتِ جسمانی و رُوحانی ماننے کے بعد ہم لوگ ان کو دُور سے پکاریں، اور نفع و نقصان فوق الاسباب کا مالک مختار سمجھیں اور مدینہ منوّرہ حاضر ہوکر وہ چیزیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ممنوع ہیں یا شریعت سے منقول نہیں، نہ اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم سے صحیح طور مروی ہیں، نہ کسی قوی دلیل سے ثابت ہیں، نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے استنباطاً جائز رکھی ہیں، ہم ان کو جسمانی رُوحانی حیات کے اعتقاد پر قیاساً و اجتہاداً ثابت کریں اور چودھویں صدی کے مجتہد و بزرگ بن کر معاملہ کریں اور فتویٰ دیں، یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں...! ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے غضب میں آجائیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب میں آجائیں، نعوذ باللہ من غضبہٖ و غضب رسولہٖ!

حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ جب مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے، جوشِ محبت میں آکر بوسہ دینے کے ارادے سے کسی قدر جھک کر پھر سیدھے کھڑے ہوئے، کسی نے عرض کیا: ایسا کیوں کیا؟ تو فرمایا: ہم آئے ہیں راضی کرنے کے لئے، ایسا نہ ہو کہ شریعت کے خلاف کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کردیں!

(کذا فی ملفوظ خواجہ صاحبؒ حصہ چہارم)

خلافِ شریعت کسے راہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

ترجمہ:... ''جس شخص نے شریعت کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل پر نہیں پہنچے گا۔''

تنبیہ:... ہمارے اکابر و اسلافِ دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ، ہمارے مرشدینِ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُنیاوی وفات کے بعد قبرِ مبارک میں جسمانی رُوحانی حیات سے زندہ ہیں، جو اس زندگی سے بھی افضل و اکمل ہے جو دُنیا میں تھی۔ اس کے دلائل پیشِ خدمت کئے، بعض دلائل تمام طور پر مصرّح ہیں، اور بعض دلائل رُوحانی حیات کے زیادہ مؤید ہیں، چونکہ ہمارے متقدمین و متأخرین کا مسلک ہر دو رُوحانی و جسمانی حیات کا ہے، اس لئے وہ دلائل ہمارے خلاف نہیں، کیونکہ رُوحانی حیاتِ مبارک کے ہم بھی قائل ہیں، فافهم ولا تكن من القاصرين!

غرض ابتداء میں بھی یہی عرض کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ اپنے احباب کی فہمائش کے لئے مختصر طور پر لکھا گیا ہے، کسی کی تردید، تشنیع یا تعریض کے لئے نہیں، اگر کسی کی فکر اس کے موافق نہیں ہے، تو وہ اپنا مافی الضمیر اپنے احباب کے لئے شائع کردے۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰة والسلام علیٰ خیر خلقه محمد وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین، من الصلوٰة والسلام افضلهما واکملهما، سبحانک اللّٰهم وبحمدک اشهد ان لا الٰه الّا انت استغفرک واتوب الیک، اللّٰهم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

۵؍جمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ

تصدیقات

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی تصدیق

باسمہٖ سبحانہ و تعالیٰ

حامدًا و مصلیًا، اما بعد!

عالمِ برزخ میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقیہ دُنیویہ بجسدہم العنصری کا مسئلہ اہلِ سنت والجماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے۔

ا:... حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حیات متفق علیہ است ہیچ کس رواداری خلافے نیست، حیاتِ جسمانی دُنیاوی حقیقی نہ حیاتِ معنوی رُوحانی۔ (اشعۃ اللمعات ج:۱ ص:۶۱۲)

۲:... نواب قطب الدین دہلویؒ فرماتے ہیں: یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دُنیا کی سی ہے، نہ حیاتِ معنوی رُوحانی، جیسا کہ شہداء کو ہے۔ (مظاہرِ حق ج:۱ ص:۴۴۵)

۳:... حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند جملہ اکابرِ دارالعلوم کا مسلک تحریر فرماتے ہیں: مسئلہ زیرِ بحث حیات النبی میں جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں، فتاویٰ، مقالات اور متوارث ذوق کا تعلق ہے، دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیاتِ دُنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے۔

(منقول از رسالہ الصدیق ج:۸ ص:۵ شمارہ:۳ بابت مارچ، ربیع الاوّل ۱۳۷۷ھ)

۴:... عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دام فیوضہم نے مسئلہ حیات النبیؐ میں رسالہ ''القول النقی'' تحریر فرما کر اہلِ سنت والجماعت پر احسان فرمایا، حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالے کو نافع اور مشعلِ صراطِ مستقیم بنائے، آمین!

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ
مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ملتان
۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ

حضرت مولانا مفتی محمود کی تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیًا ومسلمًا، اما بعد!

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام پر موت کا طاری ہونا قطعی ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں، ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ'' الآیۃ اور قولِ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ''قَدْ مَاتَ'' اس کے شاہدِ صدق ہیں، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت سے حیات زائل ہوجاتی ہے یا صرف مستور ہوجاتی ہے، یعنی موت بمعنی رافع الحیاۃ ہے یا بمعنی ساتر الحیاۃ؟ بانیٔ دار العلوم دیوبند حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اپنے رسالے ''آبِ حیات'' میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے صرف حیات مستور ہوئی ہے، زائل نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عامۃ المؤمنین کی موت سے ممتاز قرار دے کر وضاحت سے لکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دُنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے، اس میں انقطاع یا تبدل، تغیر جیسے حیاتِ دُنیوی کا حیاتِ برزخی ہوجانا واقع نہیں ہوا،

انتہیٰ۔ لیکن اکثر محققین کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت بمعنی رفع الحیاۃ طاری ہوئی۔ بہرحال حقیقتِ موت جو بھی ہو، علیٰ اختلاف القولین یہ اَمر مُسلَّم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہوئی، لیکن ساتھ ساتھ یہ اَمر بھی علمائے اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک مُسلَّم اور مجمع علیہ ہے کہ بحالتِ موجود یعنی عالمِ برزخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی حیات سے زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ مبارک کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ عنصری کے ساتھ ایسا قائم کردیا گیا ہے کہ اس دُنیاوی جسدِ اطہر کے ساتھ (جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے) تمام افعال وحرکات مثل سمع، بصر وبطش ومشی وکلام وغیرہا پر قادر ہیں۔ یہ عقیدہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر ساکن وصامت قبرِ مبارک میں صحیح و سلامت موجود ہے، اور اس سے افعال وحرکات کا صدور نہیں ہوتا، عقیدۂ فاسدہ ہے، اور تمام علمائے اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے اور علمائے دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے۔ حضرت العلامۃ العارف باللہ مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ العالی نے یہ رسالہ لکھ کر اہلِ حق کے اقوال کو اس ترتیب کے ساتھ جمع کردیا ہے کہ منصفین، طالبینِ حق کے لئے کافی و وافی ہے۔ میں نے رسالے کا مطالعہ کیا ہے، مجھے اس کے مندرجات سے اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالۂ ہٰذا کو قبول فرماکر عامۃ المؤمنین کے لئے ذریعۂ ہدایت اور حضرتِ موصوف کے لئے ذریعۂ ترقیٔ درجات گردانے!

احقر الافقر

ابوالفضل محمود عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء والتدریس بقاسم العلوم ملتان

۲۱/۶/۱۳۷۷ھ

''ہمارے اکابر و اسلافِ دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ، ہمارے مرشدین نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُنیاوی وفات کے بعد قبر مبارک میں جسمانی رُوحانی حیات سے زندہ ہیں، جو اس زندگی سے بھی افضل واکمل ہے جو دُنیا میں تھی۔''

شجرۂ طیبہ
یعنی
سرکارِ دو عالم کا شجرۂ نسب
قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، وَمَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ تَعَالٰی فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، شَھَادَۃً تَکُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَسِیْلَۃً وَلِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ کَفِیْلَۃً، اَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہئے کہ علم دو قسم پر ہے: ۱:...علمِ دراست اور ۲:...علمِ وراثت۔

۱:...علمِ دراست: وہ ہے کہ جب تک پڑھا یا سنا نہ جائے، اس کا علم آسکے اور نہ اس پر عمل ہوسکے۔

۲:...علمِ وراثت: وہ ہے کہ جب تک علمِ دراست پر عمل نہ ہوجائے، اس کا علم آسکے اور نہ اس کو پاسکے، چنانچہ آیتِ پاک ذیل سے یہی معلوم ہوتا ہے:

”وَلٰـکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔“ (آل عمران:۷۹)

ترجمہ:...”لیکن یوں کہو کہ تم اللہ والے ہوجاؤ، جیسے

کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اسے۔"

تفسیر خازن میں اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے:

"والربانی العالم الذی یعمل بعلمہ." (خازن)

اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تعلیم وتدریس کا فائدہ یہ ہے کہ علم پر عامل ہوجائے، اور علم کے بعد عمل ہوا کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ .... الخ." (آل عمران:۱٦۴)

ترجمہ:...."بے شک اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اُن کی، اور سنوارتا ہے ان کو، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات۔" (موضح القرآن)

"یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ" سے علمِ دراست مراد ہے، جو کہ تلاوت سے حاصل ہوجاتا ہے، اور "یُزَکِّیْھِمْ" سے مراد یہ ہے کہ تزکیہ کے بعد ان کو حقائق واحکامِ قرآن کی تعلیم دیتا ہے، جو کہ علمِ وراثت ہے۔ (مصباح الہدایت)

اس سے معلوم ہوا کہ علمِ دراست عمل کا مقدمہ ہے، اور عمل اس کا نتیجہ ہے، اور علم عمل کے سوا سقیم ہے، اور علم وعمل دونوں کا ملاپ علمِ وراثت کا ثمر لاتا ہے۔

عمل میں فتور، قصورِ ایمان سے پیدا ہوتا ہے، قوتِ عمل اور مقبولیت کا مدار، ورع، تقویٰ اور اِخلاص پر ہے، جیسا کہ آیتِ ذیل میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

"وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ" (البقرۃ:۲۸۲) چنانچہ تقویٰ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد

"یُعَلِّمُکُمْ" کو اس پر مرتب فرمایا۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے:

"ملاک الدین الورع" (کنز العمال ج:۳ ص:۴۳۰)

ترجمہ:... "دِین کا نچوڑ پرہیزگاری ہے۔"

ایسے ہی ایک دُوسری آیتِ پاک میں ہے: "اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ" (الزمر:۳) اسی علم کے وارث، انبیاء کے ورثاء ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"ان العلماء ورثة الأنبياء، ان الأنبياء لم يورثوا دينارًا ولا درهمًا، انما ورثوا العلم، فمن اخذ به اخذ بحظ وافر." (ترمذی ج:۲ ص:۹۷، ۹۸)

اسی علم کا اثر خشیت ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

"اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر:۲۸)

اور اسی پر رضا مرتب ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ، ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ." (البینہ:۸)

اور ایسے ہی عالم کی موت کی مصیبت کا نقصان پورا نہیں ہوسکتا، جیسا کہ الترغیب والترہیب میں ہے:

"موت العالم مصيبة لا تجبر وثلمة لا يسدُّ وهو نجم طمس موت قبيلة ايسر من موت عالم."

(الترغیب والترہیب ج:۱ ص:٦۰ بحوالہ ابوداؤد)

اور اسی الترغیب والترہیب میں یہ بھی ہے:

"ليس المراد به علم اكثر اهل الزمان المجرد عن العمل والاخلاص." (الترغیب والترہیب ج:۱ ص:۵۷)

اور ردّ وراثت موقوف ہے تصحیحِ نسب پر، اور نسب دو قسم پر منقسم ہوتا ہے:

ا:...نسبِ صوری جو کہ میراثِ ظاہری کا سبب ہے۔

۲:...نسبِ معنوی جو کہ میراث معنوی کا سبب ہے، اور اُبوّت و نبوّت ہر ایک قدیم سے چلی آتی ہے، جیسا کہ ابناء صوری، اپنے آباء صوری سے ظاہری مال، اسباب، درہم اور دینار کا ورثہ لیتے چلے آئے ہیں، اسی طرح ابناء معنوی اپنے معنوی آباء سے فیوضات و انوارات اور علوم لیتے چلے آئے ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: ''هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ'' (فاطر:۳۹)۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد: ''ان الأنبياء لم يرثوا دينارًا ولا درهمًا'' میں بھی اسی کا تذکرہ ہے۔

انبیاء معنوی طور پر آباء ہیں، اور علمائے ربانی، صدیق، شہید اور صالحین معنوی طور پر ان کی اولاد اور اخلاف ہیں۔ عالمِ معنی میں تمام ذی کمال نوع انسان کے جدِاعلیٰ و مورثِ اوّل حبیبِ خدا، افضل البشر، خاتم الرسل، خیر الخلق علیہ وعلیٰ آلہٖ واتباعہ الصلوٰۃ والسلام دائماً ابداً، ہیں، جیسا کہ عالمِ صورت میں تمام نوعِ انسان کے والد بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

''عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قالوا: يا رسول الله! متی وجبت لک النبوّة؟ قال: وآدم بين الروح والجسد.'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۰۲)

اور ارشادِ الٰہی: ''وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ .... الخ.'' (البقرۃ:۳۰)

لہٰذا جیسے نسبِ معنوی کے اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام اور تمام مؤمنین حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابناء و اخلاف ہیں، اس لئے کہ کل تقی ونقی فهو الی، ایسے ہی نسبِ ظاہری کے اعتبار

سے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور کے آباء واخوۃ کی مانند ہیں۔

معنوی نسب سے ورثہ معنوی کی تحصیل کے لئے کتبِ احادیث وتفسیر وغیرہ متداول ہیں، جن کی تعلیم وتدریس تمام ممالک میں شبانہ روز جاری ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم، فداہ رُوحی وجسمی کے صوری نسب نامے اگرچہ بہت سی کتب میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض مشہور ومعروف بھی ہیں، لیکن قدرے طویل ہیں، چونکہ ہمارے ملک میں اس سلسلے کی مختصر کتب نہیں پائی جاتیں، اس لئے جناب سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبِ صوری کی تشریح میں احادیثِ نبوی، اسلافِ کرام اور بعض اخلاف صلحاء کی کتب، مثلاً: ''سیرتِ رحمۃ للعالمین'' مصنفہ محمد سلیمان منصور پوری جج ریاست پٹیالہ، ''سیرت النبیؐ'' علامہ شبلی اور صواعقِ محرقہ سے نقل کر کے پیشِ خدمت کیا جاتا ہے، اُمید ہے کہ ذکرِ صالحین سے ناظرین ومؤلف پر رحمت نازل ہوگی، وما توفیقی الا باللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

الحمد للہ! کہ جب یہ عجالہ اِتمام کو پہنچا تو پہلی بار مولانا محمد نواز صاحب میریں ملہہ والے نے چھپوایا تھا، اب کی بار سیّد السادات صدر مدرّس مدرسہ سراج العلوم لودہراں ضلع ملتان سیّد بشیر احمد شاہ سلّمہٗ اللہ تعالیٰ ودام فیوضہ چھپوا رہے ہیں، جزاھم اللہ تعالیٰ خیرًا، مؤخر الذکر ممدوحِ موصوف نے اس میں سعیٔ بلیغ فرمائی ہے، خداوند عزّ اسمہٗ معاونین کے وجود پاک اور ان کے اسلاف واخلاف میں صدہا رحمت وبرکات نازل فرمائے، آمین!

اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین

شنیدم کہ در روز امید و بیم

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

تو نیزار بدی بینم اندر سخن
بخلق جہاں آفریں کارکن

خدا تعالیٰ اس پر بھی رحمت فرمائے، جو اس میں غلطی دیکھ کر اصلاح فرمائے، یا اطلاع بخشے، والسلام۔

محمد عبداللہ

ساکن بہلی و اسلام آباد شجاع آباد

ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۱	حضرت آدم علیہ السلام	۹۳۰	نوعِ بشر کے والدِ بزرگوار ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر خلافت کے لئے پیدا کیا ہے، جب ان کے گھر میں شیث علیہ السلام پیدا ہوئے، تو ان کی عمر ۱۳۰ سال تھی۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمین)
۲	حضرت شیث علیہ السلام	۹۱۲	
۳	آنوش	۹۰۵	
۴	قینان	۹۱۰	
۵	ملہل ایل	۸۹۵	
۶	یارو	۹۶۲	
۷	اخنوح یعنی حضرت ادریس علیہ السلام	۳۶۵	
۸	متوشائح	۹۶۹	
۹	لامک	۷۷۷	
۱۰	حضرت نوح علیہ السلام	۹۵۰	جب طوفانِ نوح آیا تو حضرت نوحؑ کی عمر چھ سو سال تھی، اسی سال کے دُوسرے مہینے کی ۱۷ تاریخ کو طوفان شروع ہوا، ۱۵۰ دن کے بعد پانی زمین سے کم ہونا شروع ہوا، اور ۶۰۱ سنہ عمرِ نوحی سے دُوسرے مہینے کی ۲۷ تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے زمین پر قدم رکھا، اور بعد طوفان ۳۵۰ سال زندہ رہے، کشتیٔ نوح کا طول ۳۰۰ ہاتھ، عرض ۵۰ ہاتھ اور بلندی ۳۰ ہاتھ تھی، اس کے تین طبقے تھے، اور ان کے تین فرزندوں کی نسل تمام دُنیا میں ہے: "وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ" سام، حام، یافث، اور چوتھے بیٹے یام کی نسل نہیں چلی، بلکہ عملِ غیرصالح کی وجہ سے طوفان میں غرق ہوا۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۱۱	سام	۶۰۲	**سام کی اولاد**(۱) عیلام، اسور، ارفک، لود، آرام ارفک ← سلح ← عیر ← فلج، یقطان آرام ← عو، حول، جتر، مس
۱۲	ارفکشاد	۴۳۸	
۱۳	عابر	۴۶۰	
۱۴	فالج	۲۳۹	المو داد، سلف، حصرمادت، اوج، بدورام، اوزال، دقلہ عوبل، ابی مابل، شبا، اوفر، خویلہ، یوآب
۱۵	رعو	۲۳۹	**حام کی اولاد** کوش، مصر، فوط، کنعان مصر ← لودی، عنامی، بہابی، لفتوحی، فتروسی، کسلوحی، کفتوری، فلستی
۱۶	سروج	۲۳۲	کوش ← سبا، حویلہ، سبتہ، زغمہ، سبتیکہ، نمرود زغمہ ← سبا، مرماواں، دوداں
۱۷	ناحور	۱۵۹	کنعان ← صمد، حنث، یلوسی، اموری، حسبر، حاشی، حوسی، عرقی، سینی، ارادی، صماری، حباقی
۱۸	تارہ/آزر	۲۰۵	**یافث کی اولاد** جمر، یاجوج، ماوی، یونان، توبل، مسک، تیراس جمر ← سکنار، ریفت، تحرمہ یونان ← ایسہ، ترسیس، رکتی، دودانی

(۱) سامی زبان کا وجود ایشیاء اور افریقہ میں پایا جاتا ہے، عربی زبان اور عبرانی زبان سامی زبانوں میں زیادہ شاندار اور خزائن علمی سے مالا مال ہیں، ان کو مُعلّم نخستین کہتے ہیں، یورپی مؤرخین نے اس کا نام ''سامویگ'' رکھ دیا ہے۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۱۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۷۵	کنیت ابو محمد اور ابو الانبیاء ہے، لقب عمود عالم اور آدمِ ثالث ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۷۵ سال کے تھے جب خدا تعالیٰ کے حکم سے اپنی جائے پیدائش اور باپ کے وطن سے نکل کر کنعان بن حام کے علاقہ میں اپنی زوجہ سری المعروف سارہ اور لوط علیہ السلام برادر زادہ کے ساتھ پہنچے، پھر مصر گئے، فرعون(۱) نے سیّدہ سری کو حسین سمجھ کر اپنے لئے لے لیا، اور خدا تعالیٰ کا قہر اس پر ظاہر ہوا، چنانچہ سیّدہ سری کو واپس کردیا، اور ان کی کرامت کو دیکھ کر سیّدہ ہاجرہ کو ساتھ کردیا، اوّل ان کا نام آجرہ تھا، یعنی اس مصیبت کا اَجر ہے، جب انہوں نے مکہ ہجرت کی کہ ان کی اولاد بیت اللہ الحرام کی آبادی کرے اور توحید کی منادی کرے، تب ان کا نام ہاجرہ ہوا، یہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا شاہِ مصر کی دُختر تھیں، بادشاہ نے حضرت کی عظمت دیکھ کر اپنی دُختر کو بطورِ خدمت کے ساتھ کر دیا، اور خود سیّدہ سری نے سیّدہ ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو فرزندِ نرینہ یعنی اسماعیل علیہ السلام عطا فرمایا، جب حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں، تو حضرت سارہ کی محبت ان سے جاتی رہی، اور پھر حقیر سمجھنے

(۱) مصر کے بادشاہ کا لقب فرعونؔ ہوتا تھا، جیسے شام کے بادشاہ کا لقب قیصرؔ اور ایران کے بادشاہ کا لقب کسریٰؔ تھا۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
			لگیں، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام وحیٔ ربانی سے سیّدہ ہاجرہ کو بیابانِ مکہ میں چھوڑ آئے، جب پانی ختم ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام قریب المرگ ہوگئے، اس وقت خدائے تعالیٰ کا فرشتہ ظاہر ہوا، اس نے آپ کی نسل کی کثرت اور عظمت کی بشارت دی، اور پھر ان کے لئے کنواں زمزم بھی ظاہر ہوا، یہ سیّدہ، شاہِ مصر کی دُختر، محدثہ ملائک، زوجۂ ابراہیم علیہ السلام، والدۂ اسماعیل علیہ السلام، بانیہ مکہ شریف اور جدۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ سال کی ہوئی، تو آپ کو حکم ہوا کہ ہر ایک بچے کا جب وہ آٹھ دن کا ہو، ختنہ کریں، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت تیرہ سال کے تھے اور ختنہ ہوا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جرار میں رہائش اختیار کی، ملک آبی نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر قبضہ کیا، پھر آگاہ ہوکر واپس کردیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزّت کی، پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۰۰ سال کے ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، ان کی شادی ربقہ بنت مینوایل بن نخور برادر حقیقی حضرت ابراہیم سے ہوئی، یہ دونوں بھائی اسماعیل و اسحاق علیہما السلام اکثر ایک ہی جگہ رہ کر رنج و راحت میں شریک رہا کرتے تھے، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ان کو

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
			دونوں بھائیوں نے دفن کیا، اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی سکونت شام میں تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سکونت عرب میں تھی۔ (سیرت النبیؐ، علامہ شبلی ج:۱ ص:۹۴، سیرتِ رحمۃ للعالمین ج:۱)
۲۰	حضرت اسماعیل علیہ السلام	۱۳۷	حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پہلوٹے بیٹے ہیں، جو سمیع اللہ کے ہم معنی ہیں، ۱۳ سال کے تھے کہ ان کی ختنہ ہوئی، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کا ختنہ بھی کیا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ مکرّمہ کی تعمیر کی، اس وقت ان کی شادی قبیلہ بنوجرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان قبطی ہے، اور پدری زبان عبرانی ہے، ان کی سسرال خالص عربی زبان کے مالک ہیں، ان ہی سے عربی زبان میں کمال پیدا کرلیا تھا، ان کی اولاد بارہ فرزند ہیں: نبیت، قیدار، اوبئیل، بسام، سمعا، دومہ مشا، حدر، تیمہ، وطور، نفیس، قدمہ یہ سب اپنی بستیوں کے رئیس ہوئے اور ان کی بستیوں کے نام ان کے اسماء پر ہیں، یہ سب کچھ سیرتِ رحمۃ للعالمین میں مذکور ہے، ان کے فرزند دوم قیدار سے نورِ نبوّت ظاہر ہوا، جیسے حضرت اسحاق علیہ السلام کے

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
			فرزند دوم حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ سلسلہ ظاہر ہوا۔ (رحمۃ للعالمین) اور ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے، نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹے بچے تھے، اور شریعتِ سابقہ میں پہلوٹے بچے یا جانور کی قربانی کا حکم تھا، اور پہلوٹہ بچہ ہی افضل سمجھا جاتا تھا، اور جو اولاد نذر کردی جاتی تھی، اس کو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا۔ (کذا فی التوراۃ توراتینہ ا صحاح۱۰ آیت:۸، ۹) اس لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ترکہ نہیں ملا، سب کا سب حضرت اسحاق علیہ السلام کو دیا گیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہؒ کو صرف پانی کی ایک مشک دے کر رخصت کیا۔ (وغیر ذالک من الدلائل المذکورۃ فی سیرت النبی علامہ شبلی) تنبیہ:... اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، عدنان سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اگر صرف نو، دس پشتیں ہوں تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ اَمر تاریخی شہادتوں کے بالکل خلاف ہے، علامہ سہیلی ''روض الانف'' میں لکھتے ہیں: ''ویستحیل فی العادۃ ان یکون بینھما اربعۃ او سبعۃ کما ذکر ابن اسحاق، أو عشرۃ أو عشرون فان

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
			المدة أطول من ذٰلک کله." (اور یہ عادۃً محال ہے کہ دونوں میں ۴ یا ۷ پشتوں کا فاصلہ ہو، جیسا کہ ابنِ اسحاق نے ذکر کیا، یا ۱۰، ۲۰ پشتیں ہوں، کیونکہ زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے)۔ علامہ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک ۴۰ پشتوں کا فاصلہ ہے، اس غلطی نے بعض عیسائیوں کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ وہ سرے سے اس بات کے منکر ہوگئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ ابراہیم علیہ السلام سے ہیں، لیکن ایک طرف سرولیم میور صاحب کا تنہا شبہ ہے، دُوسری طرف بیسیوں یورپین اور یہودی موٴرخین ہیں، جو نہ صرف خاندانِ قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہیں، (دیکھو: فارسٹر صاحب کا جغرافیہ تاریخی عرب) علامہ طبریؒ نے تاریخِ طبری مطبوعہ یورپ صفحہ:۱۱۱۵ میں یہی تحقیق فرمائی ہے، اور سیرتِ رحمۃ للعالمین میں بھی یہی ہے۔
۲۱	قیدار یا قیذر		
۲۲	عرّام		
۲۳	عوص		لقب ثمر اور صفی
۲۴	مزی		لقب ہرمز
۲۵	سمی یا شمی		لقب المختر
۲۶	زارح		لقب قمیر

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۲۷	ناحث		
۲۸	مقصر یا مقصی		لقب حسین اور نزال
۲۹	ایہام یا ابہام		لقب دوس القتق یا اجمل الخلق
۳۰	اقتاد		لقب ایاہمہ
۳۱	عیصر		لقب یندوان ذوالاندیہ، اسی کے عہد میں نبیت اور جادان فرزندان قادرو میں باہم جنگ ہوئی۔
۳۲	دیشان		لقب الزاعیہ
۳۳	عیفی		لقب عاقر
۳۴	ارعوی		لقب وعدع
۳۵	یلحن		لقب عنود
۳۶	یحزن یا نحزن		لقب تسور
۳۷	یثربی		لقب طمح اور یثر
۳۸	سنبر		لقب بشمین اور مطعم فی المحل، کیونکہ اس کے محل میں ہر شخص کے لئے کھانا تیار رہتا تھا۔
۳۹	حمران		لقب اسماعیل ذوالاعوج، اعوج اس کے گھوڑے کا نام تھا، اب اعوجیہ نسل اسپاں اس کی طرف منسوب ہے۔
۴۰	الدعا		لقب تیرن الطعان، یہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ میں نیزہ کا استعمال کیا۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۴۱	عبید		لقب اسماعیل ذوالمطابخ، یہ نام اس لئے ہے کہ مسافروں کے لئے سارے ملک میں ضیافت خانے مقرر تھے۔
۴۲	عبقر		لقب ابراہیم جامع الشمل، اس لئے کہ اس کے عہد میں امن کامل اور راستے بے خطر جاری تھے۔
۴۳	عیفی		لقب عافی اور عبقر ابوالجن، جنت عبقر اسی کی جانب منسوب ہے۔
۴۴	ماخی		لقب الطریب خاطم النار
۴۵	ناحش		لقب الشحدود
۴۶	جاحم		لقب علة
۴۷	طابخ		لقب عیقان
۴۸	یدلاف یا تدلاف		لقب رائمہ
۴۹	بلداس		لقب متحمل
۵۰	حزا		لقب ہوالعوام
۵۱	ناشد		لقب محلم ذوالعین
۵۲	عوام		لقب قموال اور بریح الناحب، یہ سلیمان کے زمانہ میں تھا۔
۵۳	ابیؔ		لقب سعد رجب، رسم رجبیہ اسی نے نکالی ہے۔
۵۴	قموال		لقب یوز اور عشر الغناء
۵۵	بوز		لقب ثعلبہ، قبیلہ ثعلبہ اسی کی جانب منسوب ہے۔
۵۶	عوص		لقب منجر اور نبیت
۵۷	سلامان		لقب ہمیدع اور شاحب
۵۸	ہمیسع		

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۵۹	ادو		
۶۰	عدنان		عدنان معد — عک نزار — قنص (اولاد قنصی کہلاتی ہے) مضر — ایاد — ربیعہ — انمار
۶۱	معد		
۶۲	نزار [1]		کنیت ابوایاد ہے۔
۶۳	مضر		مضر الحمرا کے نام سے مشہور ہیں۔

(۱) نزار نے وفات سے پہلے مضر کو سرخ اُونٹ اور سرخ خیمے، ربیعہ کو گھوڑے اور سلاح، ایاد کو بھیڑ بکری اور انمار کو حمار تقسیم کر دیئے تھے، مضر اور ربیعہ کی اولاد وسطِ عرب میں ہے، انمار کی اولاد نجد اور اطرافِ حجاز میں، ایاد کی اولاد تغورد کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔ اُونٹوں کی حدی مضر کی ایجاد ہے، چونکہ اس کے باپ نے سرخ اُونٹ اور سرخ خیمے اسے دیئے تھے، اس لئے اس کو تاریخ میں مضر الحمرا کہتے ہیں، مضر دینِ حنیف پر تھا، اور ایاد کی والدہ سودہ بنت عک ہے، اور ربیعہ و انمار کی والدہ شدالہ بنت وعلان جرہمی ہے۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)

فائدہ:... بخت نصر نے پہلے حملہ عرب میں حضرت ارمیاہ (یرمیاہ) حضرت برخیا کے اشارے سے قبیلہ عدنان کو چھوڑ کر باقی قبائل پر حملہ کیا، اور ان کو وادی فرات میں لے جا کر آباد کیا، انہوں نے سلطنت انبار قائم کی، جب اُس نے عرب پر دُوسرا حملہ کیا تو بنوعدنان یمن چلے گئے، حضرت معد کو حضرت ارمیا اپنے ساتھ شام لے گئے، جب بخت نصر کی سلطنت چلی گئی، تو شام سے واپس آ کر بنوجرہم کے خاندان میں حضرت معد کی شادی ہوئی، فاضل عیسائیوں کی تحقیق میں حضرت ارمیا کا زمانہ ۵۸۸ قبل مسیح ہے، اس حساب سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عدنان کے درمیان ۱۱۵۸ سال کا فاصلہ ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عدنان تک ۲۱ پشتیں ہیں، پس ہر ایک پشت کی اوسط عمر ۵۵ سال نکلی۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۶۴	الیاس		کنیت ابوعمرو اور لقب کبیر قوم تھا۔ الیاس مدرکہ — طابخہ — قیس عیلان طابخہ عد مر تمیم (ان کی اولاد بنو تمیم کہلاتی ہے) قیس عیلان سعد — حصفہ غطفان — عکرمہ منصور اشجع — رائس بعیض ذبیان (ان کی اولاد بنو ذبیان کہلاتی ہے) فراز (بنو فرازہ اس کے نسب سے ہیں) ہوازن — سلیم (ان کی اولاد بنو ہوازن کہلائی) (ان کی اولاد بنو سلیم کہلائی) بکر — ثقیف (ان کی اولاد بنو ثقیف کہلائی) سعد (اس سے بنو سعد ہیں، نبی ﷺ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کا نسب اس سے ہے)
۶۵	مدرکہ		ان کا نام عمرو تھا، کنیت ابو ہذیل، خطاب اصل نام پر غالب آیا۔ مدرکہ خزیمہ — ہذیل ہذیل کی اولاد بنو ہذلی کہلائی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صاحب النعلین والوسادہ ہذلی ہیں، ان کا نسب گیارہ واسطوں سے ہذیل تک پہنچ جاتا ہے۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
٦٦	خزیمہ		خزیمہ کنانہ — ہون — اسد ہون: قارہ قارہ: دیش — عضل (اولاد دیشی اور عضلی کہلائی) اسد: حملہ — کاہل — عمر — دودان حملہ: اولاد حملی کہلائی کاہل: اولاد کاہلی کہلائی عمر: اولاد عمروی کہلائی دودان: اولاد دودانی کہلائی۔ اُمّ المؤمنین زینبؓ دودانی تھیں۔
٦٧	کنانہ		کنیت ابوالنضر ہے۔ کنانہ نضر — مالک — عبدمناۃ — عمر — احابیش — عامر نضر: اولاد بنونضر کہلائی مالک: اولاد بنوکنانہ کہلائی عمر: اولاد عمریون کہلائی احابیش: اولاد الاحابیش کہلائی عامر: اولاد عامریون کہلائی عبدمناۃ: خزیمہ یا مصطلق (اولاد بنومصطلق کہلائی)

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۶۸	نضر		نام قیس تھا، حسن و خوبی کی وجہ سے نضر کہتے ہیں، کنیت ابو یخلد ہے۔
۶۹	مالک		کنیت ابو الحارث ہے۔
۷۰	فہر الملقب بہ قریش		نضر ← مالک ← فہر یا قریش، حرث (اولاد مطیبین کہلائی)؛ فہر ← غالب، محارب (اولاد بنو محارب کہلائی)

فہر کے وقت حسان حاکمِ یمن نے ایک فوج لے کر مکہ معظّمہ پر اس غرض سے حملہ کیا کہ اس کا اسباب یمن میں لے جائے، اور وہاں کعبہ تعمیر کرے، فہر نے معہ برادران فوج سے مقابلہ کیا اور شکست دی، اور حسان کو تین سال قید رکھ کر آزاد کیا، یمن کو جارہا تھا کہ راستے میں مرگیا، اس فتح سے فہر کی عظمت بڑھ گئی، اس فہر کا لقب قریش ہے، قریش لغت میں وہیل مچھلی کو کہتے ہیں، جو سمندر میں بڑا جانور ہے۔ فہر اور اولادِ فہر کو اس لئے قریش کہتے ہیں کہ وہ عرب میں جملہ قبائل سے طاقت ور اور عظیم الشان قبیلہ تھا۔ (رحمۃ للعالمین)

بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے نضر کو ملا، حافظ عراقی سیرتِ منظوم میں لکھتے ہیں: "اما قریش فالاصح فھر، جماعھا والاکثرون النضر." (سیرت شبلی ملخصاً)

امام سہیلی کی تحقیق ہے کہ یہ (فہر) قبیلہ کا نام ہے، جس طرح قبائلِ عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے، مثلاً: اسد، نمر وغیرہ۔ مورخینِ یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے، اور انہی جانوروں کے نام سے مشہور ہوجاتے تھے، لیکن عربی تاریخوں میں اس کا پتا نہیں چلتا۔ (حاشیہ سیرت شبلی)

نمبرشمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۷۱	غالب		غالب لویؒ — تیم تیم: اس کی اولاد بنوتیم یا بنوالادرم کہلائی
۷۲	لویؒ		لویؒ کعب — عوف — عامر — حرث عوف: اولاد بنوعوف عامر: اولاد بنوعامر حرث: اولاد بنوحرث
۷۳	کعب[1]		کعب مرہ — ہصیص — سہم — جمع — عدی ہصیص: اولاد بنوہصیص سہم: اولاد بنوسہم جمع: اولاد بنوجمع عدی: اولاد بنوعدی عدی — جراح — رزاح جراح: امین الامۃ ابوعبیدہؓ کا نسب ان سے ہے رزاح: حضرت عمر فاروقؓ کا نسب ان سے ہے
۷۴	مرہ[2]		کنیت ابویقظہ مرہ کلاب — تیم — مخزوم کلاب: اولاد بنوکلاب تیم: اولاد بنوتیم مخزوم: اولاد بنومخزوم۔ حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ اسی شاخ سے ہیں۔

(۱) علوِشان و بلندیٔ جاہ کی وجہ سے کعب نام رکھا گیا، عرب میں ان کی پیدائش سے سنہ کا شمار ہوتا ہے، یہ سنہ واقعہ فیل تک تقریباً چار صدیوں تک جاری رہا، ان کی کنیت ابوہصیص ہے۔

(رحمۃ للعالمین)

(۲) چھٹی پشت میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے دادا ہیں۔

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۷۵	کلاب (۱)		
۷۶	قصی (۲)		

(۱) نام حکیم، اور کنیت ابوزہرہ تھی، شکاری کتے پالتے تھے، اسی لئے کلاب لقب ہوا۔

(۲) قصی بن کلاب نے نہایت عزّت و اقتدار حاصل کیا، اس زمانے میں حرم کے متولّی حلیل خزاعی تھے، قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبّی تھا، شادی کی تھی، اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کے سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہوگیا، قصی نے ایک دارالمشورہ قائم کیا، جس کا نام دارالندوۃ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہوکر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا کرتے۔ .... (باقی اگلے صفحے پر)

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)............. قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدّت تک یادگار رہے، مثلاً: سقایہ اور رفادہ جو خدامِ حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، اسی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی، اور کہا کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرّر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے، جن میں ایامِ حج میں پانی بھر دیا جاتا کہ حجاج کے کام آئے، مشعرِ حرام بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایامِ حج میں چراغ جلاتے تھے۔ چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی گئی ہے کہ قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اوّل انہی کو ملا، چنانچہ علامہ ابنِ عبدالبرؒ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا، اس لئے اس کو قریش کہتے ہیں، کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے ہیں، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

قصی لعمری کان یدی مجمعًا

بہ جمع اللہ القبائل من فهر

(سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی)

(۳) عثمان بن طلحہ کا نسب اس سے ملتا ہے، اسی خاندان میں کلید کعبہ چلی آتی ہے، عثمان کے فرزند کا نام شیبہ تھا، اس لئے یہ بنوشیبہ کہلاتے ہیں۔

(۴) سیرت شبلی نعمانی میں ایک اور بیٹے عبد بن قصی کا بھی تذکرہ ہے۔

غیر مسلم مورخین، قصی کی کامیابی کو بہت بڑھاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ: اسی نے حکومت کو جمہوریت کے اُصول پر قائم کیا، ان کا مطلب درپردہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو ان کے اُصول کی شرح بنادیں، لیکن یہ قصی ہنوز جمہوریت اور ایثار سے بہت دُور تھا، کیونکہ ایک فرزند عبدالدار کو بڑھاتے ہوئے دُوسرے فرزندوں کو اس کی غلامی کے لئے چھوڑا، اسی وجہ سے اس کی اولاد میں وہ مشہور مخالفتیں ہوئیں جو تاریخ میں مذکور ہیں۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمین)

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
۷۷	عبدمناف		

نام اہلیہ	پسران عبدمناف	دختران
۱: عاتکۃ الکبریٰ بنت مرہ بن ہلال	مطلب، ہاشم، عبدالشمس	غاضر، برہ، حنہ، ہالہ، قلابہ
۲: واقدہ بنت عامر بن عبد	نوفل، ابوعمرو، ابوعبیدہ	
۳: ثقیفہ		ریطہ

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
			اصل نام مغیرہ اور حسن و جمال کے سبب لقبِ اوّل قمر البطحاء تھا، ماں نے پہلے پہل مناۃ بت پر بھیجا (جسے مناف بھی کہتے ہیں) اسی لئے عرفِ عام میں عبدمناف مشہور ہوا، خداپرستی کی نصیحت فرمایا کرتے تھے، عبدمناف کا پہلوٹی بیٹا مطلب تھا، اس کی اولاد مطلبی کہلائی، حارث بن مطلب کے تین بیٹے صحابی ہیں: ۱:...عبیدہؓ ابوالحارث جو بدر میں شہید ہوئے، ۲:...طفیلؓ اور ۳:...حصینؓ کی وفات ۳۲ھ کو ہوئی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا نسب مطلب سے ملتا ہے۔
۷۸	ہاشم		ہاشم کا نام عمرو ہے، عمرو العلاء کے لقب سے مشہور تھے، اپنے باپ کے بعد قوم کے سردار تھے، ان کے برادر زادہ اُمیہ بن عبدشمس نے ان کی سرداری سے انکار کیا، منصف نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔ ایک بار مکہ معظّمہ میں طعام کمیاب تھا، جب شام سے قافلہ تجارت (کا سامان) لایا تو اُونٹوں پر آٹا اور روٹیاں لاد لائے، اور مکہ مکرمہ پہنچ کر دعوت کی اور

نمبر شمار	اسماء گرامی	عمر	حالات/تفصیل
			شوربے میں روٹیاں توڑ توڑ کر ڈال دی گئیں، ''ہشم'' ٹکڑے کرنے کو بھی کہتے ہیں، اس لئے ہاشم نام ہوا، اس ہاشم نے قیصر سے یہ فرمان حاصل کیا کہ قریش جب اس کے ملک میں تجارت کا اسباب لے کر جائیں تو ان سے ٹیکس نہ لیا جائے۔ اُمیہ کو اپنے چچا سے جو اِختلاف شروع میں ہوگیا تھا، وہ آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوا، چنانچہ ہاشم و مطلب کی اولاد ایک طرف اور نوفل و عبدشمس کی اولاد دُوسری طرف تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان کی اولاد سے عداوت جاتی رہی، عبدشمس کا بیٹا اُمیہ ہے جس کی اولاد بنواُمیہ کہلائی، حضرت عثمان ذُوالنورین رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے ہیں، نوفل کی اولاد نوفلیون کہلائی، جبیر بن مطعمؓ کا نسب ان سے ملتا ہے، انہوں نے بھی قیصر سے کھلی تجارت کا فرمان حاصل کرلیا تھا، ابوعمرو اور ابوعبیدہ کے حالات سے تاریخ ساکت ہے، حدیث میں کچھ پتا چلتا ہے۔ (سیرت رحمۃ للعالمین)

ہاشم

نام اہلیہ	پسران	دُختران
سلمٰی بنت عمرو بن زید نجاری	شیبہ یعنی عبدالمطلب	رقیہ بچپن میں فوت ہوئی
ہند بنت عمرو بن ثعلبہ الخزرجی	ابا صیفی	
قیلہ الملقب بہ جزور بنت عامر بن مالک بن جزعہ	اسد	
اُمیمہ بنت عدی بن عبداللہ بن دینار (من قضاعہ)	نضلہ	شفا
واقدہ بنت ابی عدی (از بنو مازن)		ضعیفہ، خالدہ
عدی بنت حبیب (از بنو ثقیف)		حنہ

۷۹: **عبدالمطلب** : نام عامر، لقبِ اوّل شیبہ اور ثانی عبدالمطلب، اور ان کو شیبۃ الحمد، فیاض اور معطم طیر السماء بھی کہتے ہیں، نیز سیّدِ قریش اور شریفِ قریش سے عام طور پر ملک میں نامزد تھے، عمر ۸۲ سال ہے۔

عبدالمطلب

نام اہلیہ	پسران	دُختران
صفیہ بنت جیندب بن جحیر بن زباب بن سواۃ (از نسلِ نضر)	حارث	
لبنٰی بنت ہاجر (از بطن خزاعہ)	ابولہب (عبدالعزیٰ)	
ہالہ بنت وسیب بن عبدمناف بن زہرہ	مقوم، حجل، مغیرہ، حمزہ	صفیہ
فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ	عبداللہ، زبیر، ابوطالب، عبدالکعبہ	ام حکیم، بیضاء، امیمہ، اروی، برہ، عاتکہ
نتیلہ بنت خباب بن کلیب (از نسل ربیعہ بن نزار)	ضرار، قثم، عباس	
منعمہ بنت عمرو بن مالک (از بطن خزاعہ)	غیداق، مصعب	
میزان زوجات: ۶	میزان پسران: ۱۵	میزان دُختران: ۷

بعض مورخین نے فرمایا ہے کہ غیداق اور حجل ایک ہے، اور عبدالکعبہ اور مقوم ایک ہے، اور قثم تھا ہی نہیں، تو اس طرح پسران بارہ ہوئے۔

عبدالمطلب کا نام عامر ہے، (اور سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی میں شیبہ کو جو کہ دراصل لقب ہے، نام کہا گیا، واللہ اعلم)۔ ''شیبہ'' کا ترجمہ بوڑھا ہے، نیک تفائل کے لئے لقب پڑھا گیا، جبکہ صحیح یہ ہے کہ پیدا ہوتے وقت ان کے چند بال سفید موجود تھے۔ جب ان کے والد ہاشم نے خاندان بنی نجار کی مسماۃ سلمٰی سے شادی کی اور شام کو چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا، مگر چونکہ سلمٰی کو حمل رہ گیا تھا، اور لڑکا پیدا ہوا، تقریباً آٹھ برس تک پرورِش پائی، اتنے میں ہاشم کا بھائی جن کا نام مطّلب تھا، یثرب سے جا کر اُنہیں لے آیا اور بیٹوں کی طرح ناز ونعم سے ان کی پرورِش کی، اس اِحسان مندی کی قبولیت و اظہار میں یہ بھی تمام عمر ''عبدالمطلب'' یعنی ''مطلب کے غلام'' کہلاتے رہے، مگر اصلی نام اور لقب پر آخری لقب غالب آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک ''محمدؐ'' (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے تجویز کیا تھا، اور آٹھ سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا شرف بھی انہیں نصیب ہوا، ان کے عہد میں واقعہ فیل کا ظہور ہوا، ان کی عام نصیحت یہ ہوتی تھی کہ ظلم اور بغاوت نہ کرو، اور مکارمِ اخلاق حاصل کرو، زمزم کا کنواں جسے عمرو بن حرث نے بند کر دیا تھا، اور مدّت سے کسی کو یاد بھی نہ تھا، اس کو عبدالمطلب نے دوبارہ نکالا، تو یہ چشمہ جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یادگار ہے، ویسے ہی عبدالمطلب صاحب کی بھی یادگار ہے، ان کا بیٹا حارث اپنے والد کی حیات ہی میں مر گیا تھا، مگر ان کے فرزند جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، چار ہیں، اور تمام کے تمام مسلمان ہیں۔ نوفلؓ جنگِ خندق یا فتحِ مکہ میں مسلمان ہوئے، ان کے تینوں فرزند: عبداللہؓ، مغیرہؓ اور حارثؓ بھی صحابی ہیں، مغیرہؓ نے ہی ابنِ ملجم کو گرفتار کیا تھا، اور سیّدہ امامہ بنتِ زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

نکاح بھی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے انتقال کے بعد ان ہی کے ساتھ ہوا، جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوئے۔

عبداللہؓ بن حارث اور ربیعہؓ بن حارث بھی مسلمان تھے، یہ ربیعہ وہی ہیں جن کے شیر خوار بچے کا خون بہا حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کیا تھا۔

ابوسفیان مغیرہؓ بن الحارث، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہیں، انہوں نے بھی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دُودھ پیا تھا، یہی جنگِ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان کے فرزند عبداللہؓ اور جعفرؓ دونوں صحابی تھے۔

ابوطالب کا نام عبدمناف ہے، مگر کنیت نام پر غالب آ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۰ نبوّت تک ناصر و فدائی رہے، ان کے چار فرزند تھے، طالب غیر مسلم تھے، عقیل، جعفر طیار اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اور دو دُختران اُمّ ہانی اور جمانہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہیں۔

نام عقیل، کنیت ابویزید ہے، صلحِ حدیبیہ سے قبل اسلام لائے، اور سلطنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے، انہی کے فرزند مسلم رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ کے نائب ہوکر کوفہ گئے تھے اور تین ذوالحجہ کو شہید ہوئے، انہی کے دو فرزند محمد، عبدالرحمٰن اور ایک پوتا عبداللہ بن مسلم کربلا میں شہید ہوئے۔

جعفر طیارؓ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی تھے، انہوں نے پہلے پہل حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور جملہ مہاجرینِ حبشہ کے سردار تھے، ان کے ہاتھ پر خوب اشاعتِ اسلام ہوئی، فتحِ خیبر ہی کے دن، خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقی ہوئے، اور جنگِ موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے، شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم کے اگلے حصے پر تلوار اور نیزے کے نوّے سے زیادہ زخم موجود تھے، دونوں بازو جڑ سے کٹ گئے تھے، ان کی تعریف بیان سے باہر ہے، ان کا شجرۂ اولاد یہ ہے:

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

ابوجعفر عبداللہ الجواد — عون — محمد الاکبر — محمد الاصغر — حمید — حسین — عبداللہ الاصغر

محمد الاکبر: عبداللہ — قاسم

ابوجعفر عبداللہ الجواد: بحر الجود تھے، ۸۰ھ میں بہ عمر ۹۰ سال فوت ہوئے، سیّدہ زینب کبریٰ بنتِ علیؑ ان کے نکاح میں تھیں، ان کے فرزند عدی کو ابن نہشل نے کربلا میں شہید کیا، اور عون اور محمد، تُستر میں شہید ہوئے۔

قاسم: حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ زینب بنتِ علی مرتضیٰؑ ان کے نکاح میں آئیں۔

ابوجعفر عبداللہ الجواد

حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فضائل و محاسن قلم میں نہیں آسکتے، مختصر عرض یہ ہے کہ شجاعت اور فصلِ قضایا میں بین الاماثل ممتاز تھے، سیّدہ فاطمہ زہرا سیّدۃ النساء رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حضرت اِمام حسن و حضرت اِمام حسین رضی اللہ عنہما کے والد بزرگوار ہیں، ابوالحسن کنیت ہے، اور ابوتراب بھی کنیت ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ ہے، اس پر نہایت شاداں ہوتے تھے، جمعہ ۱۷؍رمضان المبارک ۴۰ھ کو صبح کے وقت اشقی الناس ابنِ ملجم کے ہاتھ سے مسجدِ کوفہ میں زخمی ہوکر شہید ہوئے، حضرت اِمام حسن و حضرت اِمام حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر ازواج سے سولہ یا سترہ فرزند اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں، جن میں سے چھ فرزند والد کے سامنے گزر گئے، اور چھ کربلا میں شہید ہوئے، دُنیا میں ان پانچ بیٹوں: اِمام حسن[۱]، اِمام حسین[۲]، محمد[۳] بن حنفیہ، عباس[۴]، عمر[۵] اطراف کی نسل موجود ہے، ان کے شجرہ کی تفصیل اور کچھ حالات پیشِ خدمت کئے جائیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کا نام ہند تھا، بعض نے فاطمہ لکھا ہے، ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم سے ہوا تھا، ان کے بطن سے ہانی، عمرو، یوسف اور جعدہ دُختر ہوئی، عام الفتح کو اسلام لائیں اور ان کا شوہر نجران کی طرف بھاگ گیا، اس کے اسلام قبول کرنے کی کوئی روایت نہیں ملی۔

جمانہ کے متعلق اِمام اہل السیر ابنِ اسحاق نے لکھا ہے کہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خیبر کی پیداوار سے تیس وسق کھجور جمانہ دُختر ابی طالب کو دیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان تھیں، اور خیبر تک زندہ رہیں، باقی حالات نہیں ملے۔

ابوطالب کی سب اولاد: طالب، عقیل، جعفر، علی، اُمِّ ہانی اور جمانہ ایک ہی والدہ، فاطمہ اسدیہ سے ہیں۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمین)

۸۰: **حضرت عبداللہ:** باپ کے لاڈلے فرزند تھے، جناب عبدالمطلب

صاحب نے منّت مانی تھی کہ اگر خدا تعالٰی اسے دس فرزند عطا فرمائے تو ان میں سے ایک کو تقرّبِ الٰہی کے لئے ذبح کروں گا، اس قربانی کی رسم اس وقت جاری تھی، اور موجودہ زمانے میں بھی ہند، یونان، ایران، چین، افریقہ وغیرہ میں بعض جگہ پائی جاتی ہے، عبدالمطلب کے اس فعل میں اگر کوئی نُدرت ہے تو یہ کہ اس نے یہ منّت خالص خدا تعالٰی کے لئے مانی تھی، کسی دیوتا یا بت کے لئے نہیں مانی، جب دس فرزند پیدا ہو چکے تو انہوں نے فرزندوں میں قرعہ ڈالا، تو عبداللہ کا نام نکلا، اس پر عبداللہ نے بھی باپ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کے لئے قربان ہونا منظور کیا۔

سیرت النبی شبلی نعمانی میں ہے کہ: عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں، رونے لگیں، اور کہا کہ: ان کے بدلے میں دس اُونٹ قربان کیجئے، اور ان کو چھوڑ دیجئے۔ عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ اور دس اُونٹ میں قرعہ ڈالو.... الخ۔

ابوطالب نے اپنے برادرِ شفیق کے بچاؤ کے لئے باپ سے مزاحمت کی، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ جو کچھ مشہور کاہن کہہ دے، وہی کیا جائے، کاہن نے کہا کہ: اُونٹوں پر قرعہ ڈالنا چاہئے، دس اُونٹ کے ساتھ قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کے نام قرعہ نکلا، آخر سو اُونٹ تک گئے، تب قرعہ سو اُونٹوں کے نام نکل آیا، تو عبدالمطلب نے سو اُونٹ قربان کئے، اس واقعے سے قبل انسانی دیت یعنی خون بہا کے لئے دس اُونٹ مقرّر تھے، لیکن اس واقعے کے بعد عام طور پر سو اُونٹ مقرّر ہوئے، گویا کہ عبدالمطلب صاحب کے خلوص اور عبداللہ کی اطاعتِ پدری کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے ملک میں انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی، اور ظاہر ہے کہ دیت کی مقدار بڑھنے سے قتل کی تعداد میں ضرور بہت کمی آئی ہوگی۔

سردار عبداللہ کا نکاح قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی سے ہوا، جن کا نام آمنہ تھا، اور یہ قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں (سیرت ابنِ

ہشام)، نکاح کے بعد عبداللہ صاحب ملکِ شام کو تجارت کے لئے گئے اور واپسی کے وقت مدینہ طیبہ میں کھجوروں کے سودے کے لئے ٹھہرے، وہیں بیمار ہوئے اور عالمِ آخرت کو سفر کر گئے، دستور تھا کہ دُولہا شادی کے بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا، عبداللہ صاحب تین دن سسرال میں رہے، (رحمۃ للعالمین) اس وقت ان کی عمر سترہ یا پچّیس برس سے کچھ زائد تھی۔ (زرقانی ج:۱ ص:۱۴۲ سطر:۷)

سیّدہ آمنہ ان ہی دنوں میں امانت دار نورِ محمدی (علیٰ صاحبہ الف الف صلوٰۃ وسلام) ہوگئی تھیں، ان کا بیان ہے کہ مجھے بوڑھی عورتوں نے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکالو اور کچھ بازو میں باندھ لو، ایسا کیا تو پھر یہ دیکھا کہ لوہے کی چیزیں کہیں گر گئی تھیں، پھر میں نے کچھ نہ باندھا۔ سیّدہ آمنہ کو خواب میں بتلایا گیا کہ اپنے ہونے والے بچے کا نام "احمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، ادھر دادا صاحب نے ہونے والے پوتے کا نام "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) تجویز کیا، پس محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام ہیں۔ اس خواب سے سیّدہ آمنہ کو یقین ہوگیا کہ یہ مولود نہایت سعید ہوگا، عبداللہ صاحب نے ترکہ میں اُونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی، جس کا نام اُمّ ایمن تھا، یہ سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترکہ میں ملیں۔ (طبقات ابنِ سعد) حضرت اُمِّ ایمنؓ کا اصلی نام برکہ تھا۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمین، و سیرت النبیؐ شبلی نعمانی)

۸۱: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

ظہورِ قدسی: چمنستانِ دہر میں بارہا رُوح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرۂ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں، آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صَرف

کردیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدّتِ دراز سے اسی صبح جان نواز کے لئے کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدّت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، اَبر و باد کی تردستیاں، عالَمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیم، جمالِ یوسف، موسوی معجزہ طرازی اور جان نوازئ مسیح، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں بار شہنشاہِ کونین کے دربار میں آئیں گے، آج کی صبح وہی صبحِ جاں فزا، وہی ساعتِ ہمایوں اور وہی دور فرخ فال ہے کہ یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، مشامِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالَم اور شہنشاہِ کونین، عالَمِ قدس سے عالَمِ امکان میں تشریف فرمائے عزّت و اجلال ہوئے، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا:

شمۂ نہ مسند ہفت اختراں
ختمِ رُسل خاتمِ پیغمبراں

ترجمہ:... ''آسمانوں کی خوشبو اور سات ستارے اس کی تکیہ گاہ، وہ ختمِ رُسل اور آخری پیغمبر۔''

احمدِ مرسل کہ خرد خاک اوست
ہر دو جہاں بستۂ فتراک اوست

ترجمہ:... ''احمدِ مرسل کہ عقل اس کے سامنے خاک ہے، دونوں جہان اس کے تسمہ پر بندھے ہوئے ہیں۔''

امی و گویا بہ زبان فصیح
از اَلفِ آدم ومیمِ مسیح

ترجمہ:... ''اُمی ہے اور فصیح زبان سے کہتا ہے، لفظِ آدمؑ کی الف اور مسیحؑ کی میم سے۔''

رسم ترنج است کہ در روزگار
پیش دہد میوہ پس آرد بہار

ترجمہ:... ’’ترنج کا طریقہ ہے کہ موسم میں پہلے پھل نکالتا ہے، پھر بہار (برگ و بار) لاتا ہے۔‘‘

ولادت:

تاریخِ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے دلائلِ ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی، اور سیرتِ رحمۃ للعالمینؐ میں ہے کہ موسمِ بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاوّل سنہ اعام الفیل، پچپن دن بعد، ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سنہ ۶۲۸ بوقت صبحِ صادق قبل از طلوعِ آفتاب اس عالمِ ظلمانی میں پیدا ہو کر منوّر فرمایا۔

رضاعت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ نے اور دو، تین روز کے بعد ثویبہ نے دُودھ پلایا (جو ابولہب کی لونڈی تھی)، ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپ کو دُودھ پلایا۔

فائدہ:... عرب کا دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیرخوار بچوں کو دیہات اور قصبات میں بھیج دیا کرتے تھے، اور یہ کام معیوب نہ تھا، بلکہ محبوب و مطلوب تھا۔

(سیرت، شبلی نعمانی)

فائدہ:... حضرت حلیمہؓ، ان کے شوہر حارثؓ بن عبدالعزیٰ اور دو رضاعی بھائی عبداللہؓ اور حذیفہؓ، جس کا لقب شیماء ہے، کا اسلام لانا ثابت ہے۔

(زرقانی ج:۱ ص:۱۷۰، اصابہ فی احوال الصحابہ ج:۱ ص:۲۸۲ مطبوعہ مصر)

جب مدّتِ رضاعت تمام ہوئی تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ لے آئیں، دانش مند والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانے میں مکہ میں پھیلی ہوئی وبا کے سبب واپس دے دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال، یا بروایت ابنِ اسحاق چھ سال کے ہوئے تو حضرت حلیمہؓ سے واپس لے لیا، اور اپنے ساتھ یثرب لے گئیں، وہاں ایک مہینہ دارالنابغہ میں رہ کر واپس ہوئیں۔

انتقال والدہ ماجدہ:

حضرت آمنہ شاید شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں یا ننھیالی رشتے کی وجہ سے، مقامِ ابواء میں جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے، پہنچ کر ان کا انتقال ہوگیا، اور یہیں مدفون ہوئیں، حضرت اُمّ ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ میں آئیں۔

اُمّ ایمن جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم "اُمّی بعد اُمّی" کہا کرتے تھے، ان کا پہلا نکاح عبیدالحبشی سے ہوا، جس سے ایمن پیدا ہوا، اور دُوسرا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا، جس سے اسامہ پیدا ہوا۔ (سیرتِ رحمۃ للعالمینؐ)

عبدالمطلب صاحب کی تربیت:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پدر و مادر کے بارِ منّت سے سبکدوش ہوئے، تو آپؐ کو حضرت عبدالمطلب نے دامنِ تربیت میں لیا، عبدالمطلب صاحب کی ۸۲ سال کی عمر میں وفات ہوئی، اور حجون میں مدفون ہوئے، دادا صاحب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ برس کے تھے، عبدالمطلب کے بعد آپؐ کی تربیت ابوطالب کے سپرد ہوئی، ابوطالب نے اس فرض کو بخوبی ادا کیا، غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر دس، بارہ برس کی ہوگی کہ آپؐ نے بکریاں چرائیں، اور یہ کام عرب میں

معیوب نہ تھا، خود قرآن مجید میں ہے: ''وَلَكُمْ جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ'' آپؐ کا بکریاں چرانا درحقیقت عالمِ انسانیت کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔'' (کذا فی البخاری فی کتاب الاجارہ) قراریط ایک مقام کا نام ہے، (کذا قال العینی ج:۶ ص:۲۳۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حربِ فجار میں جو قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان ہوئی تھی، اس وجہ سے شرکت فرمائی تھی کہ قریش حق بجانب تھے، لیکن ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، حربِ فجار کو حربِ فجار اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ایام الحرام میں ہوئی تھی، یعنی ان مہینوں میں جن میں لڑنا حرام تھا، اس کے بعد جب بعض طبیعتوں میں اصلاح پیدا ہوئی اور حلف الفضول جو کہ اعانتِ مظلوم و دفعِ ظالم کے لئے معاہدہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی شریک تھے، اس حلف الفضول کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اس معاہدے میں یہ الفاظ تھے: ''ترد الفضول علی اھلھا۔'' (کذا قال السہیلی) بعدہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شغلِ تجارت میں جو خاندانی کسب تھا، مشغول ہوئے، چونکہ آپؐ تجارت میں معاملہ صاف رکھتے تھے اور زبانِ خلق میں آپؐ امین مشہور تھے، اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر ان کا مالِ تجارت لے گئے، سفرِ تجارت سے واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد حضرت خدیجہؓ نے پیغامِ شادی بھیجا، چونکہ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرسکتی تھیں، اس لئے حضرت خدیجہؓ نے براہِ راست تمام مراتب طے کئے، آخر نکاح ہوگیا، ابوطالب صاحب نے خطبۂ نکاح پڑھا، اور پانچ سو درہم طلائی مہر قرار پایا، حضرت خدیجہؓ کے والد صاحب جنگِ فجار سے پہلے ہی انتقال کرچکے تھے۔

(کلہ فی زرقانی ج:۱ ص:۲۳۲ تا ۲۳۶، سیرت شبلی نعمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند نرینہ تین ہوئے اور دُخترانِ طاہرات چار ہیں۔

قاسم رضی اللہ عنہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے، اور پاؤں پر چلنا سیکھ رہے تھے کہ راہ گزین عالمِ جاودانی ہوئے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ: ان کا لقب طیب و طاہر بھی ہے، مکہ معظّمہ میں بعثتِ نبوّت کے بعد پیدا ہوئے، اور مکہ ہی میں فوت ہوئے، جس پر کفار نے طعنہ دیا کہ حضور ابتر ہیں، اور سورۂ کوثر نازل ہوئی کہ ان کا ذکرِ خیر قیامت تک جاری رہے گا۔

ابراہیم رضی اللہ عنہ: مدینہ منوّرہ میں پیدا ہوئے اور حضرت ماریہؓ، جن کو شاہِ مصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا، کے بطن سے پیدا ہوئے، براء بن اوس انصاری کی زوجہ اُمِّ بردہ نے دُودھ پلایا، اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا تھا، یہ بھی ایامِ رضاعت میں ہی خلدِ بریں جا سدھارے، اسی روز سورج گرہن بھی ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چہار بیٹیاں بطنِ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہیں، اور سب کی ولادت مکہ معظّمہ میں ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب (گود میں پلنے والے) درہ، زینب اور اُمّ کلثوم، جو اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہیں اور جن کا نکاح ۴ھ میں ہوا، اور حبیبہ جو اُمّ المؤمنین اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دُختر ہیں، اور بھی دُخترانِ طاہرات ہیں، کیونکہ ۴ھ سے پہلے ربائب نہیں تھیں اور صاحبزادیاں ۴ھ سے پہلے موجود تھیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جنگِ بدر کے بعد ۲ھ میں اپنی والدہ خدیجۃ

الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہار اپنے شوہر کی رہائی کے لئے بھیجا تھا، اور رُقیہ ادر اُمِّ کلثوم بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر واقعات قبل از ہجرت میں ابولہب کے خاسرانہ افعال میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر سہ بناتِ نبوی کا انتقال بحیاتِ نبوی ہوا، مگر مذکورہ ربائب ارتحالِ نبوی کے بعد دیر تک اپنے گھروں میں آباد تھیں، جن کی تفصیل ان کے حالات سے ملتی ہے۔

سیّدہ زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہا، قاسمؓ سے چھوٹی اور باقی اولاد سے بڑی تھیں۔

سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ زینبؓ سے چھوٹی ہیں۔

سیّدہ اُمِّ کلثوم، سیّدہ رُقیہؓ سے چھوٹی ہیں۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیّدہ اُمِّ کلثومؓ سے چھوٹی ہیں۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال کی تھی، جب سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں پیدا ہوئیں، ان کا نکاح ابوالعاص بن ربیع بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی سے ہوا تھا، ابوالعاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن ہیں، سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنی والدہ کے ساتھ مسلمان ہوئیں، مگر ابوالعاص کا اسلام بہت تأخیر میں رہا، بدر میں ابوالعاص جب اسیر ہوکر آیا اور رہائی کے بعد مکہ پہنچا، تو حسبِ وعدہ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہجرت کی اجازت دے دی، سفرِ ہجرت میں ہبار بن الاسود نے مزاحمت کی، تو اس سے آپؓ کا حمل ساقط ہوگیا، ابوالعاص جب تجارتِ شام سے واپس ہوا تو ابوبصیر اور ابوجندل نے قافلے کا سارا سامان لے لیا، مگر ابوالعاص کو گرفتار نہ کیا، وہ مدینہ طیبہ پہنچا، سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا

نے ان کو امان دی، اور مال کی واپسی کا عرض کیا، چنانچہ مال واپس دے دیا گیا، تو ابوالعاص مکہ مکرمہ والوں کو تمام مال دے کر مسلمان ہوکر مدینہ طیبہ پہنچا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف پھیر دیا، ابوالعاص سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک دُختر پیدا ہوئی، جس کا نام اُمامہ تھا، اور ایک علی نام کا فرزند پیدا ہوا، یہ علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما فتحِ مکہ میں ناقہ پر ردیف تھے، عنفوانِ شباب میں علّییّن پہنچے، حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے ہوا، اور حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے ہوا، جس سے یحییٰ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، مگر اب ان کی نسل ناپید ہے۔ سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا، صحابیہ اُمِّ سلیط رضی اللہ عنہا نے ان کو غسل دیا، جبکہ ابوالعاصؓ کی وفات ۱۲ھ میں ہوئی۔

سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی، اس وقت سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، مکہ ہی میں حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی سے نکاح ہوا، سیّدہ رُقیہؓ وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر کا ساتھ دے کر قائم کیا، (رواہ الحاکم) سیّدہ رُقیہؓ کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے، جو ابھی چھ سال کے تھے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب ٹھونگ ماری، زخم ہوگیا، اور اسی سبب سے رحلت گزینِ عالمِ بقا ہوئے، اس سے پہلے ہی سیّدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا ۲ھ میں جنگِ بدر کے موقع پر چیچک کی بیماری سے اکیس سال کی عمر میں رفعت بخش علّییّن ہوئیں، ان کی تیمارداری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر بدر میں تشریف لے

گئے، بشارت فتح کے دن ان کی تدفین ہوئی۔

سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا:

سیّدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ۳ھ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہی سے ہوا، اسی لئے ان کو ''ذُوالنورین'' کہتے ہیں، نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جبریل علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ خدائے بزرگ کا حکم ہے کہ اپنی دُوسری بیٹی کا تجھ سے نکاح کر دوں۔'' (اخرجہ الحاکم، ازالۃ الخفا ص:۲۲۲)

اس سیّدہ سے اولاد نہیں ہوئی، ۹ھ میں انتقال ہوا، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے مراسمِ تدفین پورے کئے، صحیح بخاری میں ہے کہ: جب اُمِّ کلثوم کی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دو نورانی چشم میں پانی تھا۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا:

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، ان کی ولادت غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے اِکتالیسویں سال ہوئی تھی، واقعہ بدر کے بعد اور اُحد سے پہلے سیّدہ فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا، اس سیّدہ، عالیہ کی مدح و ثنا کرنے کی کسی میں طاقت نہیں، عقلِ بشری کی رسائی نہیں، مختصراً یہ کہ ''سیّدۃ نساء اھل الجنۃ'' ہیں، اور ''سیّدۃ نساء العالمین'' ہیں، حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ ۳ر رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی، ان کی وصیت کے مطابق اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ ابوبکرؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غسل دیا، حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے نماز پڑھی اور اہلِ بیت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملیں، ان کی عمر ۲۲ یا ۲۳ سال

تخمیناً ہے، سیّدہ فاطمہؓ کے بطن سے اِمام حسن، اِمام حسین اور سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔

سیّدہ اُمِ کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے چالیس ہزار درہم مہر پر ہوا، ان سے زید اور رُقیہ رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا نکاحِ ثانی عون بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے ہوا، جس دن زید بن عمرؓ کا، جو بطن طاہرہ اُمِ کلثوم سے ہیں، انتقال ہوا، اسی دن ان کی والدہ اُمِ کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوا۔

سیّدہ زینب بنتِ فاطمہ رضی اللہ عنہما کا نکاح عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما سے ہوا، میدانِ کربلا میں اپنے برادر مکرّم و منفخم حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں، نہایت صبر سے جملہ مصائب کو برداشت کیا، اور اعداء و اشقیاء کو خوب خوب جواب دیئے، ان کے فرزند عدی بن جعفر رضی اللہ عنہما بھی میدانِ کربلا میں شہید ہوئے، بعض نے سیّدہ فاطمہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں محسن اور رُقیہ بھی ایزاد کئے ہیں، اور کہا کہ صغرسنی میں فوت ہوئے ہیں، سیّدہ فاطمہؓ کی قبر میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ اپنے گھر ہی میں مدفون ہیں، اور بعض نے کہا کہ بقیع غرقد میں، حضرت اِمام حسن، زین العابدین اور عباس رضی اللہ عنہم کے پہلو بہ پہلو ہیں، مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ: ۳۰۴ھ میں بقیع غرقد میں ایک پتھر ملا جس پر تحریر تھا: ”هٰذا قبر فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم“۔

حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ:

حضرت اِمام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے، حضرت اِمام حسن رضی اللہ عنہ کا نصف پیکر بالائی اور اِمام حسین رضی اللہ عنہ کا نصف

پیکر زیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھا، اِمام حسن رضی اللہ عنہ یکے از ناظرین و محافظین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، حضرت علیؓ کے بعد چالیس ہرار سے زیادہ بہادروں نے اِمام حسنؓ سے موت پر بیعت کی، چار ماہ تک اِمامِ ہمام نے عراق و عرب، ماوراء خراسان کی خلافت کی، آخر کوفہ کی جامع مسجد میں بماہ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بسبب رحم دِلی و دفعِ خونریزی، خلافت سپرد کی، ۵۶ سال کی عمر میں بماہ ربیع الاوّل ۵۹ھ وفات پائی، هُوَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خانہ میں دفن ہونے کی اجازت دی، مگر مروان حاکمِ مدینہ نے دفن نہ ہونے دیا، آخر بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔

اِمام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بارہ فرزند تھے: حسن مثنیٰ، زید، طلحہ، حسین، اسماعیل، عبداللہ، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمٰن، ابوبکر، قاسم اور عمر رحمۃ اللہ علیہم، اور پانچ دُختران تھیں: فاطمہ، اُمّ سلمہ، اُمِّ عبداللہ، اُمّ الحسین رملہ اور اُمّ الحسن، رضی اللہ عنہن، اب دُنیا میں زید اور حسن المثنیٰ کی اولاد باقی ہے، اولادِ حسنؓ میں سے عمر، قاسم اور عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے، حسین الاشرم اور عمر سے اولاد ہوئی، مگر نسل باقی نہیں رہی، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

زید بن الحسن رضی اللہ عنہما کے فرزند ابو محمد حسن، سلطنتِ منصور میں امیرِ مدینہ ہوگئے تھے، حضرت سیّد محمد گیسودراز صاحب خلیفہ حضرت نصیرالدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہما ان کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صدقات کا اہتمام حسن مثنیٰ بن حسن رضی اللہ عنہما کے سپرد تھا، یہ میدانِ کربلا میں شریک ہوئے اور سخت زخمی ہوگئے تھے، اسماء بنت خارجہ خزاری رضی اللہ عنہا نے ابنِ اسعد سے علاج کرانے کی اجازت حاصل کی، اور یہ اچھے ہوگئے، پھر اِمام حسین رضی اللہ عنہ کی دُختر فاطمہؓ سے نکاح کیا، جس سے ابراہیم الغمر،

حسن مثلث اور عبداللہ محض پیدا ہوئے، یہ تینوں اشخاص طرفین سے فاطمی ہیں، اور ایک رُومیہ عورت سے داؤد اور جعفر نامی دو اور فرزند بھی تھے۔

عبداللہ محض شیخ بنوہاشم کے لقب سے ملقب تھے، ان کے چھ فرزند تھے: محمد ذی النفس الزکیہ، ابراہیم، موسیٰ الجون، یحییٰ، سلیمان، ادریس۔

محمد ذی النفس الزکیہ نے خلافت کا دعویٰ کیا، اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو چار ہزار درہم بطور امداد بھیجے۔ موسیٰ الجون بن سیّد عبداللہ محض کی نسل سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ابراہیم الغمر بن حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا لقب غمر کثرتِ جود کی وجہ سے ہے، ابواسماعیل کنیت ہے، ۱۴۵ھ میں ۶۹ سال کی عمر میں فوت ہوئے، ان کی نسل اسماعیل دیباج، جس کی کنیت ابوابراہیم اور لقب شریف الخلاص تھا، سے جاری ہے، اسی طرح ان کی نسل فرزند حسن التنج اور ابراہیم طباطبا سے بھی جاری ہے، بنومعیہ، جس سے سیّد عمادالدین محمد بن محمد بن حسین دہلی والے ہیں، انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

حسن المثلث بن حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابوعلی ہے، ۱۴۵ھ میں وفات پائی، ان کی نسل موجود ہے۔

داؤد بن حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہما کی والدہ رُومیہ ہیں، حضرت اِمام جعفرؒ کے باہم رضیع تھے، اور یہی صدقاتِ علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ کے متولّی تھے، ان کی نسل سلیمان بن داؤدؒ سے جاری ہے۔

سلیمان بن داؤد رحمہ اللہ کے چار فرزند تھے: موسیٰ، داؤد، اسحاق اور حسن رحمہم اللہ، ان سب کی نسل موجود ہے۔

جعفر بن حسن مثنیٰ رحمہ اللہ کی کنیت ابوالحسن ہے، ۱۷۰ھ میں وفات پائی، ان کے بیٹے حسن سے عبداللہ، جعفر ملقب بہ غدار اور محمد السلیق سے نسل جاری ہے۔

حضرت اِمام حسین رضی اللہ عنہ:

حضرت اِمام حسین بن علی رضی اللہ عنہما، اِمام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے برادر خورد ہیں، ۵رشعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے، اِمام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت سے پچاس یوم بعد اِمام حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے بطنِ مادرِ اطہر میں استقرار پایا تھا، اِمام حسین رضی اللہ عنہ نے پچیّس حج پیادہ پا کئے تھے، اِمام حسن رضی اللہ عنہ نے بیس حج پیادہ پا کئے ہیں، ان دونوں کی تعریف میں کتب پُر ہیں، بروز جمعہ عشرۂ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں شہادت پائی ہے، ان کی نسل اِمام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے جاری ہے۔

زین العابدینؒ کا اسم مبارک علی ہے، کثرتِ عبادت کی وجہ سے زین العابدین سجاد ذوالثفنات لقب پڑ گیا، واقعۂ کربلا میں ۲۳ سال کے تھے، ۳۸ھ میں پیدا ہوئے، ۹۵ھ میں وفات پائی، ان کی والدہ بنتِ یزدجرد ہیں جو عہدِ فاروقی میں اسیر ہوکر آئیں، ان کی نسل چھ فرزندان سے جاری ہے: محمد باقر، عبداللہ الباہر، زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر اور علی الاصغر رحمۃ اللہ علیہم، اور دو بیٹیاں ہیں: اُمِّ کلثومؒ اور خدیجہؒ۔ اُمِّ کلثومؒ کا نکاح داؤد بن حسن مثنیٰ سے ہوا تھا، ان کے بطن سے سلیمان پیدا ہوا، سلیمان کی نسل داؤد، اسحاق اور حسن سے جاری ہے۔ خدیجہؒ کا نکاح محمد بن عمر بن علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم سے ہوا، ان کے بطن سے عبداللہ، عبیداللہ اور عمر رحمۃ اللہ علیہم پیدا ہوئے، نسل باقی ہے۔ عبداللہ الباہر کی نسل محمد الارقط سے جاری ہے، اس کا ایک بیٹا اسماعیلؒ تھا، جس سے حسین اور محمد پیدا ہوئے، قم جرجان میں نسل پائی جاتی ہے۔

زید الشہید بن اِمام زین العابدین کی والدہ اُمِّ ولد تھیں، آپ نے سلطنتِ ہشام میں دعویٰ خلافت کیا تھا، مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رے جرجان کے

علاوہ صرف کوفہ کے پندرہ ہزار اشخاص تھے، جو سب لوگ یوسف ثقفی کے مقابلے میں اِمام کو چھوڑ کر بھاگ گئے، اِمام زید شہید نے اسی موقع پر فرمایا: ''رَفَضُوْنَا الْیَوْمَ'' اسی دن سے ''رافضی'' کا لفظ نکلا، ۱۵/صفر ۱۲۱ھ میں زخمِ تیر سے شہید ہوئے، ان کے چار فرزند تھے:

یحییٰ جو اٹھارہ سال کی عمر میں فوت ہوئے، ایک دُختر، ان کی یادگار تھیں۔

حسین ذی الدمعہ نے ۱۳۵ھ میں وفات پائی، نسل کثیر باقی ہے۔

عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل ان کے چار فرزندان: احمد، زید، محمد اور حسین عصارہ سے جاری ہے، سادات بارہ و بلگرام کا نسب اسی نژاد عالی سے ہے، رحمۃ اللہ علیہم۔

محمد سے نسل جاری ہے۔

عمر الاشرف بن اِمام زین العابدینؒ کی نسل علی الاصغر سے جاری ہے، ان کے تین فرزند: قاسم، عمر البختری، ابومحمد الحسن سے نسل کثیر جاری ہے۔

حسین الاصغر بن اِمام زین العابدینؒ کی والدہ ساعدہ اُمّ ولد تھیں، ۱۵۷ھ میں وفات پائی، بقیع میں دفن ہیں۔ عبداللہ، عبیداللہ الاعرج، علی، ابومحمد الحسن اور سلیمان سے نسل کثیر باقی ہے۔

علی الاصغر بن زین العابدینؒ کی نسل حسین افطس سے جاری ہے، افطس کی نسل علی الحوری عمر، حسین، حسن مکفوف اور عبداللہ الشہید رحمۃ اللہ علیہم سے جاری ہے۔

اِمام محمد باقر بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہما کا نام نامی محمد، باقر لقب، اور ابوجعفر کنیت ہے، عبداللہ الباہرؒ کے برادر شفیق ہیں، باقر العلوم، وافر الحکم اور جلیل القدر تھے، ان کی مرویات صحاح و سنن میں ملتی ہیں، واقعہ کربلا کے وقت تین سال کے تھے، ان کی نسل صرف امام جعفر صادق سے جاری ہے، ان کی والدہ اُمّ عبداللہ بنت اِمام حسنؓ ہیں۔

اِمام جعفر صادق بن اِمام باقر رحمۃ اللہ علیہما، جعفر نام، صادق لقب اور ابوعبداللہ کنیت ہے، ان کی والدہ ماجدہ اُمِّ فروہ ہیں جو کہ حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے قاسم الفقیہؒ کی بیٹی ہیں، اُمِّ فروہ کی والدہ اسماء بنتِ عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم ہیں، اسی لئے اِمام جعفرؒ فخراً فرمایا کرتے تھے: "وَلَدَنِی اَبُوبَکرٍ مَرَّتَینِ" یعنی مجھے ولادت میں ابوبکر سے دُہرے واسطے ہیں۔ وافر العلوم اور کثیر الفیوض تھے، صحاح وسنن میں ان کی مرویات اور فتاویٰ موجود ہیں، ولادت ۸۳ھ میں اور وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی، بقیع میں مدفون ہوئے، ان کے پانچ فرزند ہیں: موسیٰ کاظم، اسماعیل، علی العریضی، محمد المأمون اور اسحٰق رحمۃ اللہ علیہم، سب سے نسل جاری ہے۔

اسماعیل بڑے فرزند ہیں، ان کی نسل محمدؒ اور علیؒ سے جاری ہے، علی ملقب بہ ضیاء الدین کے سلسلۂ نسب میں مخدوم سیّد علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

علی العریضی بن امام جعفر صادقؒ کی نسل، چار فرزندان: محمد، احمد الشعرانی، حسن اور جعفر الاصغر رحمۃ اللہ علیہم سے جاری ہے، اور خلقِ کثیر موجود ہے۔

محمد المأمون یا محمد دیباج نے خلافت کا دعویٰ کیا، مأمون الرشید نے ان کو گرفتاری کے بعد معاف کردیا تھا، ان کی نسل علی النخارجی، قاسم اور حسین سے جاری ہے، اور اکثر مصر میں پائے جاتے ہیں۔

اسحاق بن جعفر صادقؒ کا لقب مؤتمن اور ابو محمد کنیت ہے، اِمام موسیٰ کاظمؒ کے برادرِ شفیق ہیں، شیعہ کا ایک فرقہ ان کو امام مانتا ہے، ان کی نسل محمد، حسن اور حسین تین فرزندان سے جاری ہے۔

اِمام موسیٰ کاظم بن اِمام جعفر صادقؒ، موسیٰ نام، کاظم لقب اور ابوالحسن اور ابو ابراہیم کنیت تھی، ان کی والدہ ماجدہ کا نام حمیدہ ہے، جو اُمِّ ولد تھیں، ولادت ۱۲۸ھ

مقام ابواء میں، اور وفات ۶/رجب ۱۸۳ھ بمقام بغداد ہوئی، یہ ۲۳ پسران اور ۲۷ دُختران کے والد ہیں، فرزندانِ نرینہ میں سے: عبدالرحمٰن، عقیل، قاسم، یحییٰ اور داؤد لاولد تھے، اور سلیمان، فضل اور احمد کی اولاد صرف دُختر ہی تھی، اور حسین، ابراہیم الاکبر، ہارون، زید اور حسن رحمۃ اللہ علیہم کی اولاد کے متعلق علمائے نسب کا اختلاف ہے، اور علی، ابراہیم الاصغر، عباس، اسماعیل، محمد، اسحاق، حمزہ، عبداللہ، عبیداللہ اور جعفر کی نسل جاری ہے، اختصاراً تفصیل چھوڑ دی گئی ہے، خواجہ بزرگ سلطان الہند سیّد معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ اجمیری المتوفی ۶/رجب ۶۳۲ھ حضرت موسیٰ کاظمؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

اِمام علی الرضا بن امام موسیٰ کاظمؒ کا علی نام، رضا لقب اور ابوالحسن کنیت ہے، ولادت ۱۴۸ھ میں، اور وفات بماہ صفر ۲۰۳ھ میں بہ عمر ۵۵ سال ہوئی، مزار مشہد مقدس میں ہے، ان کی نسل صرف محمد الجواد سے جاری ہے۔

اِمام محمد الجواد ہوالنقی رحمہ اللہ بن اِمام علی الرضا کا نام محمد، لقب جواد اور کنیت ابوجعفر ہے، ولادت رمضان ۱۹۵ھ میں ہوئی اور آخر ذوالقعدہ ۲۲۰ھ بہ عمر پچیّس سال انتقال فرمایا، علی الہادی اور موسی البرقع سے نسل جاری ہے، موسیٰ البرقع کی نسل ان کے فرزند احمد سے جاری ہے، مضافاتِ لکھنوٴ و خیرآباد میں نسل پائی جاتی ہے۔

اِمام علی النقی بن محمد الجواد کا نام علی، عسکری لقب، ہادی، نقی، علَم اور ابوالحسن کنیت ہے، بہ عمر اکتالیس سال چھ ماہ وفات پائی، ولادت نصف ذوالحجہ ۲۱۲ھ میں اور وفات ۲۶/جمادی الاولیٰ ۲۵۴ھ میں ہوئی، ان کی نسل ابوعبداللہ جعفر کذاب اور حسن عسکری سے جاری ہے، کذاب کا لقب اس لئے ہوا کہ اِمام حسن عسکری کے بعد خود اِمام ہونے کا دعویٰ کیا تھا، ان کی اولاد ان کو "جعفر توّاب" کہتی ہے، اور اپنے آپ کو رضوی کہلاتے ہیں، ابوعبداللہ کی کنیت ابوکرّین بھی ہے، ان کی وفات ۲۷۱ھ

میں ہوئی، اور ان کی نسل چھ فرزندان سے جاری ہے: اسماعیل حریف، یحییٰ الصوفی، ہارون، علی المختار، ادریس اور طاہر۔ اسماعیل اور یحییٰ کی اولاد مصر میں پائی جاتی ہے، ہارون کی اولاد میں سے ساداتِ امروہہ ہیں، علی المختار کی اولاد سے ساداتِ بھکر ہیں، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۴؍ربیع الاوّل ۶۳۵ھ اسی شاخ سے ہیں، محمد نازک اور سیّد جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہما نزیل ہند، ان ہی علی المختار کی اولاد میں سے ہیں، ادریس کی نسل قاسم سے جاری ہے، اولاد قواسم کہلاتے ہیں۔

اِمام حسن عسکری بن علی النقی رحمۃ اللہ علیہما کا نام حسن، عسکری لقب اور ابومحمد کنیت ہے، رمضان ۲۴۲ھ میں ولادت ہوئی اور اُٹھارہ سال کی عمر میں ۱۸؍ربیع الاوّل ۲۶۰ھ میں وفات پائی، والدہ ماجدہ کا نام حدیث ہے، جو اُمِّ ولد ہیں، ایک فرزند محمد المہدی نصف شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے، بعمر چار سال غائب ہوگئے تھے، فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک یہی مولود سعید امام منتظر و امامِ زمان مہدیٔ دوراں کے لقب سے ملقب ہیں۔

اللّٰھم صلّ وسلّم وبارک افضل صلوٰتک وسلامک
وبرکاتک عدد معلوماتک ورضی نفسک علٰی
سیدنا محمد واٰلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وصحابیاتہٖ
واخوانہٖ ورفقائہٖ واَتْباعہٖ وسلِّم دائمًا ابدًا من الصلوٰۃ
والسلام والبرکۃ افضلھا واکملھا وادومھا آمین!

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی اولاد کی تفصیل:

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولادِ کرام کا ذکر اہلِ بیتِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ

الصلوٰۃ والسلام میں گزر چکا ہے، اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کا ذکر کیا جاتا ہے کہ دُنیا میں اب فقط پانچ فرزندان سے نسل جاری ہے: اِمام حسن، اِمام حسین، محمد بن حنفیہ، عمر اطراف اور عباس بن علی رضی اللہ عنہم۔

عباس بن علی رضی اللہ عنہما میدانِ کربلا میں علَم بردار اِمامِ ہمام تھے، ان کا خطاب سقائے اہلِ بیت بھی ہے، چونتیس سال کی عمر میں شہید ہوئے، ان کا بیٹا عبداللہ اور عبداللہ کا بیٹا حسن، اور حسن کے پانچ بیٹے ہیں: عبیداللہ، عباس الفصیح، حمزۃ الاکبر، ابراہیم حروقہ اور فضل۔

عبیداللہ، قاضی الحرمین، کا بیٹا عبداللہ اور عبداللہ کے دو بیٹوں میں سے ہارون کی اولاد بنوہارون کہلاتے ہیں، اور دُوسرے بیٹے داوٗد الاکبر کی اولاد بنوبدید کے نام سے مشہور ہیں اور یمن میں موجود ہیں۔

عباس الفصیح شاعر اور ہارون الرشید کا مقرّب تھا، بعض نسّاب (نسب بیان کرنے والے) کہتے ہیں کہ صرف عبداللہ بن عباس الفصیح کی نسل سمرقند میں رہ گئی۔

حمزۃ الاکبر کی کنیت ابوالقاسم تھی، ان کا چہرہ مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک کے مشابہ تھا، مأمون نے اسے لاکھ روپیہ دیا تھا، ان کے فرزند علی اور علی کے فرزند محمد سے نسل جاری ہے۔

ابراہیم حروقہ ادیب، فقیہ اور اِمام تھے، ان کے تین فرزند ہیں: حسن، محمد اور علی، ہر ایک سے نسل جاری ہے۔

فضل کے تین بیٹے ہیں: جعفر، عباس الاکبر اور محمد۔ جعفر کا فضل سے نسب جاری ہے۔

عباس الاکبر کے چار فرزندوں سے نسل جاری ہے، اور محمد کے بیٹے ابوفضل الشاعر سے نسل جاری ہے۔

عمر اطراف بن علی رضی اللہ عنہما عباس کے برادر حقیقی ہیں، ستتر سال کی عمر میں وفات پائی، بعض نے کہا کہ: مصعب بن زبیر کی طرف سے مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، ان کے فرزند عمر ہیں، اور عمر کے بیٹے محمد کے چار فرزند ہیں: عبداللہ، عبیداللہ، عمر اور جعفر۔ یہ تینوں فرزند یعنی عبداللہ، عبیداللہ اور عمر از بطنِ خدیجہ بنتِ اِمام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہم ہیں، جعفر از بطنِ اُمّ ولد ہیں۔

عبداللہ کے چار فرزند ہیں: احمد، محمد، عیسی المبارک اور عیسی الصالح۔ ان میں محمد کے بیٹے قاسم ملقب ملک طالقان کی نسل ملتان میں پائی جاتی ہے، اور باقی سب کی نسل بھی جاری ہے۔

عبیداللہ کا بیٹا طیب اور طیب کے بیٹے علی سے بغداد اور اس کے نواح میں نسل جاری ہے۔

عمر کے بیٹے ابواسماعیل کی نسل بلخ وخراسان میں ہے، اور دُوسرا بیٹا ابراہیم ابوالحسن ہے۔

ابوالقاسم محمد بن حنفیہ، بن علی رضی اللہ عنہما کی والدہ خولہ ملقب حنفیہ قبیلہ حنفیہ بن لجیم سے ہیں، اس قبیلے نے عہدِ صدیقی میں ارتداد کیا تھا، یہ جنگ میں اسیر ہوکر آئیں اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو ملیں، ان کے بیٹے محمد بن علی ۲۱ھ خلافتِ فاروقی کے آٹھویں سال میں پیدا ہوئے، اور یکم محرم ۸۱ھ کو انتقال فرمایا، ان کے زُہد و ریاضت اور زور وقوّت کی حکایات مشہور ہیں، لشکرِ مرتضیٰ کے علَم بردار بھی ہوا کرتے تھے، شیعہ کے ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ اِمام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اِمامت ان کو ملی، اور ایک فرقۂ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اِمامت ان کو ملی ہے، اور ہر دو فرقوں کا اعتقاد ہے کہ آئندہ اِمامت ان کی نسل میں چلے گی، مختار ثقفی جس نے قاتلانِ حسینؓ سے سخت سخت انتقام لئے، خود کو انہی کا مختار بتلایا کرتا تھا، ابن

الحنفیہ کا غلام کیسان ہے، وہ بھی ایک فرقہ کا اِمام ہے، کیسانیہ کا اعتقاد ہے کہ محمد بن علی المرتضیٰؓ کوہِ رضوی میں رہتے ہیں، شیر اور پلنگ (چیتا) ان کے پہرہ دار ہیں، قربِ قیامت میں مہدی کے لقب سے وہی ظہور پذیر ہوں گے، محمد بن حنفیہ، بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی اولاد کی تعداد چوبیس ہے، جن میں چودہ نرینہ فرزند ہیں، جن میں سے تین سے نسل جاری ہے، ابو ہاشم کے بیٹے عبداللہ بزرگ تابعین میں سے تھے، اور جعفر بن محمد بن علی رحمہ اللہ یوم الحرہ کو شہید ہوئے، ان کی کثیر اولاد موجود ہے، اور تیسرے علی بن محمد بن علی رحمہ اللہ کا بیٹا ابو محمد، جن کے بیٹے علی کی کثیر اولاد موجود ہے، ابو محمد اور علی ہر دو کو کیسانیہ امام مانتے ہیں، باقی فرزندانِ حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ: عبداللہ، عون، یحییٰ اور عمر فرزند حبیبہ وغیرہ کے حالات نہیں ملے، ان کی اولاد کو علوی بھی کہتے ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا

وصلّی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وآلہٖ وازواجہٖ

واَتباعہٖ اجمعین

نقشہ حالاتِ نکاح و عمر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وامہات المؤمنینؓ

نمبر شمار	نام ازواج مطہراتؓ	سنہ نکاح	عمر ازواج وقتِ نکاح	مجموعہ عمر	سنہ وفات	مقبرہ	مدتِ خدمت	حضورؐ کی عمر وقتِ نکاح
۱	حضرت خدیجہ الکبریٰ	سنہ ۲۵ میلادالنبیؐ	۴۰ سال	۶۵ سال	سنہ ۱۰ انبوت	مکہ معظمہ	۲۵ سال تقریباً	۲۵ سال
۲	حضرت سودہؓ	سنہ ۱۰ انبوت	۵۰ سال	۷۲ سال	سنہ ۱۹ھ	مدینہ منورہ	۱۴ سال	۵۰ سال
۳	حضرت عائشہؓ	نکاح ۱۰ انبوت اور زفاف ۲ھ	۹ سال	۶۳ سال	سنہ ۵۷/۵۸ھ ۱۷ رمضان	مدینہ منورہ	۹ سال	۵۴ سال
۴	حضرت حفصہؓ	شعبان سنہ ۳	۲۲ سال	۵۹ سال	سنہ ۴۱ جمادی الاولیٰ	مدینہ منورہ	۸ سال تقریباً	۵۵ سال
۵	حضرت اُمِّ سلمہؓ	۴/۵ھ	۲۰/۲۴ سال	۸۰/۸۴ سال	۵۹/۶۰ھ	مدینہ منورہ	۷ یا ۸ سال	۵۵/۵۶ سال
۶	حضرت زینبؓ بنت جحش	۵ھ	۳۶ سال	۵۱ یا ۵۲ سال	۲۰/۲۱ھ	مدینہ منورہ	۷ یا ۸ سال	۵۵/۵۶ سال
۷	حضرت جویریہؓ	۵ھ	۲۰ سال تقریبا	۶۵/۷۱ سال	۵۶ھ	مدینہ منورہ	۷ سال	۵۶ سال
۸	حضرت زینبؓ	۳ھ	۳۰ سال	۳۰ سال	۳ھ	مدینہ منورہ	۳ ماہ	۵۵ سال
۹	حضرت اُمِّ حبیبہؓ	۶ھ	۳۶ سال	۷۲ سال	۴۴ھ	مدینہ منورہ	۶ سال	۵۷ سال
۱۰	حضرت صفیہؓ	۷ھ	۱۷ سال	۵۰ سال	رمضان ۵۰ھ	مدینہ منورہ	تقریبا ۳ سال	۵۹ سال
۱۱	حضرت میمونہؓ	ذیقعدہ ۷ھ	۳۶ سال	۸۰ سال تقریبا	۵۱/۶۱ھ	سرف قریب	۳ یا ۴ سال	۵۹ سال

نقشہ عمود نسبِ نبویؐ

وانسابِ اُمہات المؤمنینؓ کا اِتصال

حفصہؓ	عائشہؓ	خدیجہؓ		محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اُمّ سلمہؓ	سودہؓ	زینبؓ	میمونہؓ	اُمّ حبیبہؓ
-	-	-	۲۰	معد بن عدنان	-	-	-	-	-
-	-	-	۱۹	نزار	-	-	-	-	-
-	-	-	۱۸	مضر	-	-	-	-	-
-	-	-	۱۷	الیاس	-	-	-	غیلان	-
-	-	-	۱۶	مدرکہ	-	-	-	قیس	-
-	-	-	۱۵	خزیمہ	-	-	-	خصفہ	-
-	-	-	۱۴	کنانہ	-	-	-	عکرمہ	-
-	-	-	۱۳	نضر	-	-	-	منصور	-
-	-	-	۱۲	مالک	-	-	-	ہوازن	-
-	-	-	۱۱	فہر	-	-	-	بکر	-
-	-	-	۱۰	غالب	-	-	-	معاویہ	-
عدی			۹	لوی			اسد	صعصعہ	-
زراح			۸	کعب		عامر	دودان	عامر	-
قرط	تیم		۷	مرہ		حل	غنم	ہلال	-
عبداللہ	سعد		۶	کلاب	ابو یقظہ	مالک	کثیر	عبداللہ	-
رباح	کعب		۵	قصی	مخزوم	نصر	مرۃ	رویبہ	-
عبدالعزیٰ	عمرو		۴	عبدمناف	عمرو	عبدود	صبیرہ	ہرم	عبدشمس
نفیل	عامر	عبدالعزیٰ	۳	ہاشم	عبداللہ	عبدشمس	یعمر	بجیر	اُمیہ
خطاب	ابوقحافہ	اسد	۲	عبدالمطلب	مغیرہ	قیس	رباب	حزن	حرب
عمرؓ	ابوبکرؓ	خویلد	۱	عبداللہ	ابواُمیہ	زمعہ	جحش	حارث	ابوسفیان صخر

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: ان چار عورتوں میں شمار ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ وسلم نے تمام دُنیا وآخرت کی عورتوں سے برگزیدہ فرمایا ہے، جاہلیت میں ان کا لقب "طاہرہ" تھا، مرد وعورت سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشکلاتِ نبوّت پر غور کرتے، تو یہ فرمایا کرتے: "لقد خشیت علٰی نفسی" یعنی مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے، تو حضرت خدیجہؓ ہی نے تسلی دی اور مزید اطمینان کے لئے چچیرے بھائی نوفل کے پاس لے گئیں، اور نوفل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہ وہی ناموسِ اکبر ہے، یعنی جبریل علیہ السلام ہیں جو کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آیا تھا، (کذا فی البخاری) ان کا نکاح اوّل عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا تھا، اس سے چار اولاد ہوئیں۔

دُوسرا نکاح ابوہالہ ہند بن نباش سے ہوا، جس سے ہالہ، طاہر اور ہند پیدا ہوئے، یہ تینوں صحابہؓ ہیں، ہالہ کے فرزند کا نام ہند تھا، وہ اپنے باپ سے روایت بھی رکھتے ہیں، اور طاہر بن خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ربع یمن کا حاکم مقرّر فرمایا تھا، وفاتِ نبوی کے بعد یہی قبائل سب سے پہلے مرتد ہوئے تھے، طاہر نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے مسروق بن الاجدع کی معیت میں لشکرکشی کی اور فتحِ عظیم حاصل ہوئی، اور ہند بن خدیجہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب (پروردہ) ہیں، جنگِ جمل میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی جانب تھے اور وہیں شہید ہوئے، اور یہی وصاف النبی مشہور تھے۔

پھر تیسرا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کی درخواست پر ہوا، بعدۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فکرِ معیشت سے فارغ ہوکر ذکر وفکرِ ربانی میں ہمہ تن مصروف ہوئے، اولادِ پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گزر چکا ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا: کی والدہ شموس بنتِ قیس ہے، اور قیس برادر سلمٰی زوجہ ہاشم جد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، گویا حضرت سودہؓ کی ننھیال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال تھی، یہ خاتون سکران بن عمرو بن عبد وَدّ کے نکاح میں تھیں، یہ پہلے ایمان لائیں، بعدہٗ ان کی ترغیب سے سکران بھی مشرف باسلام ہوئے، پھر اپنے خاوند کے ساتھ اپنی والدہ سمیت حبشہ کی ہجرت کی، حبشہ میں سنہ۱۰ نبوّت میں سکران کا انتقال ہوا، حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا نکاح ہوا، انہوں نے چند سال بعد اپنا وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا محاسنِ اخلاق و مکارمِ افعال میں ابتدا ہی سے معروف تھیں، ان سے پانچ احادیث مروی ہیں، ایک بخاری میں، اور چار سنن میں، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: صدیقہ بنتِ صدیق، طیبہ زوجِ طیب، حبیبہ حبیبِ الٰہ الارض والسماء ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، ان کی ماں کا نام اُمِّ رومان زینبؓ ہے، جن کا سلسلۂ نسب، نسبِ نبوی سے کنانہ پر جا ملتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان بیان سے باہر ہے، ان ہی کی پاکیزگی میں سورۂ نور کی بہت سی آیتیں اُتریں، اور ان کو طیبہ ٹھہرایا، اور انہی کے لحاف میں وحی اُترتی تھی، انہی کی محبت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدۃ نساء العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا تھا (رواہ مسلم)، اور آیتِ تیمّم ان کے باعث نازل ہوئی (بخاری)، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ اختیار پہلے اُنہی کو سنائی تھی اور انہوں نے سب سے پہلے اللہ و رسول اور آخرت کو اختیار کیا (رواہ البخاری)، معانی قرآن شریف، اَحکامِ حلال وحرام، اشعارِ عرب اور علم الانساب میں فائق تھیں (مدارج النبوۃ)، علمِ نبوّت کی

اشاعت زیادہ تر انہی سے ہوئی، دو ہزار دو سو دس حدیثیں ان سے مروی ہیں، فتاویٰ شرعیہ، حلِ مشکلاتِ علمیہ، بیانِ روایاتِ عربیہ اور واقعاتِ تاریخیّہ ان کے علاوہ ہیں۔ جنگِ جمل میں ان سے شریک ہونے کی غلطی ہوئی، جنگ کے خاتمے کے بعد فرماتیں کہ: میری اور علیؓ کی شکر رنجی ایسی ہے جیسے عموماً بھاوج اور دیور میں ہوجایا کرتی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا: بخدا! سچی بات یہی ہے۔ اور یہ واقعۂ جنگ حادثۂ اتفاقیہ تھا، ہر ایک فریق یوں ہی سمجھتا تھا کہ ابتدا دُوسری جانب سے ہوئی ہے، اور مدافعت کا حملہ ہوا۔ (کتاب الفصل فی الملل ج:۴ ص:۱۵۸، مطبوعہ مصر) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں اُمِّ رومان کا انتقال رمضان ۶ھ میں ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں خود اُترے تھے، حضرت عائشہؓ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۷ر رمضان ۵۷ھ کو مدینہ منوّرہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں استراحت فرمائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، پہلے خنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی السلمی کی منکوحہ تھیں، خنیسؓ سابقینِ مہاجرین میں سے ہیں، اوّل ہجرتِ حبشہ، بعدہٗ ہجرتِ مدینہ طیبہ کی، بدر و اُحد میں حاضر ہوئے، اور جنگِ اُحد میں زخمی ہوکر مدینہ طیبہ میں وفات پائی، بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمالیا، حضرت حفصہؓ کی ولادت پانچ سال قبل از بعثت ہے، حضرت حفصہؓ کی مرویات کل ساٹھ ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ان کے برادرِ شفیق ہیں، حضرت عمرؓ کی نسل سے خواجہ فریدالدین گنج شکر، مجدّد الفِ ثانی، شاہ ولی اللہ، شاہ ابوالخیر اور ضیاء معصوم نزیل چارباغ کابل وغیرہم، رحمہم اللہ تعالیٰ دائماً، ہیں۔

اُمّ المساکین حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ: جاہلیت میں ان کا لقب اُمّ المساکین تھا، ان کا نکاحِ اوّل طفیل سے اور دُوسرا عبیدہ سے ہوا، یہ دونوں حضورِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی ہیں، ان کا تیسرا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا جو کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی ہیں، جنگِ اُحد میں شہید ہوئے، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح ہوا، دو یا تین ماہ زندہ رہیں، ماں کی جانب سے یہ اُمّ المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا: نہایت قدیم الاسلام ہیں، ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی منکوحہ تھیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں، اور ان کی والدہ برہ بنتِ عبدالمطلب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں، اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر بمعہ شوہر مکہ شریف واپس ہوئیں، پھر مکرّر ہجرت پر ابوسلمہؓ کے گھر والوں نے ان کے بیٹے سلمہ کو روک لیا اور اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہ جانے دیا، ایک سال تک روتی رہیں، عثمان بن طلحہ، کلید بردارِ حرم کو ان کی بے کسی پر رحم آیا، مدینہ منورہ کے قریب پہنچا کر واپس چلا گیا، ابوسلمہؓ جنگِ بدر میں شریک ہوئے، اور جنگِ اُحد میں زخمی ہوکر جمادی الاخریٰ ۳ھ میں وفات پائی، بعدۂ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا، اور ان کے بچے عمر اور سلمہ اور لڑکیاں زینب اور درہ زیرِ تربیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے، عمر بن ابوسلمہ ۲ ہجری میں پیدا ہوئے، حضرت علیؓ کی جانب سے فارس اور بحرین کے حاکم رہے، ۸۳ھ میں وفات پائی، سلمہ بن ابی سلمہ کے ساتھ اُمامہ بنتِ امیر حمزہؓ کا نکاح ہوا، عبدالملک کے عہد میں وفات پائی، زینب بنتِ ابی سلمہ کا نکاح عبداللہ بن زمعہ بن الاسود الاسدی سے ہوا، بہت فقیہ تھیں، یوم الحرہ میں ان کے دونوں بیٹے مارے گئے۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا: کا نام رملہ بنتِ ابی سفیان بن

اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہے۔ ان کی ماں صفیہ بنتِ ابی العاص بن اُمیہ ہے، ان کا پہلا شوہر عبیداللہ بن جحش تھا، جو عیسائی بن گیا تھا اور اسی حالت میں مرگیا، پھر شاہِ حبشہ نجاشیؒ نے چار سو دینار مہر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھا اور آپ کو مدینہ شریف بھیج دیا۔ ۴۴ھ میں وفات پائی، مرویات کتب میں کل ۱۶۵ احادیث ہیں، ان کے سگے بھائی یزید الخیر ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے علاتی بھائی تھے۔

اُمّ المؤمنین زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا: آپؓ کی والدہ اُمیمہ بنتِ عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں، یہ پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، زیدؓ نے طلاق دے دی، جس کا قصہ قرآن شریف میں ہے، پھر رسمِ ضالہ کے دفع کرنے کے لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

اُمّ المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا: غزوۂ مریسیع میں اسیر ہوکر آئیں، ان کی پہلی شادی مسافح بن صفوان مصطلقی سے ہوئی، یہ حارث بن ابی ضرار سیّدِ قوم کی بیٹی تھیں، ان کی مرویاتِ احادیث ۷ ہیں۔

اُمّ المؤمنین صفیہ بنتِ حی بن اخطب بن شعبہ: سبطِ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں، رضی اللہ عنہا، ان کا پہلا نکاح کنانہ بن ابی العقیق سے ہوا تھا، وہ جنگِ خیبر میں مارا گیا، یہ اسیر ہوکر آئیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا، کل مرویات ۹ ہیں۔

حضرت اُمّ المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا: یہ پہلے ابی رہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، اس سے پیشتر حویطب بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، ۷ھ میں بیوہ ہوگئیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ ازواجہ واولادہ واتباعہ وسلم سے نکاح ہوا، ان کی

کل مرویات ۶۷ ہیں۔

تمّت الحمد لله رب العالمین حمدًا کثیرًا طیبًا

فاصلی علیک بالتسلیم

متحفا عند حضرت الصمد

بعدد الرمال والأنفاس

والنبات الکثیر منتضد

وعلی الال کلهم ابدًا

بالغا عند منتهی الامد

محمد عبداللہ عفی عنہ

وسیلۂ رفیعہ

یعنی

وسیلہ کی اقسام و احکام

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ جَعَلَ اِتِّبَاعِ الۡاَنۡبِیَاءِ وَسِیۡلَۃً لِّقُرۡبِہٖ وَاتِّبَاعِ الۡھَوٰی مُفۡضِیَۃٌ اِلٰی غَضَبِہٖ وَالسَّلَامُ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِہٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ اَنۡبِیَائِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ الَّذِیۡنَ اھۡتَدَوۡا بِھَدۡیِہٖ وَسِیۡرَتِہٖ وَعَلٰی اَتۡبَاعِہٖ دَائِمِیۡنَ عَدَدَ خَلۡقِہٖ وَرِضٰی نَفۡسِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ وَزِنَۃَ عَرۡشِہٖ اٰمِیۡنَ!

اما بعد! جاننا چاہئے کہ لغت میں ''وسیلہ'' کا معنی ہے: نزدیکی جستن چیزے (کسی چیز کا قرب تلاش کرنا)، کہا جاتا ہے: ''تَوَسَّلَ اِلَی اللّٰہِ وَسِیۡلَۃً اِذَا تَقَرَّبَ اِلَیۡہِ بِعَمَلٍ'' یعنی جب عملِ صالح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے تو اس وقت توسل الی اللہ کہا جاتا ہے۔ (صراح)

کبھی وسیلہ بمعنی قرب کے ہوتا ہے، جیسے ''اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الۡوَسِیۡلَۃَ'' یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب عطا فرما، یعنی اس قرب سے جو پہلے سے ہے، بدرجہا زائد قرب عطا فرما۔

توسل دو قسم پر ہے: ۱:...جائز۔ ۲:...ناجائز۔

توسلِ جائز وہ ہے جو قرآن مجید و حدیث شریف سے ثابت ہے۔ مشرکین، لات و عزیٰ وغیرہ سے جاتے آتے، اُٹھتے بیٹھتے مدد طلب کیا کرتے تھے، کہتے تھے:

"بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی" اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ہمیں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سکھائی کہ مسلمان کی استمداد اللہ رحمٰن و رحیم سے ہونی چاہئے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ کی دُعا ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" مگر ہمیں وسیلہ پکڑنے کی بھی اٹکل سکھائی کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" تک اسی حمد و ثنا کا ذکر ہے، پھر اپنی نیاز و غلامی پیش کرو، "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میں اسی نیاز و غلامی کا اظہار ہے، پھر اپنا مدعا، مطلب اور درخواست پیش کرو، چنانچہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" سے آخر تک یہی درخواست ہے، جس کا جواب ہمیں "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" سے ملا کہ ہدایت اگر چاہتے ہو تو یہ قرآن مجید ہے، اس پر عمل کرو، راہ یاب ہوجاؤ گے۔ راہ یاب ہونے پر ہدایت و فلاح کو مرتب کیا اور فرمایا: "اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" اور آخر سورہ میں ہمیں وسیلہ پکڑنے کا طریق سکھایا، جیسا کہ ارشاد ہے:

"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ." (البقرۃ:۲۸۵)

ترجمہ:... "مان لیا رسولؐ نے جو کچھ اُترا اس کے ربّ کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی، سب نے مانا اللہ کو، اور اس کے فرشتوں کو، اور اس کی کتابوں کو، اور اس کے رسولوں کو، کہتے ہیں ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں سے اور کہہ اُٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا۔ تیری بخشش چاہتے ہیں اے ربّ ہمارے اور تجھی سے رُجوع ہے۔"

سب کو معلوم ہے کہ دُعا "غُفْرَانَكَ" سے شروع ہوئی ہے، اور اس سے

پہلے کی عبارت درگاہِ خداوندی جل شانہ میں بطور وسیلہ کے لائی گئی ہے، حاصل یہ ہے کہ اے ربّ! آپ کی بخشش مؤمنوں کے لئے ثابت ہے، اور ہم مؤمن ہیں۔ پس ایمان باللہ وغیرہ اور عملِ صالح "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" سے بخشش مانگنے کا وسیلہ ہوا۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے دُعا کی تو یہ وسیلہ لائے:

"رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ." (آل عمران:۵۳)

ترجمہ:... "اے ربّ ہمارے! ہم نے یقین کیا جو تو نے اُتارا ہے، اور ہم تابع ہوئے رسول کے، سو لکھ لے ہم کو زمرۂ شہداء سے (یعنی اکمل اُمت سے)۔"

ظاہر ہے کہ دُعا "فَاكْتُبْنَا" ہے، اور پہلے کی چیزیں درخواست کے قبول ہونے کے لئے وسیلہ ہیں۔

اسی طرح سورۂ آلِ عمران کے اخیر رُکوع میں ہے:

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا، رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا." (آل عمران:۱۹۳)

ترجمہ:... "اے ربّ ہمارے! ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے ربّ پر، سو ہم ایمان لائے اے پروردگار ہمارے! بخش ہم کو گناہ ہمارے۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دُعا "رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا" ہے، اس سے پہلے کی عبارت عرض قبول کرانے کے لئے وسیلہ ہے، اور وہ ایمان باللہ و بالرسول ہے۔

مطلب یا غرض دو قسم کی ہیں: ۱:...حاجت روا ہونا۔ ۲:...دُکھ دُور ہونا۔

حاجت روائی کا طریق تو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور فاتحہ میں سکھلایا۔

اور دُکھ دُور ہونے کا طریقہ آخرِ قرآن مجید میں اشارۃً وصراحۃً فرمایا۔

اوّل توحید کا اقرار سورۂ اِخلاص میں، اور پھر دُکھ دُور ہونے کا طریقہ اگر دُنیوی دُکھ ہوتو سورۂ فلق میں، اور دِینی دُکھ ہوتو سورۂ ناس میں بتلایا۔

توحید کا اعتقاد و اقرار اور خدا تعالیٰ کی پناہ ہی دُکھ دُور کرتی ہے، انسان ہمیشہ اپنے رَبّ تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے اُن اسباب کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے جو اُس کے مطلوب کے مقتضی ہیں، ایک طریقہ تو وہی ہے جو مذکور ہوا کہ ایمان اور وہ اعمالِ صالحہ جن پر اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے ایمان و اعمالِ صالحہ کے توسل سے اللہ سے دُعا و درخواست کرے، چنانچہ نماز کی مشہور حدیث میں ان تین آدمیوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے توسل سے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

۲:... دوم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندوں سے (جو مستجاب الدعوات ہیں) دُعا کرائے، جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کبریا میں حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دُعا سے توسل کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دُعا منقول ہے، جس کا خلاصۃً ترجمہ یہ ہے:

> ”بارِ خدایا! جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو ہم تیری درگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے توسل کیا کرتے تھے، اور تو ہماری دُعا قبول فرماکر ہمیں پانی دیا کرتا تھا، اور بے شک اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (حضرت) عباسؓ کے واسطے سے توسل کرتے ہیں، بارِ خدایا! ہمیں پانی دے۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۳۷)

روایت میں مذکور ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کو پانی دیتا تھا۔ حاصل یہ ہوا کہ حضورِ پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ میں صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرتے تھے، یعنی آپؐ سے دُعا کرایا کرتے تھے، اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے یعنی دُعا کرائی اور ان کو شفیع بنایا۔ توسل کے یہ معنی نہیں کہ صرف کسی کا نام لے کر دُعا کی جائے۔

۳:... سوم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ اور اس کی صفاتِ علیا کے توسل سے دُعا مانگے، جیسا کہ سنن میں یہ دُعا منقول ہے:

الف:... "لا الٰہ الا انت المنان بدیع السمٰوات والارض، ذا الجلال والاکرام۔" (ترمذی ج:۲ ص:۱۹۳)

ب:... "اللّٰھم انی اسئلک بانک انت اللہ لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔" (مشکوٰۃ ص:۱۹۹، بحوالہ ترمذی وابوداؤد)

اس کے علاوہ وہ دُعائیں جو عوام میں مشہور ہیں، جن کو تعویذ فروش لکھا کرتے ہیں: "اسئلک باحتیاط قاف وھو یوف الحاف ..... الخ" (اور وہ دُعا یا منتر) جس کے معنی معلوم نہ ہوں، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، تابعینؒ، ائمۂ دِین اور صلحائے اُمت سے منقول نہیں، اُن چیزوں پر حلف اُٹھانا یا اللہ تعالیٰ سے اس کا واسطہ دے کر درخواست کرنا جائز نہیں۔

۴:... چہارم طریقہ توسل کا یہ ہے کہ کلامِ پاک کے ساتھ توسل کرے:

"اللّٰھم انی اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہٖ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدًا من خلقک"

گو اس میں بھی اسم کا توسل ہے، مگر وہ جو تیری کتاب میں منزل ہے، تو

اس سے کتاب کا بھی توسل ہوگیا۔ نیز ایمان بالکتاب بھی توسل ہے، جیسا کہ: ''کُلٌّ اٰمَنَ بِاللهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ'' میں مذکور ہے۔

۵:... پنجم توسل یہ ہے کہ حضرت انس بن النضیرؓ نے کہا: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصاً ربیع کے دانت توڑنے کا حکم دیا تو حضرت انسؓ نے کہا: مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس پر فریقِ ثانی نے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیا اور دیت پر راضی ہوگئے، جس سے حضرت انس بن النضیرؓ کی قسم پوری ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان من عباد الله من لو اقسم على الله لأبرّه. متفق عليه'' (مشکوٰۃ ص:۳۰۰)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جو اگر قسم کھا کر خدا تعالیٰ سے کوئی التماس پورا کرانے پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کرتا ہے۔''

اسی طرح حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ: بارِ خدایا! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ایسا کرے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم پوری کی۔

۶:... ششم توسل وہ ہے جس کو اہلِ سنن نے روایت کیا ہے، امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، کہ:

''ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لئے دُعا کیجئے کہ مجھے آنکھیں (بینائی) بخش دے ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرکے دو رکعت

نماز پڑھے، اس کے بعد یہ کہے کہ: بارِ خدایا! میں تجھ سے سوال
کرتا ہوں اور تیرے نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناکر
تیری طرف توجہ کرتا ہوں، یا محمدؐ! یا رسول اللہؐ! میں آپ کو وسیلہ
بناکر اپنے رَبّ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کے بارے میں متوجہ
ہوتا ہوں کہ وہ اس کو پورا کرے، بارِ خدایا! آپؐ کی شفاعت
میرے حق میں قبول فرما۔'' (مشکوٰۃ ص:۲۱۹)

اس کا حاصل یہ ہے کہ سائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین فرمودہ دُعا کو وسیلہ بناکر بارگاہِ الٰہی جل شانہ میں اس کو شفیع لایا اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی استدعا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یعنی دُعا کو اس کے حق میں قبول فرمائے۔

۷:... ہفتم توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائے، زاری کرے اور درخواست کرے، کیونکہ دُعا و زاری رحمت لانے کا وسیلہ ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ''اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ'' (یعنی) مجھ سے مانگو، میں ہی قبول کروں گا۔

حدیث شریف میں ہے:

''مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ'' (مشکوٰۃ ص:۱۹۵)

ترجمہ:... ''جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ
اس پر ناراض ہوتا ہے۔''

دُعا ہی جالبِ رحمت ہے، دُعا ہی دافعِ بلا ہے، دُعا ہی رافعِ درجات ہے، تمام عبادتیں دُعا ہی ہیں، دُعا ہی مخ العبادات ہے، مگر اس طریق سے جو سنتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، سنتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سے صحیح ثابت ہیں، اور جو دُعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمۂ مجتہدینؒ سے ثابت نہیں، اگر کسی نے انہیں جائز کہا ہے تو صحیح تأویل میں لاکر جائز

کہا ہے، مثلاً: الٰہی بجاہِ فلاں، خدایا بحق بنی فاطمہ، الٰہی بحرمۃ شیخ فلاں، و ببرکۃ فلاں، اور اس کی مثل، جو سنتِ صحابہؓ و تابعینؒ و ائمۂ مجتہدینؒ سے ثابت نہیں۔

نشر الطیب میں ہے کہ حرمت و برکت وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بزرگ میرے اعتقاد میں تیرے مقبول ہیں، اور مجھے تیرے مقبولین سے تیرے باعث محبت و پیار ہے، اسی سبب سے میرا فلاں مطلب و مقصد پورا فرما، یا مجھ پر رحمت فرما، یا میرا خاتمہ ایمان پر فرما۔

جاہ کا معنی: قدر و شوکت والے ہیں، حرمت بمعنی تعظیم ہے، یعنی تیری عبادت کے باعث تعظیم والے یا برکت والے ہیں۔

روح المعانی میں پارہ ششم آیت: "وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" پر اس جیسی تأویل و معنی کیا ہے، اور فرمایا کہ:

> "ایسے الفاظ سلف صالحینؒ خیر القرون میں مستعمل نہ تھے، اور عام تام اکثر اُمت کے خاص و عام میں یہ الفاظ مستعمل ہیں، اگر کہا جائے کہ ایسے الفاظ ممنوع ہیں تو تمام یا اکثر اُمت کی تخطیہ و تغلیط ہوگی، اس لئے جائز تأویل کی جائے تاکہ سب کو گنہگار نہ کہا جائے، پس جو الفاظ شجرہ و سلسلۂ نقشبندیہ و قادریہ چشتیہ وغیرہ میں مستعمل ہیں، وہ اسی تأویل میں مؤوّل ہیں، خوب سمجھ لو! قیامت کا حساب سخت ہے، ابھی سے حساب صاف کرلو۔"

سلسلۂ مبارکہ حضراتِ خواجگانِ نقشبندیہ احمدیہ معصومیہ مظہریہ دوستیہ عثمانیہ رضی اللہ عنہم اجمعین

یہاں حضراتِ اولیاء کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' بطور دُعا کے ہے۔

الٰہی بحرمۃ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سیّد خلق اللہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الٰہی بحرمۃ خیر الاُمت خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکرٍ الصدیق رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ صاحب رسول اللہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ امام قاسم امام الحرمین رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت امام جعفر صادق سیّد السادات رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابوالقاسم گورگانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابویوسف ہمدانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ جہان حضرت عبدالخالق غجدوانی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ عارف ریوگری رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ امیر کلال رضی اللہ عنہ۔

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ خواجگان پیر پیران سیّد محمد بہاء الدین نقشبند رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ علاء الدین عطار رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ محمد زاہد رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ درویش محمد رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ خواجگی محمد امکنکی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ مولانا خواجہ محمد معصوم عروۃ الوثقیٰ رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت سلطان اولیاء شیخ سیف الدین رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت حافظ محمد محسن دہلوی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت سیّد السادات سیّد نور محمد بدایونی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ شمس الدین الشہید حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ مجدد مائۃ الثالث والعشر حضرت شاہ غلام علی دہلوی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت محبوب الرحمٰن مولانا شاہ احمد سعید مہاجر مدنی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ سلطان العاشقین حاجی الحرمین حضرت دوست محمد قندہاری رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ زبدۃ الفقہاء والمحدثین حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت عمدۃ السالکین خواجہ محمد سراج الدین دامانی رضی اللہ عنہ۔
الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ زبدۃ العارفین محمد ابراہیم ادام اللہ فیوضہ۔
وبحرمۃ حضرت عمدۃ العلماء والفضلاء، جامع المعقول والمنقول عارف مولانا

محمد امیر صاحب دامانی رضی اللہ عنہ۔
وبحرمۃ علامہ رأس المفسرین مجدد مائۃ الرابع والعشر مولانا حسین علی واں بھچراں رضی اللہ عنہ۔
وبحرمۃ محی السنۃ خواجہ فضل علی قریشی مسکین پوری رضی اللہ عنہ۔
الٰھی بفضلک ورحمتک ثم بحرمۃ الصالحین توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین اٰمین یا ربّ العالمین۔
ننگِ اسلاف پُرخطا راجی رحمۃ اللہ عبداللہ عفا اللہ تعالیٰ عنہ بہلوی ثم اسلام آبادی۔

اعمالِ متفرقہ

ہر نماز کے بعد "**سبحان اللہ**" ۳۳ بار، "**الحمد للہ**" ۳۳ بار، "**اللہ اکبر**" ۳۴ بار، اور "**لا الٰہ الا اللہ**" سو مرتبہ، اور ختم پر لفظ "**محمد رسول اللہ**" ملا کر تین بار دُعا کرے: الٰہی! مقصودِ من توئی و رضائے معرفت و محبت خود دہ۔

نمازِ تہجد: جب نیند سے بیدار ہو، وضو کر کے مصلّے پر کھڑے ہو کر "**اللہ اکبر**" دس بار، "**سبحان اللہ**" دس بار، "**اللّٰھم اغفر لی**" دس بار، "**الحمد للہ**" دس بار، "**اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم**" دس بار پڑھ کر پہلی دو رکعت نفل میں بعد فاتحہ شریف، سورۂ اِخلاص تین، تین بار پڑھ کر فارغ ہو کر نیاز سے دُعا کرے، اور اس کے بعد ہر رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ، سورۂ اِخلاص سات، سات بار پڑھتا جائے، ادنیٰ درجہ تہجد کا چار رکعت ہے، اور اعلیٰ درجہ بارہ رکعت ہے، اگر کسی کو فکر ہو کہ نیند سے بیداری نہ ہوگی تو سوتے وقت تہجد کی نیت سے نماز پڑھ کر سو جائے، اور اگر اتفاقاً نیند سے جاگ نہیں ہوئی تو سورج نکلنے کے بعد بارہ رکعات پڑھ لے، اور اگر نمازِ تہجد میں سورۂ یٰسین پڑھا کرے تو عمدہ ہے، تہجد میں جتنا قرآن مجید زیادہ پڑھے بہتر ہے۔

"ایامِ بیض" کے روزے رکھنا بڑا ثواب ہے، ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں

اور پندرھویں کو ''اَیامِ بیض'' کہتے ہیں، اسی طرح ہر جمعرات و سوموار کو روزہ رکھنا بڑا ثواب ہے، اسی طرح محرّم کی نویں و دسویں اور ذوالحجہ کی نویں کا روزہ رکھنا ثواب ہے، اور مشکل کے وقت آیتِ کریمہ: ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ'' کو اس ترکیب سے پڑھے کہ تین رات کے لئے اندھیرے میں، ایک مکان میں، ایک چادر نیچے اور ایک اُوپر اوڑھ کر بیٹھ جائے، اور قمیص نہ پہنے، اور پانی کا پیالہ سامنے رکھ لے، آیتِ کریمہ پڑھتے وقت اس پانی سے ہاتھ بھگو کر بدن پر ملتا رہے، تین سو بار پڑھے اور اوّل آخر دُرود شریف سات، سات بار پڑھے، تین رات تک پڑھے، اس کے بعد ہر روز ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے، اوّل آخر دُرود شریف تین، تین بار پڑھ کر حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے نیاز (عاجزی) سے دُعا کرے، جلد ہی مشکل کشائی و حاجت روائی ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ بفضلہٖ وکرمہٖ۔

اگر بیمار کے علاج سے مایوسی ہوجائے: تو یہ علاج مجرّب ہے، چینی کی طشتری پر دُرود شریف، فاتحہ شریف، ''یَا حَیُّ حِیۡنَ لَا حَیَّ فِیۡ دَیۡمُوۡمَةِ مُلۡكِهٖ وَبَقَائِهٖ یَا حَیُّ''، سورۂ فلق اور دُرود شریف اکتالیس روز تک لکھ کر پلاتے رہیں، مریض کو شفا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ہر بخار، دَرد اور بیماری کے لئے: یہ کلمات: ''یَا اَللّٰہُ یَا رَحۡمٰنُ یَا رَحِیۡمُ'' لکھ کر مریض کو پلاتے رہیں، اور اگر مریض دن میں یہ تعویذ دو بار یا زیادہ بار پیا کرے تو جلد شفا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ، تمام مجرّب ہے۔

بچہ زندہ رہنے کے لئے: سوموار کی دوپہر کو فلفل سیاہ آدھ سیر اور اجوائن دیسی آدھ سیر پر سورۂ والشّمس اکتالیس بار، ہر بار کے اوّل و آخر ایک بار دُرود شریف پڑھ کر دَم کرے، حمل کے تیسرے یا پانچویں مہینے سے بچے کا دُودھ چھڑانے تک ایک ایک، دو دو دانہ عورت کھاتی رہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ بچے کی عمر دراز ہوگی، بہت مجرّب ہے۔

وصیت ونصیحت نامہ از ضیاء القلوب

طالب کو چاہئے کہ پہلے فرقۂ ناجیہ (اہلِ سنت والجماعت) کے عقائد کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کرے، اور اس کے بعد مسائلِ ضروریہ سیکھے، اور کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اتباع کرے، اس کے بعد نفس کو رذیل اخلاق و عادات سے پاک وصاف کرے:

خواہی کہ شود دِل چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن از درونِ سینہ
حرص واَمل وغضب ودروغ وغیبت
بخل و حسد و ریا و کبر و کینہ

اس کے بعد تجلیہ یعنی اخلاق واوصافِ حمیدہ سے اپنے آپ کو معمور کرے اور منازلِ سلوک کی تحصیل میں بھی کوششِ بلیغ کرے۔

خواہی کہ شوی بمنزل قرب مقیم
نہ چیز بنفسِ خویش فرما تعلیم
صبر وشکر وقناعت وعلم و یقین
تفویض و توکل و رضا و تسلیم

فائدہ:... سالک کو یہ بھی چاہئے کہ شریعت کے اَحکام پر مستحکم رہے، ممنوعات سے بچتا رہے، تقویٰ کو اپنا شعار بنائے، تمام اعمال میں سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کرے، خواہ عبادات ہوں یا معاملات، معاشرات ہوں یا اخلاق، تدبیرِ منزل ہو یا سیاستِ مدنیہ، اور بدعت سے بچنے کی تمام تر کوشش کرے، اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اِتباعِ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، جتنا سنت پر عمل ہوگا، اتنا قرب ہوگا، (بندہ) جس قدر سنت کے عمل سے بعید ہوگا اتنا ہی قرب وکمال سے بعید ہوگا، اگرچہ انوار، استغراق، سکر، صحو، فنا اور بقا سے

معمور ہو، پھر وہ نور، استغراق وغیرہ چیزیں ناری ہیں، نوری نہیں، ظاہر میں روشنی ہے مگر حقیقت میں بوجہ دُوریٔ سنت، نار تک پہنچانے والی ہیں، یہ کرامت نہیں بلکہ استدراج ہوگا، فافہم وتفکر! پس جب صحت اعتقاد اور سنت کے مطابق عمل ہوتے ہوئے لذّت بھی حاصل ہوتو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور تھوڑے کو بہت جانے، اور ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے کرے اور کشف وکرامات سے لذت نہ اُٹھائے، بلکہ فکرمند رہے کہ عجب وکبر کا مرض اس سے پیدا ہوتا ہے، اور جب قبض و تنگیٔ دِل پیش آئے تو مایوس نہ ہو:

تو مگو مارا بہ ایں شاہ بار نیست
بر کریما کارہا دُشوار نیست

ترجمہ:... ''تو ہمیں یہ بات نہ کہہ کہ یہ پھل بادشاہ کے پاس نہیں ہے، اہلِ سخا پر بہت سے کام مشکل نہیں ہوتے۔''

ہر ظلمت کے بعد صبح ہے اور حالتِ بسط و انشراح میں شکر کرتا رہے، اور حدودِ شرعیہ کا پابند رہے، اور اوقات کو فارغ نہ رکھے، اور وقت کو غنیمت سمجھے، گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا، اور ناجنس مخالف شریعت کی صحبت سے دُور رہے۔

نخست موعظ پیرِ کہن ہمیں سخن است
کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنی

ترجمہ:... ''شیخ کی پہلی نصیحت یہی ہے کہ ناجنس ساتھی سے پرہیز کر۔''

خلافِ شرع درویشوں سے، اگرچہ ان سے خوارقِ عادات دیکھے، دُور رہے، اس لئے کہ ان کا قرب سمِ قاتل ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین من الصلوٰۃ والسلام افضلھما واکملھما آمین!

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت وان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عبدک ورسولک، استغفرک واتوب الیک، اللّٰھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم